ابنِ صفی

جلد نمبر
7

جاسوسی دنیا

21- شاہی نقارہ

22- خون کا دریا

23- قاتل سنگریزے



پیش رس

"شاہی نقارہ" ملاحظہ فرمائیے۔

کچھ دن ہوئے ایک دوست نے کہا تھا کہ پیش رس میں کتاب کے بارے میں لکھنے کی بجائے اس صفحے پر "قسمت" کا حال بتایا کرو۔ کتاب کی اشاعت بھی بڑھ جائے گی۔ میں نے کہا مجھے یہ "وِدّیا" نہیں آتی۔ کہنے لگے ذہانت کو کام میں لاؤ۔ میں نے کہا نہیں بھائی! میرے بس کا روگ نہیں ہے۔ بولے "اچھا میں تمہاری رہنمائی کرتا ہوں۔ اعلان کرو کہ اس کتاب پر نظر پڑتے ہی سب سے پہلے جس جانور کا خیال آئے اس کا نام، اپنے نام اور پتے کے ساتھ ہمیں لکھ بھیجئے۔ ہم آپ کو آپ کی آئندہ زندگی کے سارے احوال بتادیں گے۔"

میں حیرت سے ان کی شکل دیکھتا رہا۔ میری دشواری سمجھ کر زور سے ہنسے اور بولے "میاں ہر شخص آئندہ زندگی سے متعلق طرح طرح کے ہوائی قلعے بناتا رہتا ہے۔ تمہارے بھی کچھ ہوائی قلعے ضرور ہوں گے۔ ان ہی پر نظر رکھتے ہوئے اچھی اچھی پیش گوئیاں کرتے چلے جانا۔ بس ایک تکنیکی نکتہ سمجھ لو۔ وہ یہ کہ کسی کو پانی سے محتاط رہنے کی ہدایت کر دینا اور کسی کو آگ سے۔ کراچی کا باشندہ ہو تو صرف ایک ہی ہدایت کرنا کہ پیدل سڑک پار کرنے کی جرأت کبھی نہ کرے۔ اس طرح تمہاری غیب دانی کی بھی دھاک بیٹھ جائے گی اور صفحہ بھی بھر جائے گا۔"

آپ کی کیا رائے ہے؟

والسلام

ابن صفی

کنواری ہرنی

صبح چار بجے سے بارہ بجے تک کی دوڑ دھوپ کے بعد بمشکل تمام ایک ہرنی ہاتھ لگی تھی اور اب وہ اسے ادھیڑنے میں مشغول ہو گئے تھے۔ نوکروں نے لکڑیوں کے ڈھیر میں آگ لگادی اور وہ جلد سے جلد اسے ادھیڑ کر آگ میں ڈال دینا چاہتے تھے۔ لیکن اس معاملے میں سب کے سب اناڑی تھے۔ کسی ذبح کئے ہوئے جانور پر سے کھال الگ کرنا آسان کام نہیں ہے اور پھر ایسی صورت میں اور زیادہ دشواری آپڑتی ہے جب کھال کو صحیح و سلامت اتارنے کا مسئلہ درپیش ہو، سرجنٹ حمید نے جو سارا اہتمام دیکھا تو اس کی جان ہی نکل گئی۔ حالانکہ اس نے صبح کو بڑا گہرا ناشتہ کیا تھا۔ مگر جنگل کی دوڑ دھوپ میں اس کی افادیت دو گھنٹے سے زیادہ قائم نہ رہ سکی تھی اور تقریباً دو گھنٹے سے اس کی آنتیں غالب کا "حیران ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں" والا شعر یاد کرنے کی کوشش میں مشغول تھیں۔ ان تین دنوں میں کوئی ایسا لمحہ نہیں گزرا تھا جس میں اس نے بھوک کی شکایت کی ہو۔ شکار میں یوں بھی تھوڑی بہت تکلیف ہوتی ہے لیکن جب فریدی جیسے آدمیوں کا ساتھ ہو تو یہ تھوڑی بہت تکلیف مصیبتوں کا پہاڑ بن کر سامنے آجاتی ہے۔ شکار کے سلسلے میں اس کا مقولہ تھا کہ شکار کا مطلب روزمرہ زندگی میں تبدیلی پیدا کرنا ہے۔ لہٰذا اگر شکار میں بھی آرام و آسائش برقرار رہے تو پھر فرق ہی کیا پڑتا ہے۔ اگر شکار میں بھی پکا پکایا کھانا سامنے آگیا تو پھر جیسے گھر ویسے شکار گاہ۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے کھانے پینے کی چیزوں میں کافی، چائے، شکر، دودھ کے ڈبے اور کچھ دوسرے لوازمات کے علاوہ کسی اور چیز کی اجازت نہیں دی تھی۔ صرف حمید اپنے ساتھ مچھلیوں کے دو تین ڈبے چھپا کر لایا تھا جس میں سے وہ صرف ایک

ہی استعمال کرپایا تھا کہ فریدی کی نظر پڑ گئی اور اس نے بقیہ کو دریا برد کر دیا اور حمید نے اپنا سر پیٹ لینے کا ارادہ بھی ملتوی کر دیا تھا۔ کیونکہ اس میں بھی سراسر اپنا ہی نقصان تھا۔

شکاریوں کی پارٹی آٹھ دس آدمیوں پر مشتمل تھی جن میں کچھ فریدی کے دوست تھے اور ان کے علاوہ دو تین نوکر۔ وہ اپنے ساتھ دو تین چھوٹی چھوٹی چھولداریاں لائے تھے جن کے نیچے رات بسر کی جاتی تھی ورنہ دن بھر تو سر پر کھلا ہوا آسمان ہوتا تھا۔ چونکہ بارش کا زمانہ تھا اس لئے دھوپ تو شاذ و نادر ہی ہوتی تھی لیکن کبھی کبھی ہوا تبدیل ہو جاتی اور اتنا شدید حبس ہو جاتا کہ انہیں اپنی قمیض تک اتار پھینکنی پڑتی اور یہ سمجھتے کہ اب موسلادھار بارش شروع ہو جائے گی۔ مگر جب تھوڑی سی بونداباندی کے بعد بادل پھٹنے لگتے تو ان کی جان میں جان آتی وہ لوگ دراصل آبادی سے تقریباً پندرہ میل کے فاصلے پر پڑے ہوئے تھے۔ اگر سچ مچ موسلا دھار بارش شروع ہو جاتی تو کہیں پناہ ملنی مشکل تھی۔ بھلا کینوس کی چھولداریاں کب تک بارش کا بار سنبھالتیں۔

آج بھی صبح ہی سے بارش کے آثار تھے۔ لیکن پچھلے تجربات کی بناء پر وہ اس کی طرف سے کچھ مطمئن سے ہو گئے تھے۔ ان میں صرف حمید ہی ایک ایسا تھا جس نے کبھی اس مسئلے پر توجہ ہی نہیں دی تھی۔ اس کا زیادہ تر وقت تو یہ سوچنے میں صرف ہوتا تھا کہ اگر اتفاق سے شکار نہ ملا تو کیا ہوگا۔ پرندے بھی نہ ملے تو رات کیونکر گزرے گی۔ کیا صرف کافی یا چائے پی پی کر بھوک بھلائی جاسکتی ہے؟ اسے فریدی کے ساتھ شکار میں اکثر بڑے تلخ تجربات ہوئے تھے۔ اس کا ایک خبط حمید کو بُری طرح کھلتا تھا۔ وہ یہ کہ وہ ہمیشہ پرندوں یا جانوروں کو ہوشیار کر دینے کے بعد ان پر گولی چلاتا تھا۔ لہٰذا اکثر ایسا بھی ہوتا کہ دن بھر جھک مارنے کے باوجود وہ ایک پرندہ بھی شکار نہ کرپاتے اور پھر روکھی روٹیاں چائے یا کافی میں ڈبو ڈبو کر کھائی جاتیں۔ آج بھی وہ کئی پرندے شکار کر لیتے لیکن فریدی کی جدت طرازیوں سے ناکام رہے اس نے دونالی بندوق سنبھال رکھی تھی۔ پہلے وہ ایک ہوائی فائر کر کے پرندوں کو اڑا دیتا پھر ان پر فائر کرتا۔ اتفاق سے آج اس کی ساری کوششیں رائیگاں گئی تھیں۔ اگر اشرف نے ایک ہرن نہ مار لیا ہوتا تو پھر چائے اور خشک روٹیوں کی نوبت آجاتی۔

حمید جانتا تھا کہ فریدی کے ساتھ رہ کر تفریح بھی زحمت بن جاتی ہے اس لئے وہ احتیاطاً مچھلیوں کے شکار کا سامان بھی ساتھ لیتا آیا تھا۔ مگر اسے بدقسمتی ہی کہنا چاہئے کہ اس علاقے میں

اسے ایک بھی ایسا تالاب یا پوکھر نہ مل سکا جہاں وہ مچھلیاں پھنسا سکتا۔ قریب ہی ایک ندی تھی مگر کسی تیز رفتار ندی میں اول تو مچھلیاں لگتی ہی نہیں اور اگر اتفاق سے ایک آدھ لگی بھی تو وہ اکثر اپنے ساتھ ڈور اور چرخی بھی لے جاتی ہے۔ حمید نے دو تین بار اس ندی میں شکار کھیلنے کی کوشش کی تھی لیکن ایک کانٹا اور ایک بنسی کھو دینے کے بعد بقیہ پر اسے کافی رحم آیا اور اس نے اس کا خیال ہی ترک کر دیا۔

اس وقت بھی وہ مچھلیوں ہی کے متعلق سوچ رہا تھا اور اس کے ساتھی ہرن کی کھال اتارنے کی کوشش کر رہے تھے۔ فریدی ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگائے بیٹھا اپنی رائفل کا معائنہ کر رہا تھا۔ حمید سوچنے لگا کہ کھال اتارنے کے بعد اس کے ٹکڑے کئے جائیں گے اور اس میں تقریباً ایک گھنٹہ ضرور لگے گا۔ دفعتاً اس کو ایک تدبیر سوجھ گئی۔

"ارے بھائی صاحب کیا تم لوگوں کے عقل پر پتھر پڑ گئے ہیں۔" وہ بیٹھے بیٹھے ہنکارا۔

"کیوں؟" اشرف بھنویں تان کر بولا۔

"دیکھتے نہیں ہو کہ یہ مادہ ہے۔"

"تو پھر....!"

"اور اس کے تھنوں سے صاف ظاہر ہے کہ اس نے ایک بار بھی بچے نہیں دیئے۔"

حمید نے محققانہ انداز میں کہا۔

"کیا کہنا چاہتے ہو۔" شاہد بولا۔

"فوراً پیٹ چاک کر دو اس کا۔"

"چغد ہیں آپ اچھے خاصے۔" اشرف نے کہا اور پھر کھال اتارنے میں مشغول ہو گیا۔

"میں کہتا ہوں ورنہ تمہارے فرشتے بھی اس کا گوشت نہ کھائیں گے۔"

"کیوں....!"

"اگر کلیجی کا پتہ پھٹ گیا تو سارا گوشت کڑوا ہو جائے گا۔"

"پتہ کیسے پھٹ جائے گا۔" ساجد نے کہا۔

"شکاری کی دم بنے ہیں۔" حمید منہ بگاڑ کر بولا۔ "کبھی اور بھی شکار کھیلا تھا۔ میاں صاحب زادے کنواری ہرنی کو ذبح کرنے کے بعد فوراً ہی اس کی کلیجی باہر نہیں نکال لی جاتی تو پتہ خود بخود

پھٹ جاتا ہے۔"

فریدی کچھ بولنا ہی چاہتا تھا کہ حمید نے اُسے آنکھ ماردی۔

"تو پھر.....!" نعیم نے پوچھا۔

"پیٹ چاک کر کے کلیجی نکال پھینکو۔" حمید نے کہا۔

"کھال نہ خراب ہو جائے گی۔" شاہد نے پوچھا۔

"پھر وہی ڈیوٹ پن کی باتیں۔ کیوں کیا پانی بھرنے کا مشکیزہ بناؤ گے؟"

"نہیں تو.....!"

"پھر پیٹ چاک کر دینے میں کیا مصیبت ہے۔"

فریدی پہلے تو حمید کو گھورتا رہا پھر چپکے سے اٹھ کر کھسک گیا۔

"نہیں کھال خراب ہو جائے گی۔" اشرف نے کہا۔

"پھر وہی اناڑیوں جیسی باتیں۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

"نہیں نہیں یار کیا کر رہے ہو۔" اشرف نے کہا۔

لیکن حمید نے اس کے ہاتھ سے چھری لے کر ہرنی کا پیٹ چاک کر دیا۔

"ٹھہرو..... ٹھہرو۔" اس نے اس کے پیٹ میں ہاتھ ڈال کر اس کی آنتیں کھینچتے ہوئے کہا۔

پھر اس نے نرخنی کاٹ کر کلیجی کی ڈاڑ باہر نکال لی اور اسے ہاتھ میں لٹکا کر کھڑا ہو گیا۔

"کیوں.....؟" نعیم نے اسے سوالیہ انداز میں کہا۔

"اسے پھینک آؤں.....؟" حمید نے کہا۔

"گھاس تو نہیں کھا گئے ہو۔" اشرف بھنا کر بولا۔

"یار اناڑیوں سے خدا ہی بچائے! اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ اس سے پہلے کبھی تمہیں ہرن وغیرہ کا شکار کھیلنے کا اتفاق نہیں ہوا تو ساتھ لانے پر کبھی رضامند نہ ہوتا۔"

"کیا بک رہے ہو۔"

"ارے یہ کنواری ہرنی کی کلیجی ہے۔" حمید نے دانت پیس کر کہا۔

"تو پھر.....!"

"پہلے بخار آئے گا اور پھر کوڑھ تک ہو جانے کے امکانات ہو سکتے ہیں اور اگر بالکل ہی

کنواری ہرنی ہوئی تو اس سے بھی بدتر حالت ہو سکتی ہے۔"

"ہم نے تو کبھی نہیں سنا۔" نعیم نے کہا۔

"تم نے یہ بھی نہ سنا ہو گا کہ ہرنی بھی کنواری ہوتی ہے۔"

"کیوں فضول بکتے ہو۔"

"آخر تمہیں کس طرح یقین دلاؤں۔" حمید نے بظاہر زچ ہو کر کہا۔

"فریدی سے پوچھیں گے۔" ساجد بولا۔

مگر فریدی پہلے ہی کھسک گیا تھا۔ اس نے حمید کی نیت بھانپ لی تھی۔ لہٰذا وہ نہ تو حمید کی طرف سے بُرا بننا چاہتا تھا اور نہ دوسرے دوستوں کی طرف سے۔

"آپ جائیں جہنم میں۔" حمید نے جھنک کر کہا "اگر ایک آدھ بار بیمار پڑ گیا تو کہاں لادے پھریں گے۔"

وہ تیزی سے چلتا ہوا چھولداریوں کے پیچھے آیا اور یہاں جوتے اتار کر پنجوں کے بل جو دوڑ لگائی تو سرکنڈوں کی کھائیوں ہی میں آکر دم لیا۔

پھر اس نے جلدی جلدی خشک لکڑیاں چنیں اور ان میں آگ لگا کر کلیجی کی ڈاڑ اس پر رکھنے ہی جا رہا تھا کہ ایک چیل نے کسی طرف سے جھپٹا مارا اور کلیجی کی ڈاڑ اس کے ہاتھ سے صاف نکال لے گئی۔ حمید کے منہ سے بے اختیار ایک موٹی سی گالی نکلی اور وہ اس کے پیچھے دوڑا۔

سیر ڈیڑھ سیر کا وزن چیل کے بس کا روگ نہیں گا۔ تھوڑی ہی دور جانے کے بعد کلیجی کی ڈاڑ اس کے پنجوں سے چھوٹ پڑی اور حمید شکاری کتے کی طرح اس کی طرف جھپٹا لیکن اس بار اس کی امیدوں پر باقاعدہ طور پر اوس پڑ گئی۔ کلیجی کی ڈاڑ کسی چوپائے کے تازہ کئے ہوئے گوبر میں لتھڑی پڑی تھی۔

چیل سامنے ہی ایک درخت پر بیٹھی شاید اس مال غنیمت پر دوبارہ قبضہ کرنے کے امکانات پر غور کر رہی تھی۔

حمید نے بھنا کر ایک بڑا پتھر اٹھایا ہی تھا کہ کسی نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ چونک کر پلٹا اور پھر اسے فریدی کی طنز آمیز مسکراہٹ کا سامنا کرنا پڑا جو اس کے خون کی حدت اور زیادہ بڑھا دیا کرتی تھی۔

فریدی نے اس کی طرف رائفل بڑھائی۔

"کیا ہے....!" حمید جھلا کر بولا۔

"پرندوں پر پتھر چلانا ظلم ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "پتھر تو صرف ان بچوں پر چلائے جاتے ہیں جو کسی سنجیدہ بزرگ کے پیچھے تالیاں بجاتے چلتے ہیں۔"

"آپ چاہتے کیا ہیں۔" حمید نے بگڑ کر کہا۔

"تمہیں سمجھا بجھا کر واپس لے جانا.... کیا تم نے بچپن میں نانی اماں سے نہیں سنا کہ چیل کو مارنے سے کانوں میں درد ہوتا ہے۔"

"خدا کی قسم....!"

"کوئی الٹی سیدھی بات نہ کہہ بیٹھنا۔" فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔

"آؤ چلیں شاباش....!"

"نہیں جاؤں گا۔"

"اچھا جی....!" فریدی نے اس کی گردن پکڑلی۔ "دھوکے باز! مکار.... ان بے چاروں کو اُلو بنا کر کلیجی لے اڑے تھے۔ فرزند من! کنواری ہرنی کی کلیجی کو کوئی شادی شدہ چیل ہی ہضم کر سکتی ہے۔"

"گردن تو چھوڑیئے۔" حمید نے جھنجھلا کر اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"شامت منڈلا رہی ہے، تمہارے سر پر۔"

"شامت نہیں موت کہیئے۔" حمید نے جل کر کہا۔ "آپ کے ساتھ تفریح بھی عذاب بن جاتی ہے۔"

"آگے بڑھو.... آگے۔" فریدی اسے دھکا دیتا ہوا بولا۔ "ابھی تو وہاں تمہاری بنے گی۔"

"خدا کی قسم کہیئے گا نہیں کسی سے۔" حمید نے پلٹ کر کہا۔

"کیوں؟"

"اب بتاؤں کیوں.... کیوں.... کیوں....!" حمید جھنجھلاہٹ میں تقریباً ناچتا ہوا بولا۔

"چلتے ہو.... یا ایک کندہ رسید کروں۔" فریدی نے رائفل کی نالی پکڑ کر کندہ اٹھاتے ہوئے کہا۔

ادھر اشرف نے اپنی انگلی کاٹ لی تھی اور چھری پھینک پھانک کر الگ جا کھڑا ہوا تھا۔ فریدی اور حمید کو آتے دیکھ کر اس نے کنواری ہرنی کی کلیجی کا تذکرہ چھیڑ دیا۔

"بھئی مجھے ہرنوں کے متعلق زیادہ معلومات نہیں۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن یہ کیا! کیا انگلیاں کاٹ لیں۔ یار تم لوگوں سے ایک ہرنی کی کھال نہیں ادھیڑی جاتی۔ اچھا بھئی حمید! سبھی جانتے ہیں کہ تمہارے ہاتھ لگے بغیر کوئی کام ٹھیک نہیں ہوگا۔"

حمید نے فریدی کو گھور کر دیکھا اور پھر ہرنی پر ٹوٹ پڑا۔

"ارے کھال....!" اشرف چیخا۔

"ہات تمہاری کھال کی ایسی تیسی۔" حمید چیخ کر بولا۔ "یہاں بھوک کے مارے حال پتلا ہے اور آپ کو کھال کی پڑی ہے۔"

دیکھتے ہی دیکھتے اس نے کھال کے پرخچے اڑا دیئے اور کئی جگہ سے کھال کے ساتھ گوشت بھی ادھیڑ ڈالا۔ جب کھال الگ ہوگئی تو ایک نوکر بولا۔

"حضور کھال کھینچنے کا یہ طریقہ نہیں ہے۔"

"جی.... تو اب تک.... کہاں مرے ہوئے تھے آپ۔"

"پچھلی ٹانگوں کی کھال نکالنے کے بعد اسے الٹا اٹھا کر کھال کھینچ لی جاتی ہے۔"

"بس دفان ہو جاؤ۔" حمید جھلا کر بولا۔ "ورنہ میں یہی سلوک تمہارے ساتھ کروں گا۔"

"ارے صاحب آپ لوگ خود ہی تو بھڑ گئے تھے ورنہ ہم لوگ ساتھ کس لئے آئے ہیں۔" نوکر نے کہا۔

"اچھا تو اب اس کے ٹکڑے کرو۔" حمید دانت پیستا ہوا بولا۔ "ورنہ تھوڑی دیر بعد آ کر کہو گے کہ ٹکڑے کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے ہرن کو اپنے اوپر سوار کرنے کا موقع بخشا جائے۔"

حمید چھری پھینک کر الگ ہٹ گیا۔

تھوڑی دیر بعد نوکروں نے ہرنی کے ٹکڑے کر دیئے اور انہیں نمک لگا کر بھونا جانے لگا۔

حمید بے چینی سے اپنی جگہ پر پہلو بدل رہا تھا۔

"یار تمہاری بھوک بھی قیامت ہے۔" اشرف بولا۔

"میں تمہاری طرح مریض تو ہوں نہیں۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔

بھوک تو قریب قریب سبھی کو لگ رہی تھی۔ اس لئے بات زیادہ نہیں بڑھنے پائی۔

جب وہ لوگ کھانے کے لئے بیٹھے تو ادھر اُدھر کی باتیں چھڑ گئیں۔ فریدی انہیں اپنے

انگلینڈ کے تجربات بتا رہا تھا۔ اس سلسلے میں اس نے اسکاٹ لینڈ یارڈ سے لے کر ایسٹ انڈیا کے گھریلو قحبہ خانوں تک کے حالات بتائے۔

"اور جناب نے کیا سیکھا۔" نعیم نے حمید کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"بوسہ لینے کے پچاس نئے طریقے۔" حمید اپنے ہاتھ میں دبی ہوئی ہڈی کو نہایت انہماک سے چھچوڑتا ہوا بولا۔

یہ بات اس نے اتنی سنجیدگی سے کہی تھی کہ فریدی بھی اپنی ہنسی نہ روک سکا۔ لیکن حمید اس بُری طرح اس ہڈی سے بھڑا ہوا تھا کہ اس نے ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا بھی نہیں۔

"اور یہ کہ اگر....!" وہ منہ چلاتا ہوا بولا۔ "انگلینڈ میں کسی لڑکی کے سر پر پنجہ مریم کی پتیاں رکھ کر اس کا بوسہ لے لو تو وہ قطعی بُرا نہیں مانتی۔"

"کیا بکواس ہے۔" فریدی منہ بنا کر بولا۔

"تو کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔"

"تو پھر گنوا چلوں تمہاری حماقتیں۔" فریدی نے کہا۔

"غپ اور حقیقت میں فرق ہوتا ہے۔"

"اچھا....!" فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔ "تو کیا یہ غپ ہے کہ ایک نائٹ کلب میں ایک عورت نے....!"

فریدی نے بات پوری نہیں کی تھی کہ حمید نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور اشرف کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "ذرا آپ کا حلیہ ملاحظہ فرمائیے۔"

"ہاں تو کیا ہوا تھا۔" اشرف نے حمید کی بات اڑا کر فریدی سے پوچھا۔

"ہوا یہ کہ اس بدتمیزی سے نہ کھاؤ کہ دوسروں کو قے ہو جائے۔" حمید نے کہا۔

"ہمارے ڈان ژوان حمید صاحب نے.... ایک عورت کو مدعو کیا۔"

"نعیم! یار تم نہ ہوئے۔" حمید نے پھر بیچ ہی سے بات اڑا دی۔ "کتنا شاندار استقبال ہوا ہے فریدی صاحب کا کہ واہ وا۔ اسکاٹ لینڈ یارڈ کے آفیسر تو گویا بچھے جا رہے تھے۔"

"اور وہ عورت نشے میں بُری طرح دھت تھی۔" فریدی نے کہا۔

"یہ دھت کیا بلا ہے۔" حمید نے پھر ہاتھ پیر مارے۔ "دھت دھت.... دھت....

ہاہاہاہا۔"

"بیٹے حمید خاں نے اسے اور پلا دی۔" فریدی رومال سے ہاتھ صاف کر کے سگار سلگاتا ہوا بولا۔

"اور کھائیے نا۔" حمید نے جلدی سے کہا۔ "بس اتنا ہی۔"

"اور جب اسے بہت زیادہ چڑھ گئی تو....!"

حمید نے پھر ہلڑ مچا کر اسے آگے نہ کہنے دیا۔

"یار تم سب اور کھاؤ.... ابھی اور کھاؤ.... کھاؤ نا.... ارے اشرف تم بھی کھا چکے ہو۔"

"تو پھر اس نے....!"

اب حمید نے باقاعدہ حلق پھاڑ کر چیخنا شروع کر دیا۔ اس کے خاموش ہوتے ہی فریدی پھر بولا۔

"تو پھر اس نے حمید کا گریبان پکڑ لیا۔"

"گریبان پکڑ لیا۔" اشرف نے قہقہہ لگایا۔

"نہیں گاڑی بان پکڑ لیا اور اپنے گھر چلی گئی۔" حمید نے جلدی سے کہا۔ "کیا شاندار غپ ہے.... کیا کہنا۔"

"اور پھر وہ....!"

"کیا آپ خواہ مخواہ...." حمید بھنا کر بولا۔

"کیوں بیچ میں ٹانگ اڑاتے ہو۔" اشرف نے کہا۔

"تم کیوں کود رہے ہو۔" حمید اس پر پلٹ پڑا۔

اور پھر دونوں میں باقاعدہ تکرار شروع ہو گئی اور فریدی اٹھ کر ایک چھولداری کے اندر چلا گیا۔

بدقت تمام بقیہ لوگوں نے بیچ بچاؤ کرایا۔

"تو اس سے کیا ہوتا ہے بات مجھے ہی معلوم ہو جائے گی۔" اشرف نے کہا۔

"یار تم خود ہی کیوں نہیں بتا دیتے۔" شاہد نے حمید سے کہا۔

روایتی کتا

اور پھر سب کے سب حمید کی جان کو آگئے۔

"یار کیوں خواہ مخواہ بھیجا چاٹ رہے ہو تم لوگ۔" حمید زچ ہو کر بولا۔

پھر چیخ چیخ کر فریدی کو آوازیں دینے لگا۔

"بھئی کوئی خاص بات نہیں۔" فریدی نے چھولداری سے سر نکال کر کہا۔ "اس عورت نے حمید سے شادی کی درخواست کی تھی۔"

"لاحول ولا قوۃ۔" اشرف بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "تو اس پر اتنی اچھل کود کیوں مچا رہے تھے۔ نہیں کوئی اور بات معلوم ہوتی ہے۔"

فریدی نے کوئی جواب دیئے بغیر پھر اپنا سر اندر کھینچ لیا۔

"جناب والا....!" حمید دانت پیس کر بولا۔ "یقیناً کوئی اور بات ہے اور آپ اس بات کو سننے کی تاب نہ لا سکیں گے۔"

انہوں نے پھر اسے تنگ کرنا شروع کر دیا۔

"اچھا تو سنو....!" حمید بھنا کر بولا۔ "تم اس عورت سے بھی بدتر معلوم ہوتے ہو۔ جاؤ بابا میرا پیچھا چھوڑو۔ تم سب بھی میرے باپ ہو۔"

چھولداری میں فریدی کے قہقہے کی آواز سنائی دی اور وہ باہر نکل آیا۔

"وہ سالی تو خیر نشے میں تھی.... مگر یہ.... کم بخت۔"

"خیر بھئی سنو....!" فریدی سگار کا کش لے کر بولا۔

"جی بس آرام کیجئے۔" حمید نے جھلا کر کہا۔ "میں خود....!"

اس نے بات پوری بھی نہیں کی تھی کہ یک بیک بڑی بڑی بوندیں پڑنی شروع ہو گئیں اور وہ سب بے ساختہ چھولداریوں کی طرف بھاگے۔ تقریباً پانچ منٹ تک بہت تیزی سے بوندیں گرتی رہیں پھر دھوپ نکل آئی اور سب سے پہلے حمید نے بوکھلا کر اپنی قمیص اتار پھینکی۔ ہوا قطعی بند ہو گئی تھی۔ بھیگی ہوئی زمین سے انجرات نکلتے معلوم ہو رہے تھے۔ مٹی کی سوندھی خوشبو اس حبس میں اچھی لگنے کے بجائے گراں گزر رہی تھی۔

آہستہ آہستہ سب نے اپنی قمیصیں اتار پھینکیں اور چھولداریوں سے باہر نکل آئے۔ آسمان پر ابر کے ٹکڑے موجود تھے اس لئے کبھی دھوپ اور کبھی چھاؤں۔ باہر بھی انہیں سکون نہ ملا اور وہ پھر چھولداریوں میں آ گئے اور تھوڑی دیر بعد پیٹ بھرے مگرمچھوں کی طرح اونگنے لگے۔ نہ جانے

وہ کب تک سوتے رہے اور جب آنکھ کھلی تو سب سے پہلے انہیں بارش کا شور سنائی دیا۔ یا شاید اسی شور ہی کی وجہ سے وہ جاگ پڑے تھے۔

موسلا دھار بارش ہو رہی تھی کہ دیکھتے ہی دیکھتے پانی کا ریلا چھولداریوں میں در آیا۔ انہوں نے جلدی جلدی زمین سے بستر اٹھا کر واٹر پروف تھیلوں میں بھرنے شروع کر دیئے۔

"یہ تو برسنے والا ہی معلوم ہوتا ہے۔" فریدی نے پر تشویش انداز میں کہا۔

"مگر مجھے تو یہ لڈو بانٹنے والا ہی جان پڑتا ہے۔" حمید نے منہ سکوڑ کر کہا۔ وہ اپنے جوتے اتار کر کینواس کے تھیلے میں ڈال رہا تھا۔ پھر اس نے پتلون کے پائینچے موڑ کر پنڈلیوں تک چڑھا لئے۔

آہستہ آہستہ چھولداریاں بھی ٹپکنے لگیں۔

"اب کیا ہوگا....؟" کسی نے کہا۔

پھر وہ فریدی کی تجویز پر اس اسٹیشن ویگن کی طرف بھاگے جس پر وہ سامان سمیت یہاں تک پہنچے تھے۔ اندر گھس کر انہوں نے کھڑکیوں کے شیشے گرا دیئے اور چپ چاپ بیٹھ گئے۔ نوکروں اور دیہاتی رہبر نے ایک گھنی شاخوں والے برگد کے درخت کے نیچے پناہ لی۔

"سارا مزہ کرکرا ہو گیا۔" اشرف بولا۔

"حیرت ہے کہ تم لوگ بے سروسامانی سے لطف اندوز نہیں ہوتے۔"

فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "لطف تو اس وقت آتا جب یہ موٹر بھی نہ ہوتی۔"

"تو بسم اللہ!" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ "راستہ یہ ہے۔ باہر تشریف لے جایئے۔ لطف ہی لطف بکھرا پڑا ہے۔"

وہ سب ہنس پڑے اور فریدی کھڑکی کے باہر دیکھنے لگا۔

"ایسے ہی موقعوں پر صحیح معنوں میں زندگی کا احساس ہوتا ہے۔" فریدی نے مڑ کر حمید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

حمید پھر بھنا کر بولا۔ "مجھے یاد پڑتا ہے کہ پچھلی برسات میں ایک مینڈک نے بھی مجھ سے یہی کہا تھا۔"

"ضرور کہا ہوگا.... راز کی باتیں اپنوں ہی سے کہی جاتی ہیں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

اس پر پھر ایک قہقہہ پڑا اور حمید بُرا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

بارش تھمنے کے آثار نظر نہیں آتے تھے اور اندھیرا تھا کہ پھیلتا ہی جارہا تھا۔ سات بج چکے تھے۔ تھوڑی دیر تک وہ خاموش رہے پھر دفعتاً حمید نے کہا۔ "کیا مصیبت ہے۔ کیا ساری رات اسی طرح گزر جائے گی۔ اگر شروع ہی میں چل پڑے ہوتے تو اس وقت ہم کسی گاؤں ہی میں پناہ لے سکتے تھے۔"

"بھئی تو مجھے کیا معلوم تھا کہ اس طرح بارش ہو گی۔" فریدی نے کہا۔

حمید نے کوئی جلی کٹی کہنے کے لئے منہ بنایا ہی تھا کہ نوکر دوڑتے ہوئے اسٹیشن ویگن کی طرف آئے۔

"صاحب! ندی بڑھ رہی ہے۔" دیہاتی راہبر ہانپتا ہوا بولا۔

"کیا....!" فریدی چونک کر بولا۔

"جی ہاں! تھوڑی دیر بعد یہاں قدم جمانا دشوار ہو جائے گا۔"

"تب تو بھئی اکھاڑو چھولداریاں۔"

"میں تو ہرگز نہیں جاؤں گا۔" حمید پھیل گیا۔

"کیا بکتے ہو۔" فریدی جھلا کر بولا۔

"واہ زندگی کا لطف اٹھانے کا موقع پہلی بار نصیب ہوا ہے۔ میں اسے ہاتھ سے نہیں جانے دوں گا۔"

فریدی کچھ اور کہے بغیر ویگن سے اتر گیا اور چھولداریاں اکھڑوانے میں نوکروں کا ہاتھ بٹانے لگا۔ اس کی دیکھا دیکھی حمید کے علاوہ سب اتر آئے اور وہ نہایت اطمینان سے بیٹھا پائپ پیتا رہا۔

بھیگی ہوئی چھولداریاں ویگن میں رکھی جانے لگیں۔ حمید نے ایک طرف ہٹنا چاہا لیکن فریدی کے اشارے پر ایک چھولداری اس پر پھینک ہی دی گئی۔ وہ بے اختیار چیخ کر سامنے والی سیٹ پر جا گرا۔

بڑی خیریت یہ ہوئی کہ اس چھولداری میں کسی نوکر نے ہاتھ نہیں لگا رکھا تھا ورنہ حمید اس کی بوٹیاں نوچ لیتا۔ پھر بھی اسکے منہ سے بے تحاشہ ایسے الفاظ نکلنے لگے جن کا کوئی مفہوم نہیں تھا۔

"کیا فضول ٹائیں ٹائیں لگا رکھی ہے۔" فریدی نے اُسے ڈانٹا۔

"جہنم میں.... گگ....!"

"شٹ اپ....!"

"خیر کبھی دیکھ لوں گا....!" حمید بے بسی سے بولا۔

"اس تفریح میں تمہارا بھی حصہ تھا۔" فریدی نے کہا اور ڈرائیور کی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ نوکر بھی اندر آگئے اور دیہاتی راہبر فریدی کے برابر بیٹھ گیا۔ ویگن چل پڑی۔

اس دوران میں بوندوں کا زور کم بھی ہوا اور پہلے سے زیادہ بھی لیکن تار نہیں ٹوٹا۔ چاروں طرف گہری تاریکی پھیل گئی تھی۔ فریدی راہبر کے بتائے ہوئے راستوں پر ویگن کو لئے جارہا تھا۔ لیکن دو ایک جگہ اس کی ہچکچاہٹ پر اسے محسوس ہوا کہ شاید وہ غلط راستے پر جارہے ہیں۔

"بھئی تم بھولتے تو نہیں۔" فریدی نے اس سے پوچھا۔

"نہیں صاحب۔" اس کے لہجے میں اعتماد تھا۔

"خدا کرے تم بھول ہی رہے ہو۔" حمید دانت پر دانت جما کر بولا۔

لیکن وہ سب کچھ اس طرح بدحواس تھے کہ انہوں نے حمید کی بات کا نوٹس ہی نہیں لیا۔ وہ سبھی کچھ نہ کچھ سوچ رہے تھے اور تھوڑی دیر بعد یہ بات ان پر اچھی طرح واضح ہو گئی کہ راہ بتانے والا خود ہی بھٹک گیا ہے۔ اس آندھی اور طوفان میں اس کے امکانات پہلے ہی سے موجود تھے۔ شکار گاہ میں آتے وقت وہ ندی کے کنارے آئے تھے، لیکن واپسی میں یہ چیز قطعی ناممکن تھی کیونکہ ندی کا پاٹ کافی بڑھ گیا تھا۔ وہ پہلے سے ایک تیز بہنے والی ندی تھی اور اس وقت تو اس کا پانی دور دور تک پھیل رہا تھا۔

دفعتاً فریدی نے گاڑی روک دی۔ ہیڈ لائیٹس کی روشنی میں حد نظر تک پانی ہی پانی دکھائی دے رہا تھا۔

"کیوں بھئی کیوں!" کسی نے کہا۔

"آگے نالہ معلوم ہوتا ہے کیا آواز نہیں سن رہے ہو۔" فریدی نے کہا۔ "ایسی صورت میں آگے بڑھنا بھی خطرناک ہے۔"

"اور پیچھے ہٹنے میں بھی اللہ میاں کا دیدار نصیب ہو سکتا ہے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"بس داہنے یا بائیں سے نکل چلئے۔ اللہ نے چاہا تو بیڑا کھوکھرا پار ہے۔"

"شٹ اپ....!"

حمید نے قہقہہ لگایا اور سب کو اس کی بے وقت کی شہنائی کھلنے لگی۔

فریدی نے ویگن گھمائی ہی تھی کہ دفعتاً دیہاتی رہبر نے رکنے کے لئے کہا۔

ہیڈ لائیٹس کی روشنی میں دور ایک عمارت سی دکھائی دی۔

"شاید ہم یدھ راج نگر کے قریب پہنچ گئے ہیں۔" رہبر نے کہا۔ "لیکن نالہ۔ یہاں واقعی ایک نالہ پڑتا ہے۔"

"نالہ کس قسم کا ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"معمولی سا۔" رہبر نے کہا۔ "ہم بآسانی اسے پار کر سکیں گے۔"

"کہیں پناہ بھی مل سکے گی۔" اشرف نے پوچھا۔

"کیوں نہیں! نواب صاحب بہت اچھے آدمی ہیں۔"

"کون نواب صاحب۔" فریدی نے پوچھا۔

"نواب صولت مراد، یدھ راج نگر کے جاگیردار۔"

"اب کہاں جاگیردار ہیں۔" نعیم منہ بنا کر بولا۔

"نہ ہوں گے۔" رہبر نے کہا۔ "مگر اب بھی پورا قصبہ انہیں کے ہاتھ میں ہے اور کچھ اسی قصبے پر منحصر نہیں۔ قرب وجوار کا سارا علاقہ اب تک ان کی مٹھی میں ہے۔"

"ہوگا بھئی ہوگا۔" فریدی کھڑکی کھول کر نیچے اترتا ہوا بولا۔ یہاں پانی ٹخنوں سے اونچا تھا۔ اس نے اندر سے اپنی رائفل اٹھائی اور اس کے کندھے سے زمین ٹٹولتا ہوا ہیڈ لائیٹس کی روشنی میں آگے بڑھنے لگا۔ تھوڑی دور چل کر وہ اچانک کمر کمر پانی میں نظر آنے لگا۔ غالباً اس وقت نالے میں تھا۔ دیکھتے دیکھتے وہ نالہ پار کر کے پھر کنارے کی طرف لوٹ آیا۔

"چلو اترو.....!" اس نے انہیں پکار کر کہا۔ "لائٹ آف کر دو۔"

نوکروں کے علاوہ اور سب اتر پڑے۔ پھر وہ بھی ٹارچ کی روشنی میں آگے بڑھنے لگے۔

"ڈرو نہیں چلے آؤ۔" فریدی نے کہا۔

نالہ پار کر جانے کے بعد وہ دیہاتی راہبر کے پیچھے چلنے لگے۔ بوندیں اب بھی پڑ رہی تھیں۔ مگر زیادہ تیز نہیں تھیں۔ البتہ ہوا کے جھونکے تند ہوتے جا رہے تھے۔ سناٹے میں جھونکوں کی شائیں شائیں کے علاوہ کوئی اور آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ وہ چلتے رہے۔ دفعتاً قریب ہی کہیں سے کسی کتے کے رونے کی آواز سنائی دی اور راہبر چلتے چلتے رک گیا۔ اس نے چاروں طرف ٹارچ کی

روشنی ڈالنی شروع کی اور پھر فریدی کی طرف مڑا۔

"صاحب یہ تو....." وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"کیا بات ہے۔" فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔

"ہم پھر غلط آ گئے۔"

"عجیب آدمی ہو تم۔" فریدی نے جھلا کر کہا۔ "ابھی ابھی تم نے کسی قصبے کا نام لیا تھا۔"

"جی وہ تو ٹھیک ہے.... لیکن.... لیکن وہ سنئے۔" وہ خوفزدہ آواز میں بولا۔

"کیا سنوں۔"

"کیا آپ کچھ نہیں سن رہے ہیں۔" راہبر نے تحیر آمیز لہجے میں پوچھا۔

"کیا فضول بکواس لگا رکھی ہے تم نے۔"

"حضور.... یہ سنئے.... یہ آواز۔"

"کیوں؟ یہ کسی شیر یا بگڑے ہوئے ہاتھی کی آواز تو نہیں۔ صرف کتے کی ہے اور وہ بھی بے چارہ رو رہا ہے۔"

"مگر صاحب یہ معمولی کتا نہیں ہے۔" راہبر اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا بولا۔

"چلو چلو آگے بڑھو" فریدی نے بیزاری سے کہا "میں کتوں کے متعلق تم سے زیادہ جانتا ہوں۔"

"صاحب چاہے گردن کاٹ ڈالئے میں تو ادھر سے ہرگز نہ جاؤں گا۔"

"کیوں بھئی آخر کیوں۔" فریدی نے زچ ہو کر کہا۔ "اس وقت بھی ہمارے پاس چھ رائفلیں ہیں۔ ہم نہایت آسانی سے اسے ختم کر دیں گے۔"

"رائفلیں۔" راہبر خوفزدہ آواز میں ہنسا۔ "جو کتا سینکڑوں برس سے زندہ ہو۔"

"کیا آپ نے سردار یدھ راج کی گڑھی کے کتے کے متعلق کبھی کچھ نہیں سنا۔"

"ارے تو سناؤ نا بابا جلدی کرو! ورنہ اگر پھر بارش تیز ہو گئی تو ہم سب جہنم رسید ہو جائیں گے۔"

"وہ زمین پر نہیں ہے۔" راہبر نے کہا۔ "اس کی آواز اوپر سے آتی ہے اور وہ جب بھی روتا ہے ندی میں باڑھ ضرور آتی ہے اور ندی کے کنارے بسے ہوئے گاؤں تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔"

فریدی نے ایک پرزور قہقہہ لگایا اور ساتھ ہی کتے کے رونے کی آواز سنائی دی۔

"صاحب خدا کے لئے۔" راہبر گھبرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "یہاں کوئی اس کا مضحکہ اڑانے کی ہمت نہیں رکھتا۔ وہ کوئی خبیث روح ہے۔"

"شش آگے چلو۔" فریدی سنجیدگی سے بولا۔ "مجھے خیال پڑتا ہے کہ میں اس سے پہلے بھی اس کے متعلق کچھ سن چکا ہوں۔"

"تو دوسری ہی طرف سے چلئے نا۔" حمید نے جھلا کر کہا

"نہیں محترم آپ اس معاملے میں قطعی دخل نہ دیجئے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا اور سب لوگ ہنس پڑے۔ لیکن راہبر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تک نہ آئی پھر فریدی حمید کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"آپ خواہ مخواہ مری جارہی ہیں۔ یہاں کئی مرد آپ کی حفاظت کے لئے موجود ہیں۔ گھبرائیے نہیں۔"

حمید نے بھنا کر اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے کہا۔ "کہاں ہے۔ وہ سالی گڑھی دڑھی میں آگے چلتا ہوں۔ گویا کہ مجھے الو کا پٹھہ سمجھتے ہیں۔"

فریدی اس کی بات پر دھیان دیئے بغیر راہبر سے مخاطب ہو گیا۔

"تو تم ہمیں اس گڑھی ہی کی طرف لے جا رہے ہو۔"

"صاحب بس مجھے تو معاف ہی رکھئے۔"

"عجیب ڈرپوک آدمی ہو۔"

"اس معاملے میں ہمارے باپ دادا بھی ڈرپوک ہی تھے۔ لوگ دن کے وقت ادھر سے گزرتے ہوئے ڈرتے تھے۔"

"ہم تمہیں باندھ کر لے چلیں گے۔" حمید آگے بڑھ کر بولا۔

"یوں تو آپ مجھے یہیں قتل کر کے دفن بھی کر سکتے ہیں۔" راہبر نے بے بسی سے کہا۔

"نہیں نہیں بھائی، ہم زبردستی نہیں کرتے۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ "تم چلو راہ بتا کر واپس جا سکتے ہو۔"

"واپس اکیلے.... یہ ظلم ہے۔" وہ بے ساختہ بولا۔

"تم نے ناک میں دم کر دیا۔" فریدی نے جھلا کر کہا۔ "نہ الٹا چلتے ہو اور نہ سیدھا۔"

"تو حضور کترا کر نکل چلئے نا۔ آپ لوگ بھی کافی بھیگے ہوئے ہیں۔"

فریدی کچھ سوچنے لگا۔ کتے کے رونے کی آواز پھر آئی اور راہبر کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔

فریدی اپنے ساتھیوں کی طرف مڑ کر بولا۔ "کون کون چلے گا میرے ساتھ۔"

"یار ہٹاؤ بھئی۔" اشرف بولا۔

"خدا کے لئے اس حال میں تو طبیعت کو قابو میں رکھو۔" شاہد نے کہا۔ "ہم لوگ تھک کر چور ہو گئے ہیں اور اگر جلدی ہی بھیگے کپڑے نہیں اتار ڈالتے تو شاید بیمار بھی پڑ جائیں۔"

"میں تو کہہ رہا ہوں کہ تم لوگ جاؤ۔"

"بعض اوقات بڑی الجھنوں میں ڈال دیتے ہو۔" اشرف نے جھلا کر کہا۔

"سب بے کار ہے۔" حمید نے کہا۔ "آپ کے ساتھ سب سے بڑی بدنصیبی یہ ہے کہ آپ بچپن ہی سے موت کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے ہیں۔ مگر موت ہے کہ منہ لگانے پر تیار ہی نہیں ہوتی۔ تم لوگ جاؤ ورنہ ساری رات یہیں کھڑے کھڑے گزر جائے گی۔"

تھوڑی دیر تک سب کے سب کھڑے بھنبھناتے رہے۔ آخر فریدی پھر بولا۔

"فضول وقت نہ برباد کرو ورنہ زیادہ رات گزر جانے پر کیسے جگاتے پھرو گے۔ میں کسی ناراضگی کے تحت نہیں کہہ رہا ہوں۔ جلدی کرو۔"

"تم لوگ جاؤ۔" حمید منہ بنا کر بولا۔ "میں بھی سرکاری آدمی ہوں۔ بھوتوں کی مردم شماری میں مجھے بھی فریدی صاحب کا ہاتھ بٹانا چاہئے۔"

"کیا عورتوں کی طرح جلی کٹی سنا رہے ہو۔" فریدی نے غصیلی آواز میں کہا۔ "تم میرے ساتھ نہیں جا سکتے۔"

تھوڑی دیر تک بحث ہوتی رہی اور پھر حمید کے علاوہ اور سب راہبر کے ساتھ ایک طرف روانہ ہو گئے۔

"تم بھی جاؤ۔" فریدی نے تیز لہجے میں کہا۔

"نہیں جاتا۔"

فریدی ٹارچ کی روشنی میں آواز کی سمت چل پڑا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد کسی بہت بڑی

عمارت کے کھنڈر نظر آنے لگے جن میں کئی بڑے بڑے مینار تھے۔ ہوا کے تیز جھونکوں کے ساتھ کتے کے رونے کی آواز بدستور سنائی دے رہی تھی۔

فریدی نے اپنی رفتار تیز کردی۔ اس وقت بارش بالکل تھم گئی تھی اور مینڈکوں کے شور سے کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی وہ آواز.... اس روایتی کتے کی آواز اس شور پر حاوی تھی۔

وہ دونوں اس چھوٹے سے ٹوٹے پھوٹے قلعے کے قریب پہنچ کر رک گئے۔ لکھوری اینٹوں کی مضبوط دیواروں کے آثار اب بھی قائم تھے اور کہیں کہیں تو دیوار اپنی اصلی جسامت کے ساتھ اب بھی اپنی پائیداری کے افسانے سنا رہی تھی۔

کتے کے رونے کی آواز کہیں قریب ہی سے آئی اور حمید بے ساختہ چیخ اٹھا۔

"خدا کی قسم اوپر ہی سے آرہی ہے۔" اس کا ہاتھ ایک طرف اٹھا ہوا تھا اور پھر پس منظر میں صرف مینڈکوں کا شور جاری رہا۔ فریدی ٹارچ کی روشنی میں چاروں طرف دیکھنے لگا۔ ٹوٹی پھوٹی دیواریں اور اینٹوں کے ڈھیر حد نظر تک پھیلے ہوئے تھے۔ کئی اونچے اونچے مینار تھے جن میں سے دو ایک اچھی حالت میں بھی تھے۔ دفعتاً ہوا کا ایک جھونکا آیا قریب ہی کوئی دیوار گری اور کتا پھر رونے لگا۔

فریدی ٹارچ سمیت تیزی سے پلٹا اور روشنی کا دائرہ ایک مینار کے نچلے حصے سے پھسلتا ہوا اوپر کی طرف چلا گیا۔ آواز یقیناً اسی مینارے پر سے آتی تھی۔ سرجنٹ حمید اس کے قریب آگیا۔

"یہ کگیا.... کیا.... معام.... رہے۔"

"شش.... ڈرپوک۔" فریدی اس کا شانہ تھپتھپا کر منارے کی طرف بڑھا۔

آواز پھر سنائی دی اور حمید ایک دبی سی چیخ کے ساتھ اچھل کر فریدی سے ٹکرا گیا۔

"اوپر سے.... اوپر سے....!" وہ خوف زدہ آواز میں بولا۔

فریدی ٹارچ کی روشنی میں منارے کے نچلے حصے کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کا قطر سات آٹھ فٹ سے کسی طرح کم نہ رہا ہوگا۔ ایک جگہ دروازے کے آثار بھی معلوم ہوئے۔ لیکن اب وہاں اینٹیں چنی ہوئی تھیں۔ فریدی نے ایک بار پھر نیچے سے اوپر تک روشنی ڈالی۔

"بظاہر کوئی ایسا راستہ نہیں معلوم ہوتا۔" وہ حمید کی طرف مڑ کر بولا۔

"جس سے کسی کتے کے گھسنے کے امکانات ہوں۔"

"گھسنے کے امکانات!" حمید نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "عقل کے ناخن لیجیے وہ سینکڑوں

سال سے....!"

"ہشت....!"

فریدی نے جھک کر ایک پتھر اٹھایا اور اسے ہاتھ میں لے کر تولنے لگا۔ جیسے ہی منارے کے اوپری حصے سے آواز نکلی اس نے وہ پتھر اوپر کی طرف پھینکا۔ کھٹاکے کی آواز آئی۔ پتھر نشانے پر بیٹھا تھا۔ لیکن کتے کی آواز میں کوئی فرق نہیں پڑا۔

"یہ کیا کرنے لگے۔" حمید نے پوچھا۔

فریدی جواب دینے کے بجائے پھر پتھر اٹھانے کے لئے جھکا۔

اس بار پھر اس نے آواز نکلتے ہی پتھر چلایا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر حمید کی طرف مڑ کر بولا۔

"کتا نہیں ہے.... آؤ چلیں.... پھر دیکھیں گے.... ارے تمہارا ہاتھ کانپ رہا ہے.... اُلو کہیں کے۔"

"کیا معاملہ ہے۔"

"جو کچھ بھی ہو لیکن.... کتا.... ارے۔" فریدی نے جست لگائی لیکن قریب ہی کی ایک گرتی ہوئی دیوار کی زد سے نہ بچ سکا۔ سرجنٹ حمید کی چیخ سناٹے میں دور تک لہراتی چلی گئی۔ کتا پھر مکروہ اور خوفناک آواز میں رونے لگا۔

جان پہچان

ہوش آتے ہی فریدی کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ اب سر نہ اٹھا سکے گا۔ کچھ دیر قبل پیش آیا ہوا واقعہ اس کے ذہن میں ابھرنے لگا اور اس نے زمین پر چت لیٹے ہی لیٹے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ زرد رنگ کی دھندلی روشنی ہوئی تھی۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ کسی کنویں میں پڑا ہو۔ لکھوری اینٹوں کی دیواریں ایک دائرے کی شکل اس کے گرد احاطہ کئے ہوئے تھیں۔ پھر دفعتاً اسے حمید کا خیال آیا وہ ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھ بیٹھا اور اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ کنواں تیزی سے گردش کرنے لگا ہو۔ زمین میں عجیب طرح کی آوازیں ایک دوسرے میں مدغم ہوتی چلی گئیں۔

ایک بار پھر اس نے سنبھالا لیا اور تحیر آمیز انداز میں چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اسے تو اینٹوں کے ڈھیر میں ہونا چاہئے تھا پھر۔۔۔۔ یہ۔۔۔۔ یہ۔۔۔۔ کیا۔۔۔۔ اس کنوئیں کی تہہ بالکل خشک اور کسی کمرے کے فرش کی طرح صاف و شفاف بھی۔۔۔۔ کیوں؟ وہ بے تحاشہ کھڑا ہو گیا۔ اس نے حمید کو دیکھا، جو تھوڑے ہی فاصلے پر پڑا۔ گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ اس کے بھی سر ہی میں چوٹ آئی تھی اور کچھ خراشیں پیروں میں بھی تھیں۔ فریدی اس پر جھک گیا۔ وہ ابھی تک بیہوش تھا۔ وہ کئی منٹ تک اس پر جھکا رہا پھر دفعتاً سیدھا کھڑا ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔ سر میں اتنی شدید تکلیف تھی کہ کھڑا ہونا دوبھر ہو رہا تھا اور نقاہت کا یہ عالم تھا جیسے وہ عرصے سے بیمار ہو۔ دفعتاً اسے اس روشنی کا خیال آیا۔ زرد رنگ کی دھندلی روشنی وہ بے اختیار اوپر کی طرف دیکھنے لگا۔ سترہ اٹھارہ فٹ کی بلندی پر بنے ہوئے دریچوں میں اندر کی طرف چراغ روشن تھے جنہیں وہ پہلے نہیں دیکھ پایا تھا اور اب اس کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ سارے چراغ خود بخود رینگ کر باہر آگئے۔ فضا میں معلق انسانی کھوپڑیوں میں سے روشنی کی لوئیں پھوٹ رہی تھیں اور اسی طرح کی چراندھ پھیلی ہوئی تھی جیسے ان میں چربی جل رہی ہو۔

فریدی کے جسم کے سارے روئیں کھڑے ہو گئے اور ماتھے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں پھوٹ آئیں۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا اور دیوار سے ٹک کر ان چراغوں کی طرف حیرت سے دیکھنے لگا، جو آہستہ آہستہ نیچے اتر رہے تھے۔

اور پھر ایک عجیب سا قہقہہ سنائی دیا جو کسی خونخوار جانور کی غراہٹ سے مشابہ تھا۔ ایک طویل قہقہے سے اس باؤلی کی دیواریں تک جھنجھنا اٹھی تھیں، سامنے کے دریچے سے ایک چمگادڑ چیک چیک کرتی ہوئی نکلی اور اوپر کی طرف پرواز کر گئی۔ قہقہہ ختم ہو چکا تھا۔ لیکن اب ایک دوسری طرح کی آواز باؤلی میں گونج رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کہیں کوئی ریچھ اپنے پیروں پر تھوتھنی رکھے خرخر، خرخر کر رہا ہو۔

فریدی کا ہاتھ بے اختیار جیب کی طرف گیا۔ ریوالور موجود تھا۔ اس نے اس کا دستہ مضبوطی سے پکڑ لیا۔ اس کی نظریں اس دریچے کی طرف اٹھ گئیں۔ جن سے چند لمحے پیشتر چمگادڑ اڑی تھی۔ دو خونخوار آنکھیں اسے گھور رہی تھیں۔ انگاروں کی طرح دہکتی ہوئی آنکھیں اور پھر وہی غراہٹ سے ملتا جلتا ہوا قہقہہ سنائی دیا۔ فریدی نے ریوالور والا ہاتھ بلند کیا لیکن نہ جانے کدھر

سے ایک بڑی سی چمگادڑ نے اسی ہاتھ پر جھپٹا مارا اور ریوالور زمین پر آرہا۔

فریدی اس چمگادڑ کی طرف جھپٹا۔ اس نے ریوالور کو زمین پر گرتے نہیں دیکھا تھا۔ ایک تو سر میں شدید تکلیف تھی اس پر اس قسم کے واقعات! وہ سمجھا شاید چمگادڑ ریوالور کو جھپٹ کر لے گئی۔

چمگادڑ اپنے پر پھڑپھڑاتی ہوئی اس کے سر پر چکر لگا رہی تھی۔ دفعتاً فریدی کو ان روشن کھوپڑیوں کا خیال آیا جو آہستہ آہستہ نیچے کی طرف آرہی تھیں۔ وہ پھر تیزی سے دیوار کی طرف چلا گیا اور اس سے ٹکرا کر اوپر دیکھنے لگا۔ دوسرے ہی لمحے میں اس کے منہ سے ایک تحیر آمیز چیخ نکل گئی۔ اس کا ریوالور اوپر چلتی ہوئی کھوپڑیوں کے درمیان جھول رہا تھا اور وہ کھوپڑیاں نیچے آنے کے بجائے ریوالور سمیت اوپر کی طرف جارہی تھیں۔

قہقہہ کی غراہٹ پھر سنائی دی۔ اس بار وہ ایک دوسرے دریچے سے آتی معلوم ہو رہی تھی اوپر جاکر وہ کھوپڑیاں پھر چاروں طرف بنے ہوئے دریچوں میں رینگ گئیں۔

خونخوار آنکھیں پھر دکھائی دیں حالانکہ وہ کافی بلندی پر نظر آرہی تھیں۔ لیکن فریدی کو ایسا محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے وہ اس کی آنکھوں میں اتری آرہی ہوں۔ پھر ایک خوفناک شکل دکھائی دی۔ سیاہ گھنے بالوں کے ڈھیر میں خوفناک آنکھیں انگاروں کی طرح دہکتی ہوئی آنکھیں ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی تاریک ویرانے میں دو چراغ جل رہے ہوں۔ فریدی کا سر ایک جھٹکے کے ساتھ دیوار سے جالگا۔ یہ اس کے زخمی سر پر دوسری چوٹ تھی۔ اسے یک بیک ایسا محسوس ہوا جیسے وہ گھرے اندھیرے میں ڈوبتا چلا جارہا ہو۔

نہ جانے وہ کب تک بے ہوش رہا اور ٹھیک اس وقت جب اس کا ذہن آہستہ آہستہ غنودگی کی سطح پر آرہا تھا۔ کچھ دیر قبل والی قہقہہ نما غراہٹ اس کے کانوں میں گونجی اور وہ نیم بے ہوشی کی حالت میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پھر اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے دوبارہ لٹا دیا ہو۔ آنکھوں کے سامنے چھایا ہوا غبار چھٹتا جارہا تھا اس کا ہاتھ بے اختیار سر کی طرف گیا۔ انگلیاں زخموں کی بجائے کسی نرم چیز سے ٹکرائیں اور اس نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔

اس نے خود کو ایک سلیقے سے سجائے ہوئے کمرے میں پایا۔ اس کے نیچے ایک نرم اور ستھرا بستر تھا اور سامنے ہی فانوس میں کافوری شمعیں روشن تھیں۔ ایک معمر اور وجیہہ آدمی اس پر جھکا ہوا تھا جس کے چہرے پر گہری تشویش کے آثار نظر آرہے تھے۔ قریب ہی نعیم اور اشرف دکھائی

دیئے۔ فریدی نے پھر اٹھنا چاہا لیکن اس پر جھکے ہوئے آدمی نے اس کے سینے پر ہولے سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"لیٹے رہیے.... لیٹے رہیے۔"

"میں کہاں ہوں۔"

"آپ قطعی محفوظ ہیں۔ گھبرانے کی بات نہیں۔ زخم خطرناک نہیں ہیں۔ لیکن آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔" وہ ایک ہی سانس میں کہہ گیا۔

"حمید کہاں ہے؟ کیسا ہے۔" فریدی نے اشرف سے پوچھا۔

"ٹھیک ہے.... ٹھیک ہے۔"

"کہاں ہے۔" فریدی نے اپنے سینے پر رکھا ہوا ہاتھ اٹھا کر اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"دوسرے کمرے میں.... لیکن آپ لیٹے رہیے۔"

"ہشت.... میں بالکل ٹھیک ہوں.... مجھے حمید کے پاس لے چلو۔"

فریدی اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر دفعتاً اشرف کی طرف مڑ کر بولا۔

"ہم لوگ کہاں تھے؟"

"کوئی پریشانی کی بات نہیں۔" معمر آدمی فریدی کے کاندھے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔

"جو ہونا تھا.... سو ہو گیا۔"

فریدی اسے گھورنے لگا۔ پھر اشرف کو مخاطب کر کے اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"آپ کی تعریف....!"

"اوہ آپ....!" ارشد نے خاکسارانہ انداز میں کہا۔ "آپ.... آپ نواب صاحب۔"

"مجھے صولت مرزا کہتے ہیں۔" معمر آدمی نے کہا۔

"اوہ....!" فریدی نے اس کی طرف مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "ہم لوگوں کی وجہ سے آپ کو بڑی تکلیف ہوئی۔"

"نہیں.... کوئی تکلیف نہیں۔ لیکن آپ لیٹ جایئے۔"

"میں اپنے ساتھی کو دیکھنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"آپ مجھ پر اعتماد کیجئے۔" نواب صولت مرزا مسکرا کر بولا۔

فریدی چپ چاپ لیٹ گیا۔ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد اس نے اشرف سے پوچھا کہ وہ دونوں انہیں کہاں ملے تھے۔

"تم دونوں ایک گری ہوئی دیوار کی ملبے میں دبے پڑے تھے۔" اشرف نے کہا۔

فریدی اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ تحیر آمیز انداز میں اشرف کو گھورتا رہا۔

"کیوں؟ کیا بات ہے۔"

"کچھ نہیں۔" فریدی نے پر خیال انداز میں آہستہ سے سر ہلایا۔ پھر دفعتاً پوچھ بیٹھا۔

"میرا کوٹ کہاں ہے۔"

اشرف نے سامنے والی دیوار کی طرف اشارہ کیا۔ جہاں اس کا کوٹ لٹکا ہوا تھا۔

"ریوالور ہے اس میں۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں....!"

"اوہ....!" فریدی کے منہ سے بے اختیار نکلا اور وہ پھر لیٹ گیا۔

وہ پراسرار باؤلی اور اس کا ڈراؤنا ماحول۔ کیا وہ سب خواب تھا۔ فریدی انتشار میں مبتلا ہو گیا۔ وہ خوفناک چہرہ جلتی ہوئی معلق انسانی کھوپڑیاں۔ قہقہہ نما غراہٹ آخر یہ سب کیا تھا۔ پہلی بار وہ یقیناً ایک گرتی ہوئی دیوار کے لپیٹ میں آکر اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا تھا۔ لیکن دوسری بیہوشی؟ کیا وہ سچ مچ خواب تھی؟ وہ سوچتا رہا اور اس کے ذہن نے یہ فیصلہ کر لیا کہ یہ سب حقیقت تھی۔ لیکن پھر! پھر وہ گری ہوئی دیوار کے ملبے میں دوبارہ کس طرح پہنچے تھے۔ وہ ریوالور جسے وہ کھوپڑیاں اپنے ساتھ اڑا لے گئی تھیں اس کے جیب میں دوبارہ کس طرح آیا؟ کیا وہ شیطانی کتا....؟ لیکن وہ اس کے آگے نہ سوچ سکا۔ کیونکہ مافوق الفطرت چیزوں کی اس کی نظروں میں کوئی اہمیت نہ تھی۔

"کیا تم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہو کہ تم نے ہمیں ملبے کے ڈھیر سے نکالا تھا۔" فریدی نے اشرف سے پوچھا۔

"ہاں بھئی....!"

صولت مرزا بڑے غور سے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً اس کے ہونٹوں پر ایک پر خیال سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بھول جائیے۔ سب کچھ بھول جائیے۔" نواب صولت مرزا معنی خیز انداز میں سر ہلا کر بولا۔ "جوانی کا خون اکثر غلط راستوں پر بھی لے جاتا ہے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" فریدی نے کہا۔

"مجھے آپ کے دوستوں سے معلوم ہو چکا ہے کہ آپ وہاں کس لئے گئے تھے۔" صولت مرزا مسکرا کر بولا۔ "یہ آپ کا غیر دانشمندانہ اقدام تھا۔ کوئی دن میں بھی ادھر جانے کی ہمت نہیں کرتا۔ مگر خیر شائد آپ اس کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔"

فریدی خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ صولت مرزا ہی کی زبانی کچھ اور بھی سننا چاہتا ہو۔

"ہمارے قصبے کے تین منچلے جوان" صولت مرزا پھر بولا۔ "اسی خبط کا شکار ہو چکے ہیں۔ ان میں سے ایک تو کچھ دن بیمار رہ کر چل بسا اور بقیہ دو آج تک صحیح الدماغ نہیں ہو سکے۔"

"اوہ....!" فریدی نے دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "کب کی بات ہے۔"

"پانچ سال قبل کی بات۔ وہ تینوں اس کتے کا راز معلوم کرنے گئے تھے۔"

"پھر....!"

"دوسرے دن صبح ان کھنڈروں میں بے ہوش پائے گئے۔"

"تو کیا یہ حقیقت ہے کہ اس کی آواز سالہا سال سے سنائی دیتی ہے۔"

"میں نے تو اپنے بزرگوں سے یہی سنا ہے۔" صولت مرزا نے جماہی لیتے ہوئے کہا۔ "بس اب آرام کرو۔ ڈاکٹر نے کہا ہے کہ تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔"

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔ ہاں تو اگر یہ بات ہے تو کم از کم آپ بھی اسے بچپن ہی سے سنتے آئے ہوں گے۔"

"ہاں بھئی میں صبح سب کچھ بتا دوں گا مجھے باتوں میں بہلانے کی کوشش نہ کرو۔ تم بالکل اپنے باپ کی طرح جھکی معلوم ہوتے ہو۔"

"کیا آپ ان سے واقف ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"بیٹے تم ہمیں بھول گئے ہو.... لیکن ہم نہیں بھولے۔"

"ارے بھئی نواب عزیز الدین خان میرا لنگوٹیا یار تھا.... آکسفورڈ میں ہم دونوں ساتھ ہی تھے۔"

"لیکن آپ کو میرے متعلق کیسے معلوم ہوا۔"

"تمہارے دوستوں نے بتایا۔ اچھا میاں کمال بس چپ چاپ سونے کی کوشش کرو۔ حالانکہ زخموں میں تکلیف ہو رہی ہو گی۔"

"میں سونے سے پہلے اپنے زخمی ساتھی کو دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"بھئی بڑے ضدی ہو! اچھا چلو....!"

صولت مرزا نے فریدی کو سہارا دے کر اٹھایا اور پھر وہ اس کمرے میں آئے جہاں حمید ایک مسہری پر گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھا کافی پی رہا تھا۔ اس کا سر بھی سفید پٹیوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ فریدی کو دیکھتے ہی اس نے ایک فلک شگاف قہقہہ لگایا اور صولت مرزا گھبرا کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں تو سمجھا تھا کہ آپ اس مینار کی چوٹی پر ہوں گے۔" حمید نے کہا اور فریدی صولت مرزا کی طرف مڑ کر بولا۔ "مطمئن رہیئے اس کا دماغ خراب نہیں ہوا۔"

پھر وہ مسہری کے قریب پڑی ہوئی ایک آرام کرسی پر نیم دراز ہو گیا۔ نواب صولت مرزا نے بھی ایک میز کے کونے پر ٹک کر حمید کے چہرے پر خیال انداز میں نظریں جما دیں۔ حمید کافی کی پیالی ٹی پائی پر رکھ کر اپنے پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

"میرے نوکر کہاں ہیں۔" فریدی نے نعیم کی طرف مڑ کر پوچھا۔

"سب آ گئے ہیں اور گاڑی بھی۔" نعیم نے جواب دیا۔

"تو تم بخیریت ہو۔" فریدی نے حمید سے پوچھا۔

"بد قسمتی سے۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ "خدا نے چاہا تو اب کی صفایا ہو جائے گا۔"

انتہائی سنجیدہ ماحول ہونے کے باوجود بھی شاہد اور اشرف بے ساختہ ہنس پڑے۔

"تم نے کوئی ڈراؤنا خواب تو نہیں دیکھا۔" فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

"عینک نہیں تھی ورنہ ضرور دیکھتا۔" حمید نے بیزاری سے کہا۔

"میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ لوگ بھی اس معاملے میں سنجیدہ نہیں ہیں۔" صورت مرزا نے کہا۔

"قبلہ نواب صاحب۔" حمید نے دھوئیں کا بڑا سا بادل چھوڑتے ہوئے کہا۔ "جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے۔ میں مر جانے کی حد تک سنجیدہ ہو چکا ہوں۔"

"میں نے یہ بھی سنا ہے۔" فریدی نے نواب صولت مرزا کو مخاطب کر کے کہا۔ "کہ جب بھی وہ کتا روتا ہے قریب کی ندی میں باڑھ آجاتی ہے اور اس کے کنارے بسے ہوئے گاؤں بہہ جاتے ہیں۔"

"قطعی درست ہے۔ ابھی ابھی میری لاریاں جنگ پور کے مصیبت زدگان کو لے کر یہاں آئی ہیں۔ تھوڑی دیر قبل میں بھی وہیں تھا۔ آدھے سے زیادہ گاؤں بہہ گیا ہے۔ تین بچے ڈوب گئے ہیں۔ اپنے بچپن سے اس قسم کے واقعات دیکھتا آرہا ہوں۔ اچھا بھئی اب تم لوگ آرام کرو۔ مجھے ان بیچاروں کا بھی انتظام کرنا ہے اور ہاں.... ڈاکٹر نے تم دونوں کو صرف سیال چیزیں استعمال کرنے کے لئے کہا ہے۔ چائے.... کافی یا دودھ۔"

صولت مرزا اپنے نوکروں کو کچھ ہدایت دیتا ہوا باہر چلا گیا۔

"اب بتاؤ....!" فریدی نے حمید کو مخاطب کیا۔

حمید کوئی جواب دینے کے بجائے ٹی پائی پر رکھے ہوئے ایش ٹرے میں پائپ کی راکھ جھاڑ کر لیٹ گیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

فریدی تھوڑی دیر تک پر خیال انداز میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اشرف کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔

"تم لوگ وہاں کس طرح پہنچے تھے۔"

"ہم دوسری طرف سے گھوم کر یہاں پہنچے۔" اشرف سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔ نواب صاحب موجود نہیں تھے۔ وہ شاید جنگ پور کے سیلاب زدگان کی امداد کے لئے گئے ہوئے تھے۔ لیکن یہاں نوکروں کو ہدایت دے گئے تھے کہ اگر ان کی عدم موجودگی میں کوئی پناہ لینے کے لئے آئے تو اسے ساری آسانیاں بہم پہنچائی جائیں۔ لہٰذا ان کے نوکر پہلے تو ہمیں سیلاب زدہ سمجھے لیکن جب ہم نے انہیں پوری بات بتائی تو انہوں نے ہمارے لئے معقول انتظام کر دیا۔ پھر تقریباً ایک گھنٹے تک ہم تمہارا انتظار کرتے رہے۔"

"خیر....!" فریدی نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "تو تمہیں اچھی طرح یاد ہے کہ ہم ملبے میں دبے ہوئے تھے۔"

"تم آخر بار بار اس کے متعلق کیوں پوچھ رہے ہو۔" اشرف نے کہا۔

"نہیں یقین نہیں آرہا ہے۔" حمید دفعتاً سر اٹھا کر بولا۔ "کیونکہ یہ اس وقت ملکہ الزبتھ کے ساتھ دعوت اڑا رہے تھے۔"

"تو ابھی تم زندہ ہو۔" فریدی نے مسکرا کر کہا اور حمید بھنا کر اٹھ بیٹھا۔

"سنئے جناب! جہنم میں گیا آپ کا ایڈونچر۔ میں اب کسی مزید حماقت کے لئے تیار نہیں۔"

"چپ چپ شور نہیں کرتے۔ بس اب تو بارہ بج رہے ہیں۔" فریدی نے ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔

"مذاق میں مت ٹالئے۔ ہم صبح ہی صبح یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ مجھ میں بھوتوں سے لڑنے کی تاب نہیں۔"

"بھوت....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کیسے بھوت.... پاگل ہوئے ہو، ایک بھیگی ہوئی دیوار تھی، جو ہوا کا تیز جھونکا برداشت نہ کر سکی اور بس۔"

"تو پھر وہ مینار پر رونے والا کتا میرا چچا رہا ہو گا۔"

"بہت ممکن ہے وہی ہو۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ پھر اشرف کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ "تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔"

"بھئی مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ تم دونوں گری ہوئی دیوار کے ملبے میں دبے ہوئے تھے۔" اشرف اکتا کر بولا۔

"کیا وہاں قریب ہی کوئی باؤلی بھی تھی۔"

"باؤلی کیا....!" اشرف نے پوچھا۔

"پاگل عورت کو کہتے ہیں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"آپ بھی جاہل ہیں۔" فریدی منہ سکوڑ کر بولا۔ "باؤلی ایک قسم کا کنواں ہوتا ہے جس میں نیچے جانے کے لئے سیڑھیاں ہوتی ہیں اور پانی کی سطح سے تھوڑی ہی اونچائی پر دریچے اور برآمدے بنے ہوتے ہیں۔ قدیم زمانے میں ایسے کنوئیں گرمیوں کے زمانے کی عیاشیوں کے لئے بنوائے جاتے تھے۔"

"نہیں ہمیں وہاں کوئی ایسی چیز نہیں دکھائی دی تھی۔" اشرف نے کہا اور سچی بات تو یہ ہے کہ ہم نے ادھر ادھر دیکھنے کی ہمت ہی نہیں کی۔ حالانکہ ہم تعداد میں بیس تھے اور نواب صاحب

کے نوکروں کے پاس بھی بندوقیں تھیں۔ لیکن خوف کے مارے سب کا حال پتلا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اگر خود نواب صاحب چلنے پر آمادہ نہ ہوگئے ہوتے تو ان کے نوکروں کو کوئی طاقت اس وقت ان کھنڈروں میں نہیں بھیج سکتی تھی۔"

"اجی بس....!" حمید پھر سر اٹھا کر بولا۔ "ساری دنیا میں دو ہی تیس مار خاں بستے ہیں۔ ایک میں اور دوسرے آپ۔" اس نے مضحکہ خیز انداز میں فریدی کی طرف اشارہ کیا۔

پُراسرار لڑکی

"تم ابھی تک سوئے نہیں۔" فریدی بولا۔

"آپ لوگ جھک ماریئے۔ ہم تو چلے۔" اشرف اٹھتا ہوا بولا۔ "نہ جانے کس کی صورت دیکھ کر گھر سے چلے تھے۔"

"آئینہ دیکھا ہوگا۔" حمید آنکھیں بند کئے ہوئے بڑبڑایا۔

دروازہ کھلا اور ایک نوکر ہاتھوں پر ٹرے اٹھائے ہوئے اندر داخل ہوا جس میں گرم دودھ کا جگ اور دو گلاس تھے اس کے بعد ایک دوسرا نوکر اندر آیا اور اس نے اشرف وغیرہ سے کھانے کے لئے کہا۔ وہ لوگ اس کے ساتھ دوسرے کمرے میں چلے گئے۔

"کیوں بھئی تمہیں دودھ چاہئے۔" فریدی نے حمید کو مخاطب کر کے کہا۔ "مجھے تو خواہش نہیں۔"

"میں کمزوری محسوس کر رہا ہوں۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

نوکر نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا اور پھر حمید نے دو گلاس صاف کر دیئے۔

نوکر استفہامیہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"مجھے دودھ نہیں چاہئے۔" فریدی بولا۔ "اگر کافی تیار ہو تو لاؤ.... ورنہ نہیں۔"

"تیار ہے حضور۔" نوکر قدرے جھک کر بولا اور ٹرے اٹھا کر چلا گیا۔

حمید دوبارہ پائپ سلگا رہا تھا۔ وہ تھوڑی دیر فریدی کو دیکھتا رہا پھر بڑبڑاتا ہوا لیٹ گیا۔ "پتہ نہیں کون اُلو کا پٹھہ ڈاکٹر تھا جس نے صرف دودھ کی اجازت دی ہے۔ لعنت ہے اس زندگی پر

بھلا دیوار میں دب کر بھی زندہ رہنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"کیوں فضول ٹائیں ٹائیں مچا رکھی ہے۔"

"فضول ٹائیں ٹائیں۔" حمید ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھ بیٹھا۔ "یہ فضول ٹائیں ٹائیں ہے.... ارے یہ فض.... ضو.... ل....!"

دفعتاً اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ داہنی طرف کے ملحقہ کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور ایک انتہائی حسین لڑکی شب خوابی کے لبادے میں ملبوس کھڑی انہیں غمناک انداز میں دیکھ رہی تھی۔ اس کے بال پشت پر بکھرے ہوئے تھے۔ اس کی عمر انیس یا بیس سے کسی طرح زیادہ نہیں معلوم ہوتی تھی۔ فریدی کھڑا ہوگیا۔

"میں تم لوگوں کے لئے مغموم ہوں۔" لڑکی نے مضمحل آواز میں کہا۔

"کوئی ایسی بات نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "ہمارے زخم معمولی ہیں۔ البتہ آپ کی ہمدردی کا شکریہ۔"

"تم میں سے فرقلوس کا بیٹا اوسرس کون ہے۔" لڑکی نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

فریدی اور حمید گھبرا کر ایک دوسرے کی صورتیں دیکھنے لگے۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" فریدی نے تحیر آمیز لہجے میں کہا۔

"اوہ شاید تمہیں غموں نے پاگل کر دیا ہے۔ تم دونوں زخمی ہو۔ لیکن گھبراؤ نہیں۔ زفورس.... میرا زفورس تمہارے لئے لڑ رہا ہے۔ وہ تمہارے دشمنوں کو شکست دے کر ایک دن ضرور واپس آئے گا۔ مجھے دیکھو.... میں خود یہاں اسیر ہوں۔ لیکن مجھے امید ہے کہ ایک دن زفورس مجھے اس قید سے رہائی دلائے گا۔ کئی دنوں سے میرے کچھ سپاہی یہاں آتے ہیں۔ وہ موقعے کی تلاش میں ہیں۔ کسی دن یہاں شب خون ضرور ماریں گے۔"

"محترمہ شاید آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

لڑکی کے ہونٹوں پر ایک بے جان سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ٹھیک ہے مجھے غلط فہمی ہی ہوئی ہے۔ تم بھی انہیں میں سے معلوم ہوتے ہو جنہوں نے مجھے قید کر رکھا ہے۔ میں یہ سمجھی تھی کہ شاید تم نے رومنوں کے خوف سے یہ بھیس اختیار کیا ہے۔"

"آپ کو کس نے قید کر رکھا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

اس عمارت کے مالکوں نے۔ میں سالہا سال سے غلامی کی زندگی بسر کرتی آرہی ہوں۔ میں اس عمارت سے باہر نہیں نکلنے پاتی.... کاش! میرا زفورس یہاں جلد سے جلد پہنچ جائے۔ مجھے اپنے باغ کے گلاب بہت یاد آتے ہیں۔ مجھے اس معبد کی یاد بہت پڑتی ہے جہاں سنگ مرمر کی عظیم سیڑھی آسمان کی طرف اپنے بازو اٹھائے اصیل مرغوں کی قربانیاں قبول کرتی ہے۔ مجھے اپنے محل کے عظیم الشان دریچے یاد آتے ہیں جن پر شاداب شاموں کی سرخیاں رنگ مارا کرتی ہیں اور محل کے نیچے بہتے ہوئے دریا میں طلائی کشتیاں تیرتی ہیں۔ مجھے اپنے دو سیاہ رو غلام یاد آتے ہیں جو میری لئے رنگ رنگ کی ننھی ننھی مچھلیاں پکڑ کر لاتے تھے اور میں انہیں شیشے کے بڑے بڑے مرتبانوں میں ڈلوا دیتی تھی۔ مجھے میرا زفورس بہت یاد آتا ہے جس کے بازوؤں میں فولادی مچھلیاں مچلتی تھیں جس کے فراخ سینے پر سر رکھ کر میں سب کچھ بھول جاتی تھی۔"

وہ خاموش ہو گئی۔ فریدی اور حمید حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ حمید سوچ رہا تھا کہ شاید وہ لڑکی انہیں اُلو بنا رہی ہے۔

"آپ کس زمین سے تعلق رکھتی ہیں۔" حمید نے شرارت آمیز لہجے میں پوچھا۔

"مصر.... ہائے میرا مصر.... میں تجھے کبھی نہیں بھول سکتی۔"

"مصر....!" فریدی چونک کر بولا۔ وہ غور سے اس لڑکی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"ہاں مصر....!" لڑکی کی آواز سے دبا دبا سا جوش ظاہر ہو رہا تھا۔ "ایک دن تم سب غلام بنا لئے جاؤ گے۔ شاید تمہیں ہمارے جنگجو آدمیوں کا تجربہ نہیں۔ وہ جن کے نیزوں کی انیاں سورج کو آنکھیں دکھاتی ہیں وہ جن کی ڈھالوں پر خونخوار عقابوں کی تصویریں ہیں۔ وہ جنہوں نے رومنوں اور یونانیوں کے چھکے چھڑا دیئے تھے۔ وہ جنہوں نے سلونیو جیسے جلال و جبروت والے کی آنکھیں نکال کر کتوں کے سامنے ڈال دی تھیں۔ وہ اس عمارت کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ ان دیواروں کو پیس ڈالیں گے جنہوں نے مجھے قید کر رکھا ہے۔"

لڑکی خاموش ہو گئی۔ اسی دوران میں دوسرے کمرے سے دو عورتیں آ گئیں تھیں۔ ان میں سے ایک معمر تھی اور دوسری کمسن جس کی عمر پندرہ یا سولہ کے قریب رہی ہو گی۔

"باجی! باجی....!" کمسن لڑکی نے آگے بڑھ کر اسے جھنجھوڑا اور وہ یک بیک پلٹ پڑی۔

"تم دونوں میری بوٹیاں نوچنے کے لئے آ گئیں۔"

"جمیلہ....!" معمر عورت نے اسے پکڑ کر دروازے کی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔ "خدا کے لئے ہوش میں آؤ۔"

وہ اسے دوسرے کمرے میں کھینچ لے گئی اور کمسن لڑکی نے شرماتے ہوئے انداز میں فریدی سے کہا۔

"آپ لوگ کچھ خیال نہ کیجئے گا۔ یہ اس وقت ہوش میں نہیں تھیں۔"

قبل اس کے فریدی کچھ کہتا وہ بھی دوسرے کمرے میں چلی گئی اور دروازہ بند ہو گیا۔

فریدی اور حمید تھوڑی دیر تک حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے پھر حمید بولا۔

"کیا شامت ہے۔"

فریدی کچھ بولنے ہی والا تھا کہ نوکر کافی کی ٹرے لے کر آ گیا۔ اس نے فریدی کی کرسی کے قریب تی پائی کھسکا کر ٹرے رکھ دی۔

"ابھی یہاں ایک پاگل عورت گھس آئی تھی۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"پاگل عورت..!" نوکر چونک کر بولا اور پھر پر تشویش انداز میں فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"شاید وہ مصر کی رہنے والی ہے۔"

"اوہ....!" نوکر نے سنجیدگی سے کہا۔ "وہ منجھلی سرکار ہوں گی۔"

"منجھلی سرکار۔" فریدی نے کہا۔ "یعنی نواب صاحب کی منجھلی لڑکی۔"

"جی حضور....!"

"تو کیا وہ کچھ بیمار ہیں۔"

"جی ہاں.... کافی ٹھنڈی ہو جائے گی۔"

فریدی نے محسوس کیا کہ وہ بات ٹالنے کی کوشش کر رہا ہے۔

"ہم لوگ تو بُری طرح ڈر گئے تھے۔" فریدی پیالی میں کافی انڈیلتا ہوا بولا۔

نوکر نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"کیا وہ بہت پڑھتی ہیں۔"

"جی ہاں۔"

"لیکن وہ صورت سے تو بیمار نہیں معلوم ہوتیں۔"

"جی صاحب۔"

"تم یہاں کب سے ہو۔"

"تین سال سے۔"

"تو تمہیں ان کی بیماری کے متعلق نہیں معلوم۔"

"نہیں صاحب۔"

"کیا وہ کبھی مصر میں بھی تھیں۔"

"مجھے نہیں معلوم۔"

"ہمارے نوکر تو.... ہماری ایک ایک بات جانتے ہیں۔" فریدی پیالی رکھ کر نوکر کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"جی صاحب۔" اس کے چہرے پر ہچکچاہٹ کے آثار تھے۔

"اور تم اپنی منجھلی سرکار کی بیماری کے متعلق بھی نہیں جانتے۔" فریدی نے دھیرے سے کہا۔

نوکر کشش و پنج میں مبتلا ہو گیا تھا۔ آخر وہ آہستہ سے بولا۔

"ان پر کسی جن کا سایہ ہے۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ اس نے جلدی جلدی کافی ختم کی اور نوکر کو رخصت کر دیا۔

"ارے باپ رے باپ۔" حمید بوکھلا کر اٹھتا ہوا بولا۔ "سارے جن بھوت پریت یہیں اکٹھا ہو گئے ہیں۔ شامت قلابازیاں کھاتی دکھائی دیتی ہے۔ خدارا نکل بھاگئے۔ یہاں سے.... میں ان چیزوں سے نہیں لڑ سکتا جو دکھائی نہ دیں۔ رہے آپ... تو آپ تو ہوا سے لڑنے کی خاصی مشق بہم پہنچا چکے ہیں۔"

"شٹ اپ....!" فریدی نے آہستہ سے کہا اور سگار سلگانے لگا۔

"میں تو صبح چل دوں گا۔"

"بکواس ہے.... تمہیں یہاں ٹھہرنا پڑے گا۔ میں اس کتے کو مینار سے نکال کر پالنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔"

"ارے تو پالئے نا۔" حمید دانت کٹکٹا کر بولا۔ "منع کس پٹھے کے اُلو.... اُلو کے پٹھے نے کیا ہے۔ لیکن میں رک نہیں سکتا۔"

"خیر تمہاری مکھیاں بھی رکیں گی۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ انہیں چاہے روکئے چاہے مار ڈالئے۔ لیکن مجھے تو بخشنا ہی پڑے گا۔"

فریدی کرسی سے اٹھ کر اس کی مسہری پر جا بیٹھا۔

"اب کیا ارادہ ہے۔" حمید اچھل کر ایک طرف ہٹتا ہوا بولا۔

"میں نے اتنی خوبصورت لڑکی آج تک نہیں دیکھی۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"بس بس مجھے زیادہ گھسنے کی کوشش نہ کیجئے۔" حمید نے کہا۔ "ارے باپ رے باپ اس کے جنگجو سپاہی۔"

"بہرحال تم جا نہیں سکتے۔"

"میں رومال سے اپنا گلا گھونٹ لوں گا۔"

"کوئی بات نہیں۔ اس سے پہلے کوئی اچھی سی وصیت ضرور چھوڑ جانا۔"

"بخدا میں عاجز آ گیا ہوں۔ گلو خاصی کے لئے موت کے علاوہ کچھ اور نہیں دکھائی دیتا۔"

"تو پھر مر ہی جاؤ، تجہیز و تکفین معقول کر دی جائے گی۔"

حمید کوئی جواب دیئے بغیر لیٹ گیا۔

فریدی اسے خوفناک باؤلی کے متعلق بتانا چاہتا تھا۔ لیکن پھر اس نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ وہ حمید کو بزدل نہیں سمجھتا تھا لیکن یہ ضرور جانتا تھا کہ وہ مافوق الفطرت چیزوں پر کچھ نہ کچھ یقین رکھتا ہے اگر اسے باؤلی والی بات معلوم ہو گئی تو وہ کسی طرح نہ رک سکے گا۔ اس کا ذہن ان متحرک اور معلق کھوپڑیوں میں الجھا ہوا تھا اور وہ عجیب و غریب اور خوفناک درندہ۔

اس دوران میں کئی بار اس کا ذہن نواب صاحب کی منجھلی لڑکی کے پراسرار رویے کی طرف بھی منتقل ہوا لیکن وہ اس کے متعلق کچھ زیادہ سوچنے پر تیار نہیں تھا۔ کیونکہ اس میں ساری علامتیں کسی ذہنی مرض کی پائی جاتی تھیں۔ البتہ وہ اس کے متعلق وضاحت سے جاننا چاہتا تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک بیٹھا بیٹھا خیالات سے الجھتا رہا پھر جانے کے لئے اٹھا۔

"کہاں چلے....!" حمید نے پوچھا۔

"تم سوئے نہیں.... میرا بستر شاید اس کمرے میں ہے۔"

"جی نہیں.... قطعی نہیں.... میں اس بھوت گھر میں تنہا نہیں رہ سکتا؟"

"عجیب احمق ہو۔"

"آپ مجھے عجیب اُلو بھی کہہ سکتے ہیں لیکن میں....!"

"کیا بکواس ہے.... ایک لڑکی سے ڈرتے ہو۔"

"پاگل لڑکی.... کمال کرتے ہیں آپ بھی۔" حمید جھلا کر بولا "کیا آپ کو نوکر کی بات یاد نہیں۔"

"جی ہاں۔" فریدی نے منہ سکوڑ کر کہا۔ "اس پر کسی جن کا سایہ عاطفت ہے اور آپ اتنے گنوار ہیں کہ اس پر ایمان لے آئے ہیں۔ مجھے خواہ مخواہ تنگ مت کرو۔"

"میں آپ کو کس طرح سمجھاؤں کہ میں قطعی سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں۔"

"ارے احمق تو آدمی ہو کر جنوں سے ڈرتا ہے۔ تف ہے۔ تجھ گدھے پر۔" فریدی جھلا کر بیٹھتا ہوا بولا۔ "مجھے نہیں معلوم تھا کہ تمہارے اندر اتنی بوڑھی روح سسک رہی ہے۔"

"اس وقت اگر آپ مجھے گدھے کے بجائے جرنلسٹ بھی کہہ دیں تو میں بُرا نہ مانوں گا۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"بکو مت....!" فریدی آرام کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتا ہوا بولا۔

حمید سمجھ گیا کہ وہ اب نہیں جائے گا۔

"آپ یہاں مسہری پر آجائیے۔ میں کرسی پر سوجاؤں گا۔" حمید نے کہا۔

"نہیں جی.... سوئیے۔" فریدی نے آنکھیں بند کرلیں۔

حمید چپ چاپ لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے آہستہ آہستہ فریدی کو آوازیں دیں لیکن وہ سو چکا تھا۔

حمید نے لاکھ کوشش کی کہ وہ بھی سوجائے لیکن نیند نہ آئی۔ وہ پُراسرار لڑکی اس کے ذہن پر بُری طرح چھائی ہوئی تھی۔ اس کی خواب ناک آنکھیں، سپاٹ چہرہ، عالم تحیر میں بار بار جھپکتی ہوئی پلکیں۔ گفتگو کرتے وقت اعضاء کی غیر مانوس سی جنبش.... یہ ساری چیزیں ایک ایک کر کے اس کی آنکھوں کے سامنے آرہی تھیں۔ دفعتاً اس کی نظریں اس دروازے کی طرف اٹھ گئیں جس سے وہ داخل ہوئی تھی۔ وہ یک بیک اٹھ بیٹھا اور پنجوں کے بل چلتا ہوا دروازے کی چٹخنی گرا کر پھر مسہری پر لوٹ آیا۔

وہ دن چڑھے تک سوتے رہے۔ فریدی نے آنکھ کھولتے ہی سب سے پہلے نواب صولت

مرزا کو دیکھا جو قریب ہی ایک کرسی پر بیٹھا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"بھئی کمال میاں تم واقعی اپنے باپ کی نقل ہو۔" اس نے کہا۔ "بھلا اس کرسی پر سونے کی کیا ضرورت تھی۔"

"اوہ....! دراصل میں باتیں کرتے کرتے سو گیا تھا۔"

"میں نے منع کیا تھا نا کہ زیادہ باتیں نہ کرنا۔ خیر یہ بتاؤ کہ طبیعت کیسی ہے۔"

"میں بالکل اچھا ہوں.... حمید.... او حمید۔"

"بھئی سونے دو نا.... اسے کیوں جگاتے ہو۔"

حمید کھڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

صولت مرزا تھوڑی دیر تک ان سے ان کے زخموں کی کیفیت معلوم کرتا رہا پھر اٹھ کر چلا گیا۔ وہ دونوں ضروریات سے فارغ ہو کر باہر آئے۔ صولت مرزا کے طویل و عریض مکانات کے برآمدے اور کمرے بے پناہ گزینوں سے بھرے ہوئے تھے اور وہ خود دوڑ دوڑ کر ان کی دیکھ بھال کر رہا تھا۔ فریدی اور حمید کو دیکھ کر وہ ان کی طرف چلا آیا۔

"بھئی تم لوگوں نے ناشتہ کیا یا نہیں۔"

"ابھی نہیں.... ہم یوں بھی دیر سے ناشتہ کرنے کے عادی ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"دیکھو یہ تمہارا گھر ہے کسی قسم کا تکلف نہ کرنا۔ جس وقت جس چیز کی ضرورت ہو کہہ دینا کیونکہ میں بُری طرح مشغول ہوں ورنہ خود ہی دیکھ بھال رکھتا۔"

"اوہ! آپ اس کی فکر نہ کیجئے گا" فریدی نے کہا۔ "ہم خود آپ کا ہاتھ بٹانے کی غرض سے آئے ہیں۔"

"نہیں بھئی نہیں.... تم آرام کرو۔" نواب صاحب نے پُرخیال انداز میں کہا۔ "اوہ.... ٹھیک یاد آیا۔ تم ابھی تک لڑکیوں سے نہیں ملے۔ آؤ.... آؤ.... میں کچھ اتنا زیادہ مشغول رہا کہ ان سے تمہارا تذکرہ تک نہ کرسکا۔ شکیلہ تمہاری بہت مداح ہے۔ تمہارے بہتیرے کیسوں کی رپورٹوں کے تراشے اس نے اکٹھے کئے ہیں۔ اکثر کہتی ہے کہ بہت خوفناک آدمی ہوں گے۔ ہاہاہا لیکن تمہاری مسکین صورت دیکھ کر اسے بڑی مایوسی ہوگی۔"

حمید ہنسنے لگا۔ لیکن پھر دفعتاً سنجیدہ ہوگیا۔ غالباً اسے پچھلی رات والی لڑکی یاد آگئی تھی۔

فریدی نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "تم اشرف وغیرہ کا خیال رکھنا۔ انہوں نے بھی ابھی ناشتہ نہ کیا ہوگا۔"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔" حمید کی جان میں جان آئی۔ "مجھے انہیں کے ساتھ رہنا چاہئے۔ ہم نے ہی تو انہیں شکار کی لئے مدعو کیا تھا۔ انہیں اکیلا چھوڑنا مناسب نہیں۔"

فریدی کے ہونٹوں پر تمسخر آمیز مسکراہٹ نمودار ہوئی اور حمید اس کا مطلب سمجھ کر جھینپ گیا۔

نواب صاحب فریدی کا ہاتھ پکڑ کر برآمدے کی طرف مڑے اور حمید اپنے ساتھیوں کے کمروں کی طرف چل دیا۔

راہ میں صولت مرزا نے ایک نوکر کو روک کر لڑکیوں کے متعلق پوچھا۔ اس نے بتایا کہ وہ ڈائننگ روم میں ہیں۔

"ارے بھئی شہریوں کو ناشتہ پہنچا یا نہیں۔"

"جی ہاں۔" نوکر نے جواب دیا۔ "اور آپ لوگوں کے متعلق آپ سے پوچھنا تھا۔"

"میرے خیال سے تو اب ڈاکٹر کو کھانے پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔" صولت مرزا نے فریدی سے پوچھا۔

"قطعی نہیں.... میرے خیال سے رات ہی کسی خاص پرہیز کی ضرورت نہیں تھی۔"

"خیر آؤ بھئی۔" صولت مرزا نے کہا اور آگے بڑھ گئے۔

متعدد کمروں سے گزرتے ہوئے وہ ڈائننگ روم میں آئے جہاں رات والی دونوں لڑکیاں اور تیسری عورت بیٹھی تھی۔ کچھ بچے بھی تھے۔ وہ سب انہیں دیکھ کر کھڑے ہوگئے۔

"لو بھئی شکیلہ....!" صولت مرزا نے چھوٹی لڑکی کو مخاطب کیا۔ "تمہیں ایک بہت ہی خوفناک آدمی ملاؤں۔"

تینوں مستفسرانہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھنے لگیں۔

"انسپکٹر احمد کمال فریدی۔" صولت مرزا نے کہا۔

"ارے....!" شکیلہ کے منہ سے بے اختیار نکلا اور صولت مرزا ہنسنے لگے۔

"تم سمجھتی تھیں بڑا خوفناک آدمی ہوگا؟ بیٹھو بھئی بیٹھو۔" اس نے فریدی کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "یہ شکیلہ ہے۔ یہ جمیلہ اور یہ عقیلہ!"

فریدی کی توجہ کا مرکز زیادہ تر منجھلی لڑکی جمیلہ بنی ہوئی تھی۔ اس وقت اس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ حد درجہ چڑچڑی ہے، ہونٹ سکڑے ہوئے تھے۔ دونوں ابروؤں کے درمیان ایک ابھری ہوئی شکن تھی جو اس کے تیکھے مزاج کی غمازی کر رہی تھی۔ ابروؤں میں ایک خاص قسم کا تناؤ تھا جس کا خوش مزاجی سے دور کا بھی لگاؤ نہیں معلوم ہوتا تھا.... لیکن.... فریدی سوچ میں پڑ گیا۔ پچھلی رات کو تو اس کے چہرے کے خطوط بڑے دلآویز معلوم ہو رہے تھے، سبک اور حسین ہونٹوں پر ایک عجیب قسم کی نشہ انگیز تھرتھراہٹ تھی۔ ماتھے پر وہ بدنما سلوٹ بھی نہیں تھی۔ ابروؤں میں تیکھے پن کا شائبہ بھی نہیں تھا۔

"تو یہ وہی کمال میاں ہیں، جو عزیز چچا کے ساتھ آیا کرتے تھے۔" بڑی لڑکی عقیلہ بولی۔

"مجھے افسوس ہے کہ بچپن کی بہتیری باتیں یاد نہیں رہ گئیں۔" فریدی نے کہا۔

"اس کی شکایت ہی نہیں۔ زمانہ ہی نہ جانے کہاں سے کہاں جا پہنچا۔" عقیلہ اس کی طرف چائے کی پیالی اور پیسٹریوں کی طشتری کھسکاتی ہوئی بولی۔ "جب تک عزیز چچا زندہ رہے برابر آنا جانا رہا اس کے بعد سلسلہ ہی ختم ہوگیا۔ اللہ بخشے عزیز چچا بھی بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے۔"

فریدی کا دم گھٹنے لگا۔ اسے گھریلو قسم کی باتوں سے اختلاج ہونے لگتا تھا۔

عقیلہ اپنی چھوٹی بہن کو مخاطب کر کے بولی۔ "اور سنو! عزیز چچا نے انہیں بارہ سال کی عمر میں انگلینڈ بھیج دیا تھا اور پھر دس سال تک ان کی شکل نہیں دیکھی۔ حکم تھا کہ ایم۔ اے پاس کرنے سے قبل ہندوستان نہیں آسکتے۔" پھر وہ فریدی سے پوچھنے لگی۔ "آخر تمہیں اس انسپکٹری میں کیا مزا ملتا ہے اول تو میرے خیال سے تمہیں ملازمت کی ضرورت ہی نہیں تھی اور اگر کرنی ہی تھی تو کسی بڑی جگہ پر گئے ہوتے اتنی تعریفیں تمہاری اخبارات میں چھپتی رہتی ہیں اور ابھی تک وہی انسپکٹر کے انسپکٹر۔"

فریدی ہنسنے لگا۔

"بات یہ نہیں۔" اس نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔ "میں دراصل اپنی ہی ضد کی وجہ سے اب تک انسپکٹر ہوں، بڑے عہدے حاصل کر لینے کے بعد کام کا موقع نہیں ملتا۔"

"بالکل وہی عزیز چچا کی سی باتیں۔" عقیلہ مسکرا کر بولی اور صولت مرزا کی طرف دیکھنے لگی۔

"ٹھیک ہے وہ حضرت بھی آئے دن ایک نئے خبط میں مبتلا رہتے تھے۔ کبھی جنوبی امریکہ

تشریف لے جارہے ہیں۔ ربڑ کی کاشت کی تربیت حاصل کرنے کے لئے اور کبھی مصر اور وجہ پوچھو تو مسکرا کر کہیں گے کیوں نہ ایک بار اہرام مصر کی زیارت کرلی جائے۔ اچھا بھئی اب تم لوگ بیٹھو میں تو چلا۔"

صولت مرزا چلا گیا۔ فریدی بار بار جمیلہ کی طرف دیکھ لیتا تھا جو ان باتوں میں کوئی دلچسپی نہیں لے رہی تھی۔ البتہ شکیلہ اسے کبھی کبھی پر اشتیاق انداز میں دیکھنے لگی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بھی اس سے گفتگو کرنے کے لئے بے چین ہے۔

تھوڑی دیر کے لئے خاموشی چھاگئی۔ جمیلہ کچھ اکتائی سی نظر آرہی تھی۔ آخر وہ اٹھ کر چلی ہی گئی۔

"تمہارے زخموں کا اب کیا حال ہے۔" عقیلہ نے پوچھا۔ "مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ تم ہو۔ ابا جان کو اتنا ہوش ہی نہیں تھا کہ وہ کچھ بتاتے۔ آخر تم یدھ راج نگر ہی کی طرف کیوں چلے گئے تھے۔ نوکروں نے شاید تمہارے آدمیوں سے سنا تھا کہ تم اس شیطانی کتے کا پتہ لگانے گئے تھے۔"

"بات تو یہی تھی۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"تو تم اسی طرح اپنی جان ہتھیلی پر لئے پھرتے ہو۔"

"ویسے میں بڑا ڈرپوک آدمی ہوں لیکن ایسی باتوں کا پتہ لگانے کو دل چاہتا ہے۔" فریدی نے سگار نکالتے ہوئے کہا۔ "اگر میں یہاں سگار پیوں تو کوئی ہرج تو نہیں۔"

"بھلا اس میں ہرج کی کیا بات۔" عقیلہ شکیلہ کی طرف دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرائی۔

"شکریہ۔" فریدی سگار کا کونہ توڑ کر اسے ہونٹوں میں دباتا ہوا بولا۔ وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر یک بیک کہنے لگا۔ "جمیلہ صاحبہ نے سچ مچ رات مجھے ڈرا دیا تھا۔ بہر حال میں اس مذاق سے دیر تک محظوظ ہوتا رہا۔"

"مذاق۔" دفعتاً عقیلہ کے چہرے پر اداسی کی گہری تہیں جم گئیں۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ "مذاق نہیں تھا۔"

"مذاق نہیں تھا۔" فریدی کے لہجے میں مصنوعی حیرت تھی۔

"مذاق نہیں تھا۔" عقیلہ دھیرے سے بولی۔ "یہ ہماری ایک پرانی بدنصیبی ہے اس پر گیارہ سال کی عمر سے اس قسم کے دورے پڑتے ہیں۔"

"دورے....!"

"ہاں دورے.... وہ اپنے ہوش میں نہیں ہوتی تھی۔ لیکن اب تو یہ حال ہے کہ قصبے کے ایک ایک فرد کو اس کی اطلاع ہوگئی ہے۔"

"یہ دورے پڑتے کس طرح سے ہیں۔" فریدی نے پرخیال انداز میں پوچھا۔

"بس سوتے سوتے اٹھ بیٹھتی ہے اور اس قسم کی باتیں کرنے لگتی ہے جیسی تم پچھلی رات سن چکے ہو۔"

"اور انہیں اپنی پچھلی زندگی بالکل یاد نہیں رہتی۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں.... وہ سب کچھ بھول جاتی ہے۔ ہم سے کہتی ہے کہ تم نے مجھے کیوں قید کر رکھا ہے۔"

"اور پھر وہ اسی حالت میں دوبارہ سوئے بغیر ہوش میں نہ آتی ہوں گی۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں؟ کیا تم اس مرض کے بارے میں کچھ جانتے ہو۔"

"یونہی تھوڑا بہت! علاج کس قسم کا ہوتا رہا۔"

"سب کچھ کرتے تھک گئے ہیں۔ ملک کے نامور ڈاکٹروں سے مشورے لئے گئے۔ لیکن سب ہی اس بات پر متفق ہیں کہ جب تک مرض کی وجہ نہ معلوم ہو مرض لاعلاج ہے۔ بھلا بتاؤ، ہم اس کی وجہ کیا جانیں۔"

"ہوں....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "یہ ایک ذہنی مرض ہے وہ یا تو خود بخود جائے گا یا پھر.... کیا ان کی شادی ہوگئی ہے۔"

"نہیں.... اور یہی ہماری سب سے بڑی بدنصیبی ہے۔ یہ بات سارے اعزہ میں مشہور ہوگئی ہے کہ جمیلہ پر جن آتے ہیں۔ لہٰذا کہیں سے بات ہی نہیں آتی۔"

"مجھے آپ لوگوں سے ہمدردی ہے۔" فریدی متاسفانہ انداز میں بولا۔ "کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ وہ کس قسم کی کتابیں پڑھتی ہیں۔"

"انگریزی کی موٹی موٹی کتابیں۔ مجھے تو انگریزی آتی نہیں۔ اس نے ایف اے تک پڑھا ہے۔ وہ دن بھر لائبریری میں گھسی رہتی ہے۔ اس وقت بھی وہیں کسی موٹی سی کتاب میں ڈوبی ہوئی ہوگی۔"

فریدی کچھ کہنے ہی جارہا تھا کہ عقیلہ کا دس سالہ لڑکا جاوید بگل بجاتا ہوا گھس آیا۔

"جاوید یہ کیا بد تمیزی ہے۔" عقیلہ نے اسے ڈانٹا۔

"ممی....!" ہم مارچ کر رہے ہیں۔ لفٹ رائٹ.... لفٹ رائٹ۔ لفٹ رائٹ وہ زمین پر پیر مارنے لگا۔

"شکیلہ ذرا پکڑ.... اس سور کو۔"

جاوید بگل بجاتا ہوا باہر گیا۔

"ممی.... ہم بھی بگل لیں گے۔" ایک پانچ سالہ بچی اس پر لد کر ٹھنکنے لگی۔

"غصہ ور اتنی ہے کہ ابا جان بھی اس سے دبتے ہیں۔" عقیلہ رازدارانہ انداز میں بولی۔

"ورنہ ڈاکٹروں نے اسے پڑھنے لکھنے کے لئے منع کر رکھا ہے وہ کسی کی سنتی ہی نہیں۔"

"ممی ہم بھی بگل لیں گے۔" لڑکی پھر منمنائی۔

"کھا جاؤ تم لوگ مجھے۔" عقیلہ جھلا کر بولی۔ "چلو ادھر ہٹو.... لڑکیاں بگل نہیں بجاتیں۔ جاوید تو کبھی گڑیوں کے لئے ضد نہیں کرتا۔ ہاں تو۔" وہ پھر فریدی کی طرف مخاطب ہو گئی۔ "مگر بڑی حیرت کی بات ہے کہ نہ تو اُسے ہوش کی حالت میں دورے کی باتیں یاد رہتی ہیں اور نہ دورے میں ہوش کی حالت کی باتیں۔"

"ممی بگل....!"

"شکیلہ اسے لے جاؤ.... ورنہ پیٹ کر رکھ دوں گی۔" عقیلہ نے بچی کو پرے دھکیلتے ہوئے کہا اور پھر فریدی سے بولی۔ "میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کا کیا حشر ہو گا۔ دورے کی حالت میں ایسی ایسی باتیں ابا جان کو کہتی ہے کہ تم ظالم رومنوں کے غلام ہو۔ مجھے آزاد کر دو۔ ورنہ تمہارے محل کی اینٹ سے اینٹ بج جائے گی۔ مصری حکومت تمہیں اپنے شکاری کتوں سے نچوا ڈالیں گے۔"

فریدی سوچ رہا تھا کہ اس جھکی عورت سے کس طرح پیچھا چھڑائے۔ اس کی باتیں کسی کام کی نہیں معلوم ہوتی تھیں۔ ایک کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری.... جو باتیں اس نے کرنی چاہی تھیں ان کی طرف سے اس نے لاعلمی ظاہر کی تھی۔ لہٰذا اب غیر متعلق باتوں میں الجھ کر وہ وقت برباد کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے رات ہی کو سوچ لیا تھا آج بھی یدھ راج گڑھی کا ایک آدھ چکر ضرور لگائے گا۔ وہ اس کتے کا راز معلوم کرنے کے لئے بُری طرح بے چین تھا کہ کسی

طرح نکل بھاگے۔ اچانک صولت مرزا کی آواز سنائی دی۔

"آؤ بھئی فریدی تمہیں ایک دلچسپ آدمی سے ملاؤں۔"

صولت مرزا دروازے میں کھڑا عقیلہ کو گھور رہا تھا۔ فریدی اٹھ کر اس کے قریب آیا اور پھر دونوں نشست کے کمرے میں چلے گئے۔

حکیم ارسلانوس

ڈرائنگ روم میں اسے ایک قطعی غیر دلچسپ آدمی دکھائی دیا، جو ایک صوفے پر اکڑوں بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ بھورے رنگ کی گھونگھریالی داڑھی اور سر پر بالوں کا ایک بے ہنگم سا گچھا تھا۔ وہ بھی کچھ اس قسم کا کہ بھوکی گائیں اسے خشک گھاس سمجھ کر بے خیالی میں اس پر ایک آدھ بار منہ ضرور مار سکتی تھیں۔ ان کی آہٹ پر وہ چونکا اور نیم باز آنکھوں سے دیکھ کر پھر اونگھنے لگا۔ لیکن اس کی یہ حالت دیر تک قائم نہ رہی۔ جیسے ہی وہ صوفے کے قریب پہنچے وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"میاں صولت اب پانی سر سے اونچا ہو گیا ہے وہ یار ذرا دیکھو تو بن صاحب کا لونڈا مجھے چونچ دکھاتا ہے۔ قسم ہے اللہ کی نہ جانے کیا سمجھ کر چھوڑ دیتا ہوں اور جو بن صاحب سے شکایت کیجئے تو وہ بھاڑ سا منہ کھول کر کہہ دیتے ہیں کہ بچہ ہے.... ہو گا بچہ وچہ۔ میاں جس دن غصہ آ گیا زمین و آسمان کے قلابے ملا کر رکھ دوں گا۔"

"ضرور ضرور بھائی صاحب۔" صولت مرزا سنجیدگی سے بولا۔ "ان سے ملئے یہ ہیں اپنے نواب عزیز الدین خاں کے صاحبزادے احمد کمال فریدی اور آپ حکیم ارسلانوس.... بڑے پائے کے حکیم ہیں۔"

"اماں وہی عزیز الدین خان نا جنہوں نے راجہ سانگر کے پاگل ہاتھی کو گولی مار دی تھی۔" اس نے پوچھا۔

"وہی وہی!"

"اچھا تو آؤ میاں بیٹھو۔" وہ ایک طرف سرکتا ہوا بولا۔ "یہ تمہارے سر پر پٹی کیسی بندھی ہوئی ہے۔"

"چوٹ آ گئی ہے۔" فریدی نے سعادت مندی سے کہا اور اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ صولت مرزا دوسرے صوفے پر ٹک گیا۔

"کیا لگایا ہے۔"

"معلوم نہیں۔ میری بے ہوشی کی حالت میں ڈاکٹر نے بینڈیج کی تھی۔"

"بینڈیج کیا؟"

"یعنی کہ پٹی باندھی تھی۔"

"تو گویا انگریزی میں پٹی باندھی۔" اس نے ایک ٹھٹھناتا ہوا قہقہہ لگایا۔

"ارے میاں گومی باندھ گومی۔ ایک دن میں زخم بھر جائیں گے۔"

"گومی کیا۔"

"ہاہا..... پوچھتے ہیں۔ گومی کیا۔ بھئی صولت تمہیں بتاؤ گومی کیا چیز ہے۔"

"بھلا میں کیا جانوں۔" صولت مرزا مسکرا کر بولا۔

"چلو تم بھی یونہی نکلے۔ ارے میاں گومی ایک بوٹی ہے جس کی ہر چار پتیوں کے اوپر سبز رنگ کی ایک گیند ہوتی ہے۔ اس میں بے شمار سوراخ سے سفید رنگ کا ایک پھول نکلتا ہے۔ ابھی چلو میں تمہیں یہ بوٹی پہنچوادوں۔ سونے کے بھاؤ بکنے والی بوٹی ہے۔ کیا سمجھے۔"

وہ اور نہ جانے کیا کیا کہتا رہا۔ دفعتاً فریدی کی نظر پشت کی طرف اٹھ گئی۔ عقیلہ کا لڑکا ہاتھ میں بگل لئے کھڑا تھا۔ اس نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر فریدی کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ صولت مرزا بھی آڑ میں تھے۔ جاوید آہستہ آہستہ اپنا بگل حکیم ارسلانوس کے کان کے قریب لایا اور پھر زور کی پھونک ماری وہ چیخ کر اچھل پڑا۔ لیکن قبل اس کے کہ وہ پلٹتا جاوید کمرے سے جا چکا تھا۔ صولت مرزا بھی گڑبڑا کر کھڑا ہو گیا۔ اسکے چہرے پر سنجیدگی سے لپٹی ہوئی شرمندگی کے آثار تھے۔ حکیم ارسلانوس صوفے سے جست لگا کر فرش پر آیا اور صولت مرزا کو مکا دکھا کر کہنے لگا۔

"میں سب سمجھتا ہوں۔ یہ عقیلہ کے لونڈے کی شرارت ہے۔ میں نے اس کے ہاتھ میں بگل دیکھا تھا۔ خیر سمجھ لوں گا۔"

"ارے بھائی صاحب آپ ہی نے تو لڑکوں کو سر چڑھا رکھا ہے۔" مرزا نے پر شکایت لہجے میں کہا۔

"اماں تو لڑکوں کو لڑکا ہی رہنا چاہئے۔ دادا نہ بن جانا چاہئے۔ خیر خیر دیکھ لوں گا۔"

"ارے تو چلئے کہیں بیٹھئے نا۔" صولت مرزا نے کہا۔

"جی نہیں۔ میں الو نہیں ہوں۔ مرنے کے بعد میری قدر معلوم ہوگی۔ میاں یونان میں پیدا ہوا ہوتا تو لوگ میرے بت بنا کر پوجتے۔"

مرزا روکتا ہی رہا۔ لیکن ارسلانوس اٹھ کر چلا گیا۔

"آپ نے کیا نام بتایا تھا ان کا۔" فریدی نے پوچھا۔ صولت مرزا ہنسنے لگا۔

"نام تو محمد حسین ہے لیکن یہ خود کو حکیم ارسلانوس کہلواتے ہیں۔" صولت مرزا نے کہا۔ "یونانی علوم کے مطالعے نے ان کا دماغ الٹ دیا۔ خاص طور پر فلسفہ ان کا پسندیدہ مضمون رہا ہے۔ تھیلو سے لے کر ارسطو تک شاید ہی کوئی ایسا فلسفی ہو جس کے کارناموں کا انہوں نے عمیق مطالعہ نہ کیا ہو۔ کلبیوں نے انہیں خاص طور پر متاثر کیا ہے۔"

فریدی کے ماتھے پر سلوٹیں ابھر آئیں۔

"آپ کی لائبریری بھی بڑی شاندار ہوگی۔" اس نے کہا۔ "اکثر والد صاحب کی زبانی اس کا تذکرہ سن چکا ہوں۔"

"شاندار کیا۔ ہاں کتابیں کافی ہیں۔ میں نے عرصے سے ادھر کا رخ بھی نہیں کیا۔ نہ جانے یہ کیا بات ہے کہ اب پڑھنے پڑھانے میں دل ہی نہیں لگتا۔ صرف جمیلہ فرصت کے لمحات میں زیادہ تر وہیں گھسی رہتی ہیں۔"

"آپ نے انہیں کسی سائیکو انیلسٹ کو نہیں دکھایا۔" فریدی نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔ صولت مرزا بے اختیار چونک پڑا۔

"ابھی اندر یہی بات ہو رہی تھی۔" فریدی نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "وہ دراصل پچھلی رات کو دورے کی حالت میں ہمارے کمرے میں آ گئی تھیں۔ اس گفتگو سے قبل میں یہ سمجھتا رہا کہ شاید انہوں نے مذاق کیا تھا۔"

"اب کیا بتاؤں۔" صولت مرزا مضمحل آواز میں بولا۔ "اس کی فکر مجھے گھن کی طرح کھائے جا رہی ہے۔ پہلے تو خیر دورے ہی پڑتے تھے مگر .... ادھر کئی دنوں سے .... اب کیا بتاؤں۔ میرے علاوہ شاید ابھی گھر کا کوئی اور فرد نہیں جانتا۔"

ابھی بات یہیں تک پہنچی تھی کہ باہر کچھ شور سنائی دیا۔ بگل کی پے در پے آوازوں کے ساتھ ہی کسی بچے کی چیخیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ یہ دونوں گھبرا کر برآمدے میں نکل آئے۔ ارسلانوس جاوید کو اپنی گرفت میں جکڑ کر اس کے کان سے بگل لگائے پھونکوں پر پھونکیں مار رہا تھا۔ بمشکل تمام انہوں نے اسے چھڑایا اور صولت مرزا نے جاوید کو بھرپور چانٹا رسید کیا۔ وہ روتا ہوا اندر بھاگ گیا۔

"آپ بھی بچوں کے ساتھ بچے بن جاتے ہیں۔" صولت مرزا کے لہجے میں جھنجھلاہٹ تھی۔

"تمہارا یہ چانٹا میری گال پر پڑا ہے۔ اسے یاد رکھنا۔" ارسلانوس سرد لہجے میں بولا۔

"آپ کے گال پر" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "مگر نواب صاحب نے بچے کو مارا ہے۔"

"غصہ تو مجھ پر آیا تھا۔" ارسلانوس بولا۔ "لہٰذا وہ تھپڑ دراصل میرے ہی گال پر پڑا ہے۔"

صولت مرزا اندر چلا گیا۔ ارسلانوس کے گرد فریدی کے دوست اکٹھا ہو گئے تھے۔ ان میں سے خصوصاً سرجنٹ حمید ارسلانوس کو بڑی توجہ اور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

"کیوں صاحب کیا میں تماشہ ہوں۔" ارسلانوس انہیں مخاطب کر کے بولا۔

"جی ہاں!" حمید سنجیدگی سے بولا۔ "اور میں یہ سوچ رہا ہوں کہ اس تماشے کے پیسے کون وصول کرے گا۔"

"کیا بکواس ہے۔" ارسلانوس بھنا کر بولا۔ "قسم ہے اللہ کی.... اگر اس قصبے کے ہوتے تو ناطقہ بند کر دیتا۔"

"حمید کیا بیہودگی ہے۔" فریدی نے اسے ڈانٹا۔ پھر حکیم ارسلانوس کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ "حکیم صاحب! میں آپ کے رتبے سے واقف ہوں۔ ملک میں کوئی آپ کی ٹکر کا نہیں۔ میں دل سے آپ کی قدر کرتا ہوں۔"

"واللہ تم مومن ہو۔" ارسلانوس پرجوش انداز میں اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔

"اور میرے لئے کیا ارشاد ہوتا ہے جناب۔" حمید آگے بڑھ کر بولا۔

"دجال۔"

"تو بس ایمان لے آیئے مجھ پر" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "ورنہ آرے سے چروا کر دوبارہ زندہ کر دوں گا۔"

"قسم ہے اللہ کی بھیجا پھاڑ دوں گا۔" ارسلانوس اس کی طرف لپکا۔ لیکن فریدی بیچ میں آ گیا۔

"جانے بھی دیجئے حکیم صاحب.... بچوں کو معاف کر دیتے ہیں۔"

"یہ بچہ ہے! اگر بچہ ہے تو اپنی ماں کا دودھ پی کر دکھائے۔" ارسلانوس گرجا۔

"ابے او بقلندوس.... زبان سنبھال کے۔" حمید بھی آگے بڑھا۔

"بقلندوس....!" اس نے بچوں کی طرح قہقہہ لگا کر کہا۔ "جاہل کہیں کے۔ یونان میں کوئی بڑا آدمی بقلندوس نام کا نہیں گزرا۔ تم بھول رہے ہو۔ شاید تمہاری مراد جالینوس سے ہے۔"

"حمید....!" فریدی نے اُسے پھر ڈانٹا اور حمید نے خاموشی اختیار کر لی۔

فریدی اسے ادھر اُدھر کی باتوں میں لگا کر پھاٹک تک چھوڑ آیا اور ارسلانوس اسے اپنے گھر آنے کی دعوت دے کر رخصت ہو گیا۔

"یہ کون جنگلی تھا۔" حمید نے فریدی سے پوچھا۔

"ایک خبطی۔" فریدی نے کہا اور اس کے متعلق اسے جو کچھ معلوم تھا بتا دیا۔

"آدمی اس قابل ہے کہ اسے دلچسپی کا مشغلہ بنایا جا سکے۔" حمید نے کہا۔

اتنے میں اشرف وغیرہ بھی آ گئے اور فریدی پر اسی وقت یہاں سے روانہ ہو جانے پر زور ڈالنے لگے۔ لیکن فریدی کچھ اور سوچ رہا تھا۔ وہ پچھلی رات کو یوں ہی بلا مقصد خطرے میں نہیں پڑا تھا۔ اس نے فی الحال یہ کہہ کر انہیں خاموش کر دیا کہ وہ صولت مرزا سے مشورہ لئے بغیر کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ وہ ان کا مہمان خصوصی تھا۔

یہ بحث ہو رہی تھی کہ ایک نوکر نے آ کر فریدی سے کہا۔

"سرکار آپ کو لائبریری میں یاد کر رہے ہیں۔"

فریدی حمید کو رکنے کا اشارہ کر کے اس کے ساتھ چلا گیا۔ صولت مرزا کی ادھوری بات رہ رہ کر ذہن میں چبھ رہی تھی۔ وہ کون سی بات تھی جس کے متعلق اس کے علاوہ گھر کے کسی فرد کو علم نہیں تھا۔

لائبریری میں اسے جمیلہ بھی دکھائی دی جو ایک گوشے میں کھلی کھڑکی کے قریب باپ کی طرف پشت کئے بیٹھی تھی۔ یہ ایک کافی طویل و عریض کمرہ تھا۔ چاروں طرف بڑی بڑی الماریاں تھیں، جن میں کتابیں چنی ہوئی تھیں۔ درمیان میں ایک بڑی میز تھی جس کے گرد گدے دار

کرسیاں تھیں۔ اس کے علاوہ بھی چھوٹی چھوٹی میزیں اور تھیں۔ بہر حال وہ سارا فرنیچر موجود تو جو کسی جدید طرز کے ریڈنگ روم کے لئے ضروری ہو سکتا ہے۔ فریدی کی آہٹ پر جمیلہ چونک کر مڑی اور اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے چہرے کا تیکھا پن کچھ اور واضح ہو گیا تھا۔ فریدی اسے کنکھیوں سے دیکھتا ہوا صولت مرزا کی طرف متوجہ ہو گیا، جو ایک صوفے پر نیم دراز کسی کتاب پر گرد پوش چڑھا رہا تھا۔

جمیلہ نے ہاتھ میں دبی ہوئی کتاب الماری میں رکھ دی اور باہر چلی گئی۔ فریدی نے وہ جگہ نوٹ کی جہاں کتاب رکھی گئی تھی اور ادھر ادھر دیکھ کر بولا۔

"واقعی شاندار ہے۔ اگر اجازت ہو تو میں ایک نظر ڈال لوں۔"

"ضرور بھئی ضرور۔" صولت مرزا اٹھتا ہوا بولا۔

فریدی ایک ایک الماری کا جائزہ لیتا ہوا اس الماری کے قریب آیا جس میں جمیلہ نے کتاب رکھی تھی۔ اس دوران میں صولت مرزا اسے جمیلہ کے متعلق بتا رہا تھا۔ فریدی نے وہ کتاب الماری سے نکالی اور ورق گردانی کرنے لگا۔ دفعتاً اس کے ہونٹوں پر ایک عجیب قسم کی مسکراہٹ پھیل گئی۔ صولت مرزا کہہ رہا تھا۔ "اب ایک بالکل ہی نئی بات ہونے لگی ہے جس کا مطلب میری سمجھ میں نہیں آتا۔ سخت الجھن میں ہوں کہ تم اس طرح غیر متوقع طور پر ادھر آنکلے۔"

فریدی میز پر کتاب رکھ کر استفہامیہ انداز میں صولت مرزا کی طرف دیکھنے لگا۔

"ممکن ہے کہ تم نے پچھلی رات کو اندازہ لگایا ہو کہ وہ زیادہ تر قدیم یونان روم اور مصر کی باتیں کرتی ہے۔"

"قطعی اور میں اسی کے متعلق سوچتا بھی رہا ہوں۔ اس وقت وہ مسئلہ بھی حل ہو گیا۔"

"کیا....!" صولت مرزا نے پر اشتیاق لہجے میں پوچھا۔

"جو کچھ وہ دن بھر پڑھتی ہیں وہی دورے کی حالت میں ان کی زبان پر ہوتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"ٹھیک ہے وہ زیادہ تر روم.... یونان اور مصر کی قدیم تاریخ کا مطالعہ کرتی ہے، لیکن دوسری بات....!"

صولت مرزا دفعتاً خاموش ہو گیا۔ اس کے چہرے پر شدید الجھن کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔

ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ کہنا چاہتا ہے۔ اس کیلئے یا تو مناسب الفاظ تلاش کر رہا ہے یا پھر کہنے ہی میں اسے تامل ہے۔ فریدی میز کے کونے پر ٹک کر پر خیال انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"بھئی کسی طرح کہوں زبان نہیں کھلتی۔" صولت مرزا نے خود سے اکتا کر کہا۔

"اگر کوئی اہم بات ہے تو ضرور بتایئے۔ وہ مجھ تک ہی محدود رہے گی۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"اہم سے بھی زیادہ ہے۔ لیکن تم مجھے کیا سمجھو گے۔"

فریدی پھر اسے عجیب نظروں سے دیکھنے لگا۔ دراصل اشتیاق کے ساتھ ہی ساتھ اکتاہٹ بھی اس کے ذہن کے کسی گوشے سے ابھر رہی تھی۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" اس نے کہا۔

"بھئی اگر تم رات کو اپنے یہاں کچھ اجنبیوں کو دیکھو اور ان کا کچھ بنا بگاڑ نہ سکو تو لوگ تمہیں کیا کہیں گے۔" صولت مرزا نے بے ڈھنگے پن کے ساتھ کہا۔

"بیمار یا بزدل....!" فریدی مسکرا کر بولا۔

"لیکن.... لیکن.... جن حالات میں مجھے اس قسم کا اتفاق ہوا ہے....!"

"آپ کو....!"

"ابھی تک ہم سب اسے ایک ذہنی بیماری ہی سمجھتے رہے ہیں۔" صولت مرزا کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "مگر ادھر کچھ دنوں سے....!" وہ پھر کہتے کہتے رک گیا اور فریدی کو ایک بار پھر جھنجھلاہٹ کو دبا کر چہرے پر نرمی کے آثار پیدا کرنے پڑے۔

"میں اپنے گھر میں کئی راتوں سے کچھ اجنبیوں کو دیکھ رہا ہوں۔" صولت مرزا نے گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن وہ اس دنیا کے آدمی نہیں معلوم ہوتے۔"

"کیا مطلب....!" فریدی چونک کر بولا۔

"وہ اسی دنیا اور اسی زمانے کے آدمی معلوم ہوتے ہیں جس کا تذکرہ جمیلہ دورے کی حالت میں کرتی ہے۔"

فریدی متحیرانہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا اور صولت مرزا بولتا رہا۔ "ان کا لباس یونان یا روم کے قدیم سپاہیوں کا سا ہوتا ہے۔ سروں پر لوہے کے چمکدار خود ہاتھوں میں نیزے اور مستطیل ڈھالیں گردن سے کمر تک زرہیں۔ ٹخنوں سے گھٹنوں تک کسے ہوئے سیاہ سینڈلوں کے تسمے۔"

فریدی نے بے خیالی میں وہ سگار کھڑکی کے باہر پھینک دیا جو ابھی سلگایا تھا۔

"آپ نے انہیں پکڑنے کی کوشش نہیں کی؟" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"اسی قسم کے سوالات کے خوف سے میں نے اس کا تذکرہ کسی سے نہیں کیا۔" صولت مرزا نے کہا۔ "انہیں دیکھ کر خون رگوں میں منجمد سا ہوتا معلوم ہونے لگتا ہے۔ یہ میں اپنے ذاتی تجربے کی بناء پر کہہ رہا ہوں۔ میں انہیں تین بار دیکھ چکا ہوں ان کے چہروں کے گرد ایک عجیب قسم کی روشنی ہوتی ہے۔ آنکھیں اپنے حلقوں میں جمی جمی سی معلوم ہوتی ہیں اور سب سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ وہ اسی وقت دکھائی دیتے ہیں جب جمیلہ پر دورہ پڑتا ہے۔"

"تو پھر وہ کل رات کو بھی دکھائی دیئے ہوں گے۔" فریدی نے پوچھا۔

"میں کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ کل رات مجھے ہوش نہیں تھا۔"

"تو کیا وہ جمیلہ کے پاس آتے ہیں۔"

"ہاں! جمیلہ ان سے اس طرح گفتگو کرتی ہے جیسے وہ انہیں جانتی ہو۔"

"کس قسم کی گفتگو۔"

"وہی اوٹ پٹانگ جو تم نے پچھلی رات کو سنی ہوں گی۔ یعنی مجھے یہاں سے رہائی دلاؤ۔ زفورس کی فوجیں اب کہاں لڑ رہی ہیں اسے جلد میرے پاس پہنچنا چاہئے۔ وغیرہ وغیرہ۔"

"وہ کیا کہتے ہیں۔" فریدی نے بے چینی سے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ ان کے صرف ہونٹ ہلتے ہیں۔ آوازیں نہیں نکلتیں، ہاتھوں کے اشارے کرتے ہیں۔ جمیلہ کو سارے گھر میں ٹہلاتے پھرتے ہیں۔ کبھی پائیں باغ میں جاتے ہیں اور کبھی جانوروں کے اصطبل کی طرف.... ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ کوئی چیز تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ میں چھپ چھپ کر انکا پیچھا کرتا رہتا ہوں، لیکن نہ تو اس کی ہمت پڑتی ہے کہ نوکروں کو جگاؤں اور نہ یہی کر سکتا ہوں کہ انہیں للکاروں۔"

"آپ کے چوکیداروں نے تو انہیں دیکھا ہی ہوگا۔" فریدی نے پوچھا۔

"میرے یہاں کبھی کوئی چوکیدار نہیں رہا۔ نہ میں کتے پالتا ہوں اور نہ چوکیدار رکھتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ نہ تو میرے یہاں چوری ہو سکتی ہے اور نہ ڈاکہ پڑ سکتا ہے۔"

"ان لوگوں کا جمیلہ کے ساتھ کیا رویہ ہے۔"

"وہی جو غلاموں کا مالک کے ساتھ ہو سکتا ہے۔" صولت نے کہا۔ "وہ اسے دیکھ کر تعظیماً جھکتے ہیں۔ اپنے نیزوں کی انیاں زمین پر ٹیک دیتے ہیں۔ پھر وہ انہیں جھنجھوڑتی ہے۔ ان سے اپنے سوالات کا جواب چاہتی ہے لیکن وہ بت بنے کھڑے رہتے ہیں۔ البتہ ان کے ہونٹ ہلتے ہیں اور جمیلہ پاگلوں کے انداز میں کہتی ہے کہ وہ ان کی آواز کیوں نہیں سن سکتی۔ کیا وہ بہری ہو گئی ہے۔"

"تو آپ نے انہیں بولتے نہیں سنا۔"

"نہیں....!"

"اور وہ انداز سے کسی چیز کی تلاش میں سرگرداں معلوم ہوتے ہیں؟"

"ہاں....!" صولت مرزا نے جواب دیا۔

"وہ کیا چیز ہو سکتی ہے۔" فریدی نے پر خیال انداز میں کہا۔

"بھلا میں کیا جانوں۔"

"خیر.... بہر حال.... آپ نے اس سے کیا نتیجہ اخذ کیا ہے۔"

"بھئی کیا بتاؤں۔ کچھ کہتے سنتے نہیں بن پڑتی۔ اب سے کچھ دن قبل میں اسے ذہنی بیماری سمجھتا تھا لیکن اب...." صولت مرزا خاموش ہو گیا۔ چند لمحے بعد وہ فریدی کو غور سے دیکھتا ہوا بولا۔ "مگر اب یہ سمجھنے پر مجبور ہوں کہ یہ واقعی کوئی آسیبی خلل ہے۔"

"شاید آپ ان رومیوں یا یونانیوں کی بناء پر کہہ رہے ہوں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"کیوں؟ کیا تمہاری رائے اس سے مختلف ہے۔"

"ابھی میں نے کوئی رائے قائم ہی نہیں کی۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔

"لیکن مجھے اس قسم کے بھوتوں اور پریتوں کا بارہا تجربہ ہو چکا ہے اور میری نظروں میں ان کی کوئی اہمیت نہیں رہ گئی۔ مثلاً ایک تو وہی آپ کا روایتی کتا۔ اگر اچانک دیوار نہ گر پڑی ہوتی تو۔"

دوسری ملاقات

شام بڑی خوشگوار تھی۔ دن بھر کی تیز دھوپ کے بعد شفق کی چھاؤں زندگی افروز معلوم ہو رہی تھی۔ مطلع صاف تھا۔ اگر گڑھوں اور تالابوں میں کیچڑ اور پانی نہ ہوتا تو یہ کہنا دشوار تھا کہ

ایک دن قبل اعتدال سے زیادہ بارش ہو چکی ہے۔ فریدی کے سارے دوست اور نوکر جا چکے تھے۔ حمید نے بھی واپس جانے کے لئے بڑا زور مارا تھا لیکن فریدی کے آگے ایک نہ چلی۔ اسے عجیب غریب کتے کے متعلق معلومات بہم پہنچانے کا اشتیاق ضرور تھا لیکن وہ خواہ مخواہ خطرے میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ دوسرے لوگوں سے چھان بین کے بعد اسے یقین ہو گیا تھا کہ وہ اس دنیا کی چیز نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ جو آواز صدہا سال سے سنی جا رہی ہو اس کے لئے سر مارنا حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس سے پہلے بھی سینکڑوں جوان مردوں نے اس راز سے پردہ اٹھانے کی کوشش کی ہو گی۔ خود نواب صولت مرزا سے اسے معلوم ہوا تھا کہ ایک بار چند انگریز اس منارے پر چڑھے تھے اور انہوں نے کافی دنوں تک ادھر اُدھر ہاتھ پیر بھی مارے لیکن کوئی قاعدے کی بات نہ معلوم ہو سکی اور پھر مینار کا دروازہ ہی بند کر دیا گیا۔ چونکہ اس گڑھی کو تاریخی اہمیت حاصل تھی اس لئے اکثر آثار قدیمہ سے دلچسپی رکھنے والے اسے دیکھنے کے لئے آتے رہتے تھے اور ایک بار تو اس کی کھدائی بھی ہوئی تھی۔

حمید کرتا بھی کیا۔ ہاتھ پیر مارنے کے علاوہ کر بھی کیا سکتا تھا اور اس کا انجام بھی خود اس کے ہاتھوں میں نہیں تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ فریدی اپنا اطمینان کئے بغیر یہاں سے نہیں جا سکتا۔ اس وقت وہ دونوں کوٹھی کے عقبی پارک میں بیٹھے شفق میں تحلیل ہوتی ہوئی سرخیوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ حمید کو حیرت ہو رہی تھی کہ صولت مرزا اس قصبے میں رہ کر کس طرح اعلیٰ معیار کی زندگی بسر کر رہا ہے، اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ انگلینڈ کے کسی بڑے آدمی کے خانگی پارک میں بیٹھا ہو۔ یہاں لان پر کئی جگہ قد آدم مجسمے نصب تھے۔ فن میں زیادہ تر یونان و روم کی قدیم سنگ تراشی کے نمونے تھے۔ جنہیں موجودہ دور کے اچھے فنکاروں نے تراشا تھا۔

"صولت مرزا کو بھی شاید مردہ تہذیبوں سے بڑی دلچسپی ہے۔" فریدی نے کہا۔

غالباً وہ دونوں بیک وقت ایک ہی بات سوچ رہے تھے۔

"ہوں....!" حمید نے پر خیال انداز میں گردن ہلائی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ بڑی دیر سے خود کو پوز کر رہا تھا۔ ورنہ خصوصیت سے آج کے دن اسے فریدی کی نُقاری باتیں زہر لگ رہی تھیں۔

"اب اگر اس سلسلے میں اس کی بیٹی کا دماغ الٹ جائے تو یہ تعجب کی بات نہیں۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا اور پھر حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہوگا.... ہوگا.... مجھے کیا؟" حمید بیزاری سے بولا۔

"اسے ہزاروں سال کے مردے چلتے پھرتے دکھائی دیتے ہیں۔"

"اس پورے قصبے ہی پر خدائی مار نظر آتی ہے۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ آج وہ مردے ہمیں بھی دکھائی دیں۔"

"کیا مطلب....!" حمید چونک کر بولا۔

"مُردے.... نہیں سمجھے! میم رے پیش مردال یے زیر دے مُردے۔" فریدی اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر جھکتا ہوا بولا۔

حمید اسے حیرت زدہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"تم نے اکثر تواریخ کی کتابوں میں قدیم زمانے کے رومن یا یونانی سپاہیوں کی تصویریں دیکھی ہوں گی ہو سکتا ہے کہ آج تم انہیں گوشت و پوست میں دیکھو۔"

"یعنی....!"

"کیا تمہیں یاد نہیں۔" فریدی اپنی جیب میں سگار ٹٹولتا ہوا بولا۔ "کل رات کو وہ اپنے سپاہیوں کا تذکرہ کر رہی تھی۔" حمید کے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میرا خیال ہے کہ آپ پر بھی جن آنے والے ہیں۔" حمید نے کہا۔ "وہ اپنے ہوش میں کب تھی۔"

"تو میں کب کہتا ہوں کہ وہ ہوش میں تھی۔" فریدی نے ہنس کر کہا اور پھر اس نے وہ ساری باتیں دہرا دیں، جو اس کے اور صولت مرزا کے درمیان ہوئی تھیں۔

"تو یوں کہئے نا کہ اس بار آملیٹ ہی بن جائے گا اپنا۔" حمید نے اپنے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔ "لیکن اس بیچارے کتے کا کیا ہو گا جو صدہا سال سے آپ کی یاد میں گریہ زاری کر رہا ہے۔"

"اسے دیکھیں گے۔" فریدی بولا۔

"اچھا جناب اب مجھے تو بخش ہی دیجئے۔ میری ہڈیاں کافی ملائم ہیں اور گوشت بھی کچھ ایسا سخت نہیں۔ اگر کہیں اس بار یہ حویلی ٹوٹ پڑی تو میرے کپڑے دھوبی ہی کے یہاں پڑے رہ جائیں گے۔"

"فکر مت کرو۔" فریدی سنجیدگی سے بولا۔ "میں انہیں منگوا کر محتاجوں کو تقسیم کرا دوں گا۔"

"اور میرا سارا قرض بھی آپ ہی ادا کردیں گے۔"

"چلو یہ بھی منظور۔"

"اچھا تو ایک استدعا اور ہے۔"

"فرمایئے۔" فریدی نے ہونٹ بھینچ کر کہا۔

"آج کی رات مجھے جی بھر کے سولینے دیجئے۔"

"مرنے سے پہلے سونے کی خواہش غور طلب ہے۔"

"میں پاگل ہو جاؤں گا۔"

"بعض لوگ مرنے سے قبل عموماً ہو جایا کرتے ہیں۔ ایسی کوئی تشویش ناک بات نہیں۔ خیر دیکھا جائے گا۔" حمید نے کہا اور کھڑا ہو گیا۔ اسی کے ساتھ فریدی بھی اٹھا۔

"ہمیں آج رات کو بہر حال جاگنا ہے۔" اس نے کہا۔

"ہمیں نہیں مجھے کہئے۔" حمید دانت پیس کر بولا۔ "دیکھتا ہوں کہ مجھے دنیا کی کون سی طاقت سونے سے روکتی ہے۔"

"وہی طاقت جس نے کل رات کو مجھے تمہارے کمرے میں آرام کرسی پر سلادیا تھا۔"

"شاید آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں اس لڑکی سے ڈر گیا ہوں۔ لڑکی.... ہونہہ۔"

"نہیں بھئی! تم تو یونہی میرا دل خوش کر رہے تھے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "خیر.... چلتے رہو۔ چلو حکیم ارسلانوس سے ملتے آئیں۔"

"کون وہی خبطی.... خیر چلئے۔ تھوڑی کوفت ہی دور ہو گی۔"

وہ دونوں ارسلانوس کے بتائے ہوئے پتے پر روانہ ہو گئے۔

اور پھر جب قصبے والوں نے ارسلانوس کے مکان کے سامنے دو اجنبیوں کو دیکھا تو انہیں بڑی حیرت ہوئی۔ کیونکہ ان کی نظروں میں ارسلانوس ایسا آدمی نہیں تھا جس سے ماڈرن اور اپٹوڈیٹ قسم کے لوگ دلچسپی لے سکیں گے۔

فریدی اور حمید ایک قدیم طرز کی عمارت کے سامنے کھڑے تھے جس میں ایک کافی بلند صدر دروازہ تھا اور دروازے کے اوپر بنے ہوئے سائبان میں ابابیلوں کے گھونسلے لٹک رہے تھے جن میں شور مچاتی ہوئی ابابیلیں گھس رہی تھیں۔ شام کی ہلکی نیلگوں سیاہی میں یہ عمارت کچھ

پراسرار سی معلوم ہو رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ایک آدمی باہر نکلا، جو غالباً ارسلانوس کا نوکر تھا۔ اس کی آنکھیں کچھ چندھیائی ہوئی سی لگ رہی تھی۔ حمید کو نہ جانے کیوں ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی چمگادڑ اجالے میں ہنکادی گئی ہو۔

اس نے انہیں اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔

اندر گھستے ہی ابابیلوں کے بیٹ کی بدبو نے ان کا دماغ خراب کر دیا۔ وہ ناکوں پر رومال رکھے دہلیز سے گزر کر صحن میں نکل آئے۔ صحن کافی وسیع تھا اور صحن کے گرد بنے ہوئے چبوتروں پر چاروں طرف بڑے بڑے کابک رکھے ہوئے تھے جن سے کبوتروں کی غٹر غوں غٹر غوں کی آوازیں نکل رہی تھیں۔ کچھ کبوتر ابھی تک اوپر ہی بیٹھے اونگھ رہے تھے اور کچھ اپنے پر پھڑپھڑاتے ہوئے خانوں میں گھس رہے تھے۔ کچھ دیواروں پر تھے جنہیں ایک نوکر طرح طرح کی آوازیں نکال کر نیچے بلا رہا تھا۔

فریدی اور حمید کے ساتھ والے نوکر نے داہنی طرف کے دالان کی سمت اشارہ کیا جس کے اندر دھندلی دھندلی سی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

ارسلانوس ان کے خیر مقدم کے لئے باہر نکل آیا تھا۔ اس نے ہلکے نارنجی رنگ کا ٹخنوں تک لمبا کرتا پہن رکھا تھا۔ پیروں پر بڑے بڑے بالوں والی لومڑیوں کی کھال کے جوتے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس نے بڑے بڑے بالوں کے ڈھیر میں اپنے پیر گاڑ رکھے ہوں۔ اس وقت اس کے سر کے بالوں کا گلدستہ اوپر اٹھے ہونے کے بجائے چاروں طرف پھیل گیا تھا۔

"آؤ یار آؤ.... میں تو سمجھتا تھا کہ تم نہیں آؤ گے۔" حکیم ارسلانوس نے مسکرا کر کہا۔

"کیوں؟ یہ آپ کیوں سمجھتے تھے۔" فریدی نے کہا۔

"بھئی بات یہ ہے کہ میرے پاس دکھاوے کا ٹھاٹھ باٹ نہیں ہے۔"

"تو آپ مجھے اتنا تنگ نظر سمجھتے ہیں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"نہیں نہیں... تمہارا باپ بھی بڑا عالی ظرف تھا۔" ارسلانوس نے کہا اور حمید کو گھورنے لگا۔

"یہ میرے عزیز ترین دوست مسٹر حمید ہیں۔"

"عزیز ترین! بھلا تم جیسے سنجیدہ آدمیوں کے ساتھ نالائقوں کا کیا کام۔"

حمید نے بھنا کر فریدی کا شانہ دبوچ لیا۔

وہ انہیں دالان میں لے آیا۔ یہاں کئی بڑے بڑے پلنگ پڑے ہوئے تھے جن میں سے کچھ پر کتابوں کے ڈھیر نظر آ رہے تھے۔ ایک طرف پیتل کا ایک بڑا سا سماور رکھا ہوا تھا۔

وہ دونوں ایک پلنگ پر بیٹھ گئے اور ارسلانوس سماور کے قریب کھڑا ہو گیا۔

"میں تمہیں ویسی ہی چائے پلاؤں گا جیسی میں خود پیتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"کیسی چائے پیتے ہیں آپ؟" حمید نے بے تکلفانہ انداز میں پوچھا۔

"بغیر دودھ کی۔"

"اور چائے کی پتیوں کے بجائے لکھنو کا خمیرہ استعمال کرتے ہیں۔" حمید نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"دیکھا تم نے۔" حکیم ارسلانوس نے فریدی سے پر شکایت لہجے میں کہا۔

"تم حکیم صاحب کے رتبے سے واقف نہیں۔" فریدی نے حمید سے کہا۔ "اپنے الفاظ واپس لو۔"

اس نے حمید کو اشارہ کیا اور حمید کو الجھن ہونے لگی کہ آخر اس خبطی میں دلچسپی لینے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔

"میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔" اس نے بے دلی سے کہا۔

"اخلاق کا تقاضا یہی ہونا چاہئے۔" حکیم ارسلانوس نے سنجیدگی سے کہا۔

اور حمید یہ محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا کہ وہ اس وقت ایک انتہائی پراسرار آدمی سے ہم کلام ہے کیونکہ اس نے اسے آج ہی ایسی حالت میں بھی دیکھا تھا جسے بعض سنجیدہ قسم کے بچے بھی برداشت نہیں کر سکتے۔

"مگر کچھ لوگوں کو دوسروں کو دکھ پہنچا کر ہی لذت حاصل ہوتی ہے۔" ارسلانوس نے پھر کہا۔ "انسانی زندگی کی منزل کے حصول میں لذت ضرور ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ ہمیں یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ ہم دوسروں کو حصول لذت سے محروم تو نہیں کر رہے ہیں۔"

"آپ درست کہہ رہے ہیں۔" فریدی جلدی سے بولا۔

"تمہیں فلسفے سے دلچسپی ہے۔"

"بہت زیادہ۔" فریدی نے جواب دیا۔ وہ بڑے غور سے اس کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔

"آب توریت کے متعلق کیا خیال ہے۔" ارسلانوس نے کہا اور جھک کر چائے دانی میں سماور

سے گرم پانی ڈالنے لگا۔

"آب توریت....!" فریدی نے ہچکچاہٹ کے ساتھ کہا۔ "بات دراصل یہ ہے کہ میں نے فلسفہ انگریزی میں پڑھا ہے۔"

"ویمقراطیس کا نام سنا ہے۔"

"کیوں نہیں۔"

"وہ آب توریت کا امام سمجھا جاتا ہے۔"

"اوہ تو شاید آب توریت سے ایپکیورنیزم (Epicureanism) مراد ہے۔ ٹھیک ہے اس کے متعلق میرا وہی خیال ہے جو اوروں کا ہے۔"

"یعنی....!"

"یعنی کہ فلسفہ ہم جیسے آدمیوں کے بس کا روگ نہیں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ وہ دراصل کسی فلسفیانہ بحث میں پھنس کر وقت برباد نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ یہاں ایک خاص مقصد کے تحت آیا تھا۔

"ایسا نہ کہو.... ہم سب کسی نہ کسی فلسفے کے تحت زندگی بسر کرتے ہیں۔" حکیم ارسلانوس نے کہا۔

"ہو گا.... لیکن میں فلسفے کو حاصل حیات نہیں سمجھتا۔"

"کیوں....!"

"کیونکہ ان معاملات کے باوجود بھی فلسفہ....!" فریدی کے چہرے پر مایوسی تھی۔ "ہماری معلومات تشنہ رہ جاتی ہیں۔"

"مثلاً....!" حکیم ارسلانوس پیالیوں میں چائے انڈیلتا ہوا بولا۔

"مثلاً ایک بہت معمولی سی بات۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "یدھ راج گڑھی میں رونے والا کتا۔"

"لاحول ولا قوۃ....!" حکیم ارسلانوس منہ سکوڑ کر بولا۔ "فلسفے کو ان لغویات سے کوئی سروکار نہیں۔"

"لیکن یہ لغویات بھی اسی دنیا میں جنم لیتی ہیں۔" فریدی نے سگار کیس اس کی طرف

بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اور اس کا تعلق بھی ہماری زندگی سے ہے۔"

حکیم ارسلانوس نے ایک سگار لے کر ہونٹوں میں دبالیا۔ فریدی اور حمید نے چائے کی پیالیاں اٹھالیں، بغیر دودھ کی تلخ چائے تھی۔ اس میں شکر بھی خفیف ہی سی ڈالی گئی تھی۔ حمید نے گھونٹ لیتے وقت بُرا سامنہ بنایا۔ بہر حال وہ اسے زہر مار کرنی ہی تھی۔

"ہم آخر انہیں اس کائنات کے اجزاء کے کس خانے میں فٹ کریں گے۔" فریدی چائے کی چسکی لے کر ارسلانوس کا سگار سلگاتا ہوا بولا۔ پہلے ہی کش پر اسے بری طرح کھانسی آگئی۔

"لاحول ولا قوۃ۔" ارسلانوس نے کھانستے ہوئے بُرا سامنہ بنایا اور سگار کو صحن میں پھینک دیا۔

فریدی اپنا سگار سلگا کر اس کی طرف جواب طلب نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

"میں نے اپنی زندگی میں کئی بار وہ آواز سنی ہے لیکن میں نے کبھی اس کے متعلق سوچا ہی نہیں۔" ارسلانوس نے کہا۔

"اب میں آپ کی دل سے قدر کرتا ہوں۔" حمید نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "اور اس صورت میں آپ کی پوجا کروں گا اگر آپ فریدی صاحب کو بھی اپنا ہی جیسا بنا دیں۔"

"کیا مطلب....!" ارسلانوس نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"یہ کل رات کو اسی چکر میں میری جان گنوا چکے ہوتے۔"

ارسلانوس فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"یہ ٹھیک ہے! میں اسے سمجھنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

ارسلانوس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"نہ جانے کتنے اس حسرت میں مرگئے۔" وہ آہستہ سے بولا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" فریدی نے کہا۔

"اس چکر میں مت پڑو۔ اپنے بزرگوں سے سنتا آرہا ہوں کہ وہ اکبر اعظم کے زمانے سے چ ہا ہے۔"

"اوہ....!"

"تم شاید اس گڑھی کی تاریخ سے ناواقف ہو۔"

"قطعی! میں اس کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔"

"یدھ راج اکبر کی فوج کا ایک سردار تھا۔ اکبر نے اس کی خدمات کے صلے میں اس کو یہاں کی جاگیر عطا کردی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ بے پناہ دولت کا مالک تھا اور ملک کے کئی بڑے بڑے راجے اور مہاراجے بھی اتنے مال دار نہیں تھے۔ جسے ہم آج گڑھی کے نام سے یاد کرتے ہیں، یہ ایک بہت بڑا اور ناقابل تسخیر قلعہ تھا۔ ایک رات رانا پرتاب سنگھ کی فوجوں نے ندی پار کر کے قلعے پر شبخون مارا۔ شاید قلعہ دار پہلے دشمنوں سے مل گیا تھا۔ رانا کی فوج نے قلعے کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور ساری دولت لوٹ لی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ تبھی سے اکثر برساتوں میں وہاں کتے کے رونے کی آواز سنائی دیتی ہے اور ندی میں باڑھ آجاتی ہے۔ یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ اب تک سینکڑوں آدمی اس کا راز جاننے کی کوشش میں جانوں سے ہاتھ دھو چکے ہیں۔"

"کیا اس کے راز سے کوئی اور چیز بھی وابستہ ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

حکیم ارسلانوس چونک کر اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھنے لگا۔

"یہ مجھے معلوم نہیں۔" اس نے توقف کے بعد کہا۔ "لیکن میں تمہیں اس چکر میں نہ پڑنے کی رائے دوں گا۔"

"خیر چھوڑیئے۔" فریدی نے اپنی پیالی ختم کر کے ایک طرف کھسکاتے ہوئے کہا۔ "ہاں ایک دلچسپ چیز میں نے نوٹ کی ہے۔"

"وہ کیا....!"

"یہی کہ اس قصبے کے بعض لوگ یونان پر بُری طرح عاشق ہیں۔"

"یعنی....!"

"ایک تو آپ ہی یونانی علوم پر عاشق ہیں۔ صولت مرزا کو یونانی بتوں سے عشق ہے اور ان کی لڑکی۔ وہ تو خود ہی اب سے ہزار برس یا اس سے بھی زیادہ قبل کی تہذیب کی ایک نمائندہ بن جاتی ہے۔"

ارسلانوس بے تحاشہ ہنسنے لگا۔

"وہ لڑکی مکار ہے۔ اپنی دادی کی طرح صولت مرزا کی ماں بھی کچھ دنوں تک اسی قسم کے ڈرامے کھیلتی رہی تھی۔ محض اس لئے کہ گھر والے اس سے خائف رہیں۔ وہ دوسروں پر چھائی رہے اور اب یہ چوہیا جمیلہ وہی کھڑاک پھیلا رہی ہے۔"

"مگر صولت مرزا تو کہتے ہیں کہ بچپن ہی سے اس کی یہ حالت ہے۔"

"میاں تم کیا جانو! اس نے سب کچھ اپنی دادی سے سیکھا ہے۔ مجھ سے پوچھو میں بھی اسی خاندان کا ایک فرد ہوں۔ میرے اور ان کے آباؤ اجداد ایک ہی تھے۔"

"اوہ! اچھا صولت مرزا کے متعلق کیا خیال ہے۔"

"میں عموماً ایسے موقعوں پر اپنے خیالات ظاہر کرنے سے گریز کرتا ہوں۔"

"کیسے موقعوں پر۔"

"کوئی اور بات کرو۔" حکیم ارسلانوس اکتا کر بولا۔ "نہ وہ لوگ میرے لئے کوئی اچھی رائے رکھتے ہیں اور نہ میں ان کے لئے۔"

"کیا عقیلہ بھی نہیں! وہ تو کافی سمجھ دار عورت ہیں۔ وہ یقیناً آپ کی کافی عزت کرتی ہوں گی۔"

"اوہ سمجھا! شاید تم کوئی سمجھوتہ کرانے آئے ہو۔" ارسلانوس ماتھے پر بل ڈال کر بولا۔ "یہ ناممکن ہے.... یہ ناممکن ہے۔"

"بھلا سمجھوتہ کیسا....!" فریدی نے تحیر آمیز انداز میں کہا۔

"تم جانتے ہو عقیلہ میری کون ہے۔"

"نہیں۔"

"میری بہو ہے۔ ان لوگوں نے میرے بیٹے کو زہر دے کر مار ڈالا۔ انہوں نے ہمیں ہمیشہ ذلت کی نظروں سے دیکھا ہے۔"

"زہر دے کے....!"

"ہاں عقیلہ بجائے خود ایک زہر ہے۔ اس کی حرکتوں کی بناء پر میرا اکلوتا بیٹا ٹی۔ بی کا شکار ہو کر مر گیا۔"

"اوہ وہ بچے! کیا عقیلہ کی دوسری شادی ہو گئی۔"

"نہیں! وہ میرے لڑکے کی اولاد ہیں۔"

وہ مردے

حکیم ارسلانوس سے واپسی کے وقت فریدی بہت خاموش تھا۔

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ لڑکا جس کے کان میں بگل بجا رہا تھا اس کا پوتا تھا۔" حمید نے کہا۔

فریدی نے پر خیال انداز میں چلتے چلتے رک کر کہا۔ "ہاں اور اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ صولت مرزا وغیرہ نے ہی اسے بچوں اور بزرگوں کا فرق نہیں سمجھایا۔"

"خیر اس سے کوئی بحث نہیں۔" حمید نے کہا۔ "مجھے تو وہ خبطی بھی بھوت ہی معلوم ہوتا ہے۔"

"آخر تمہارے سر پر بھوت کیوں سوار ہیں۔" فریدی نے جھلا کر کہا اور سگار سلگا کر پھر چل پڑا۔ حمید خاموش رہا۔ اس کی طبیعت کافی بیزار ہو چکی تھی۔ شاید اس کی زندگی میں پہلا موقع تھا کہ وہ خوبصورت لڑکیوں کا قرب حاصل ہونے کے باوجود بھی اس پر پژمردگی چھائی ہوئی تھی۔ جب بھی اسے جمیلہ کا سُتا ہوا چہرہ اور وحشت زدہ آنکھیں یاد آتیں تو اس کے سارے جسم میں سنسناہٹ دوڑ جاتی اور پھر جب وہ شکیلہ کے متعلق کچھ سوچنے کی کوشش کرتا تو خود بخود اس کی طبیعت میں جھلاہٹ پیدا ہو جاتی۔ وہ بے چین تھا کہ کسی طرح یہاں سے نکل بھاگے۔ کبھی کبھی اسے خود پر بھی غصہ آنے لگتا۔ اس نے فریدی کے ساتھ بڑے بڑے معرکے سر کئے تھے اور وہ ان سے اکتایا بھی تھا۔ مگر اس بار کی اکتاہٹ بالکل مختلف تھی اور پھر جب وہ اُسے اپنی بزدلی پر محمول کرنے لگتا تو وہ یہ بھی سوچنے پر مجبور ہو جاتا کہ اس کے جسم سے کافی خون نکل چکا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ کمزوری اسی بناء پر پیدا ہوئی ہو اور آہستہ آہستہ دور ہو جائے۔ لیکن اس دل بہلاوے کے باوجود بھی وہ خبیث ارواح کا خوف اپنے ذہن سے نہیں نکال سکا تھا۔

اسی رات کو کھانے کی میز پر صولت مرزا کے خاندان والوں کے ساتھ حمید بھی موجود تھا۔ جمیلہ کے علاوہ اور سب لوگ گفتگو میں حصہ لے رہے تھے۔ اس نے کھانے کے دوران میں ایک دوبار صرف باورچی سے بات کی تھی۔ وہ بھی کھانے کی اچھائی یا برائی کے متعلق۔ نہ تو گھر والوں ہی نے اسے کسی بات پر مخاطب کیا اور نہ اسی نے کسی سے کوئی بات کرنا ضروری سمجھا۔ گھر والوں کے اس رویئے سے لاپروائی کے بجائے کچھ دبا دبا سا خوف ظاہر ہو رہا تھا۔

حمید نے اسے پچھلی رات کے بعد سے اب دیکھا تھا۔ وہ فریدی کے بیان کے مطابق صرف ایک چڑچڑے مزاج کی لڑکی معلوم ہو رہی تھی اور بس۔ اس وقت اس کے چہرے پر وہ رومان انگیز تاثرات نہیں تھے جو پچھلی رات کو دکھائی دیئے تھے۔

شکیلہ فریدی کو بتا رہی تھی کہ اس نے اس کے کن کیسوں کے تراشے اکٹھا کئے ہیں اور انہیں

کس طرح ایک البم کی شکل میں ترتیب دیا ہے اور اب اس پر فریدی کے آٹوگراف لینا چاہتی ہے۔

صولت مرزا گفتگو میں، حصہ ضرور لے رہا تھا لیکن اس کا ذہن کسی اور طرف معلوم ہوتا تھا۔ اکثر وہ کوئی بات کہتے کہتے اچانک رک کر کچھ سوچنے لگتا۔

کھانا ختم کرنے کے بعد وہ دوسرے کمرے میں آبیٹھے۔ لیکن اب جمیلہ ان کے ساتھ نہیں تھی۔ تھوڑی دیر بعد کافی کا دور شروع ہوگیا۔ عقیلہ نے بچوں کو سونے کے لئے بھیج دیا تھا۔ اس لئے ایک اکتا دینے والے ہنگامے سے نجات مل گئی تھی۔ اس دوران میں کہیں اتفاق سے صولت مرزا نے لطیفہ چھیڑ دیا۔ پھر کیا تھا۔ حمید نے جواباً اتنے لطیفے سنائے کہ تھوڑی دیر بعد وہ سب ہنسنے میں بھی کاہلی محسوس کرنے لگے۔ خصوصاً شکیلہ تو ہنستے ہنستے بے دم ہوگئی تھی۔

اور پھر جب فریدی نے یدھ راج گڑھ کی بات چھیڑی تو حمید کو بے تحاشہ غصہ آگیا۔ چونکہ عقیلہ اور شکیلہ کے لئے یہ موضوع بہت پرانا ہوچکا تھا اس لئے وہ جلد ہی اٹھ گئیں اور حمید کے ذہن پر ایک خواب ناک سی کاہلی مسلط ہوگئی۔

فریدی صولت مرزا سے ان لوگوں کے متعلق گفتگو کر رہا تھا جنہوں نے کتے کی آواز کے متعلق معلومات بہم پہنچانے کے لئے جدوجہد کی تھی۔

”بھئی تم نہیں جانتے۔“ صولت مرزا رازدارانہ انداز میں بولا۔ ”اس سے ایک دوسرا خبط بھی وابستہ ہے۔“

”کیا....؟“

”کسی پُر اسرار خزانے کی تلاش۔“ صولت مرزا نے کہا۔ ”اور یہ خزانے والی بات بھی میرے ہی خاندان والوں کی زبانی باہر تک پہنچی ہے۔“

”وہ کس طرح....!“ فریدی سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

”بڑی لمبی داستان ہے لیکن میں اختصار کے ساتھ بتانے کی کوشش کروں گا۔ ہم سے پہلے یہ جاگیر یدھ راج نامی ایک سردار کے پاس تھی لیکن یہ آج کی بات نہیں۔ اکبر اعظم کے دور کی بات ہے۔“

اور پھر صولت مرزا نے یدھ راج اور یدھ راج گڑھی کے متعلق وہی کچھ بتایا جو ارسلانوس نے بتایا تھا۔

”پھر عہد جہانگیری میں یہ جاگیر ہمارے خاندان میں منتقل کردی گئی۔ ہم تک کیسے پہنچی یہ نہ

پوچھو تو بہتر ہے۔“

”اگر کوئی خاص نقصان نہ ہو تو یہ بھی بتا دیجئے۔“ فریدی نے کہا۔

”بھئی بات ذرا مضحکہ خیز ہے۔“ صولت مرزا مسکرا کر بولا۔ ”اور پھر تمہارے ساتھ ایک ایسے صاحب موجود ہیں جو لطیفہ گو بھی ہیں۔ اگر انہوں نے....“

”یقین کیجئے کہ میں بڑا شریف بچہ ہوں۔“ حمید نے سنجیدگی سے کہا اور صولت مرزا ہنسنے لگا۔

”بھئی بادشاہوں کی باتیں بھی بڑی عجیب ہوا کرتی تھیں۔ بات بات پر انعامات اور قتل کے فرمان چلا کرتے تھے۔ مغل بادشاہوں میں خصوصیت سے جہانگیر ان باتوں کے لئے بہت مشہور ہے۔ قتل تو خیر اس نے کم ہی کرائے ہوں گے لیکن انعامات بہت تقسیم کئے ہیں اور وہ بھی ذرا ذرا سی باتوں پر۔ میرے ایک مورث اعلیٰ جہانگیری فوج میں ایک معمولی سپاہی تھے ایک بار بادشاہ دلی سے آگرہ جا رہے تھے۔ تھوڑی فوج بھی ساتھ تھی۔ اس میں میرے مورث اعلیٰ بھی تھے۔ خیال تھا کہ رات کو کہیں پر پڑاؤ ضرور ہوگا۔ لیکن جہانگیر عالم خوشی میں چلا ہی جا رہا تھا۔ لوگ دن کے سفر سے تنگ آگئے تھے کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کیا جائے اتنے میں کسی سردار نے کہا کہ آج کم بخت اُلو بھی نہیں بولتے۔ یہ ایک بوڑھا سردار تھا اور اکثر جہانگیر کی جوانی کے زمانے میں اس کی خدمت میں رہ چکا تھا۔ اس نے بتایا کہ اگر جہانگیر رات کے سفر میں اُلو کی آواز سن لیتا تو فوراً ہی قیام کا حکم جاری کرا دیتا تھا۔ ہمارے مورث اعلیٰ نے جب یہ بات سنی تو وہ اُلو کی بولی بولنے پر تیار ہوگئے۔ کام بڑا خطرناک تھا۔ یہ بات صرف اس سردار اور دو سپاہیوں تک محدود تھی۔ قافلہ آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ وہ حضرت آگے بڑھ گئے اور ایک درخت پر چڑھ کر اُلو کی طرح آوازیں نکالنا شروع کردیں۔ اُلو کی آواز سنتے ہی جہانگیر نے قیام کا حکم دے دیا۔ قصہ مختصر یہ کہ اسی رات کو کسی نے بادشاہ تک خبر پہنچا دی کہ اُلو مصنوعی تھا۔ جہانگیر نشے میں تھا۔ اس پر اسے غصہ آنے کی بجائے ہنسی آگئی۔ مورث اعلیٰ صاحب طلب کئے گئے اس نے ہنس کر انہیں بوم الدولہ اور منحوس الملک جیسے خطابات سے نوازا اور یدھ راج نگر کی جاگیر عطا کردی۔

صولت مرزا خاموش ہوگیا اور ہنسنے لگا۔

”اس طرح میں اپنے خاندان کا آٹھواں اُلو ہوں۔“ اس نے کہا اور مسکرا کر حمید کی طرف دیکھنے لگا جو مضحکہ خیز حد تک سنجیدہ ہوگیا تھا۔

"اور وہ خزانے کی بات۔" فریدی نے پوچھا۔

"جاگیر کے ساتھ ہی ساتھ وہ قلعہ بھی ہاتھ آیا جو یدھ راج گڑھی کے نام سے مشہور ہے
ظاہر ہے کہ وہ اس وقت خراب حالات میں نہ رہا ہوگا۔ یدھ راج ایک دولت مند آدمی تھا۔ ا
نے ایک بڑا شاندار تخت بنوایا تھا جس کا تذکرہ اکثر پرانی کتابوں میں ملتا ہے اور وہ اس وقت تخ
عقرب کے نام سے مشہور تھا۔ اس کی شکل ایک بہت بڑے بچھو کی تھی اور وہ خالص سونے کا ت
بے شمار جواہرات اس میں جڑے گئے تھے۔ اس نے وہ تخت اکبر اعظم کی خدمت میں پیش کر
کے لئے بنوایا تھا۔ رانا کے آدمی اس کی تاک میں تھے۔ ایک رات انہوں نے گڑھی پر شب خو
مارا اور یدھ راج کو قتل کر کے اس کی ساری دولت سمیٹ لے گئے۔ لیکن سنا جاتا ہے کہ وہ تخ
ان کے ہاتھ نہیں لگا اور وہ اب بھی گڑھی ہی میں کہیں پوشیدہ ہے۔ خود میری خاندانی روایت بھ
یہی ظاہر کرتی ہے۔ میرے اسلاف میں سے بھی بہتیرے اس کی جستجو کر چکے ہیں۔ لیکن کس
کامیابی نہیں ہوئی اور خیر میں اسے بالکل ہی لغو خیال کرتا ہوں۔ اپنے خاندان میں میں ہی ا
ہوں جس نے کبھی اس کی طرف دھیان ہی نہیں دیا۔"

فریدی خاموشی سے سن رہا تھا۔ صولت مرزا کے آخری جملے پر وہ خفیف سا مسکرایا اور جیب
سے سگار نکال کر اس کا کونہ توڑنے لگا اور حمید سوچ رہا تھا کہ حکیم ارسلانوس نے اس تخت کا تذ
نہیں کیا تھا۔ ممکن ہے کہ اسے اس کا علم ہی نہ ہو لیکن پھر بھی وہ.... صولت مرزا سے پوچھ
بیٹھا۔

"حکیم ارسلانوس صاحب بھی اس سے واقف ہی ہوں گے۔"

"ہو سکتا ہے۔" صولت مرزا نے کہا۔ "واقف تو قریب قریب سبھی ہیں لیکن یقین بہت
لوگ رکھتے ہیں۔"

"ٹھیک یاد آیا۔" فریدی بولا۔ "یہ حکیم صاحب واقعی بڑے دلچسپ آدمی ہیں۔ شام کو
لوگ ان کے گھر گئے تھے۔ لیکن وہ بہت قاعدے سے ملے یہاں تو انہیں بالکل ہی مخبوط الحوا
سمجھا تھا۔"

"جھکی آدمی ہیں۔ کبھی قاعدے کی باتیں کرتے ہیں اور کبھی دماغ بالکل الٹ جاتا ہے۔"
صولت مرزا نے کہا۔

"کیا وہ آپ کے کوئی عزیز ہیں۔"

"ہاں بھئی قریبی ہیں۔ عقیلہ کی شادی ان کے لڑکے کے ساتھ ہوئی تھی۔"

"تو کیا وہ بچہ ان کا پوتا ہے جسے وہ آج پریشان کر رہے تھے۔"

"بس یہی دیکھو! تم نے شاید ہی کسی دادا پوتے سے یا پوتے کو دادا سے اس قدر بے تکلف دیکھا
ہو۔ جاوید کو انہوں نے اس قدر سر چڑھا رکھا ہے کہ خدا کی پناہ! سارے بچے انہیں کے بگاڑے
ہوئے ہیں۔"

"بہر حال وہ ایک بہت ہی پُراسرار آدمی ہیں۔" فریدی نے کہا اور حمید کو وہاں سے چلے
جانے کا اشارہ کر کے سگار سلگانے لگا۔

حمید اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا آیا جہاں پچھلی رات وہ سویا تھا۔ اس نے شب خوابی کا لباس
پہنا اور قندیل بجھا کر لیٹ گیا۔ نیند بُری طرح مسلط تھی لیکن فریدی کے اس رویے نے اسے
الجھن میں ڈال دیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر فریدی نے اسے وہاں سے ہٹا کیوں دیا۔ کیا کوئی ایسی
اہم بات بھی ہو سکتی ہے جسے فریدی صرف اپنی ذات تک محدود رکھنا چاہتا ہے۔ کہیں وہ خزانہ تو
نہیں جس کا تذکرہ صولت مرزا نے کیا تھا۔ مگر وہ فریدی کی طبیعت سے واقف تھا۔ فریدی جس
نے دولت کی کبھی پرواہ نہیں کی۔ کیا وہ ایک روائتی خزانے کے متعلق اسے اندھیرے میں رکھنا
چاہتا ہے۔ حمید کا ذہن اس بات کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ پھر کیا بات ہو سکتی ہے۔ چند
لمحے بعد اس کے خیالات کی رو جمیلہ کی طرف بہک گئی اور اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے
رونگٹے کھڑے ہو رہے ہوں۔ لیکن پھر اسے اپنی بزدلی پر ہنسی آگئی۔ پاگل سہی.... ہے تو عورت
ہی اور وہ بھی گھریلو قسم کی۔ عورت نہ ہو، ہنٹر والی ہو سکتی ہے اور نہ چشمے والی پھر آخر خوف کی
وجہ، ہو سکتا ہے کہ اس پر سچ مچ ہسٹیریا قسم کا کوئی دورہ پڑتا ہو اور اگر نہ بھی پڑتا ہو تو اس کی ایسی
تیسی، ایسی تیسی، ایسی تیسی.... اور پھر اس کا ذہن "ایسی تیسی" کی گردان کرتا ہوا نیند کی تاریک
دلدل میں ڈوب گیا۔

جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ سمجھا کہ شاید کسی ڈراؤنے خواب نے اسے جگا دیا ہے لیکن پھر ایسا
محسوس ہوا جیسے کوئی اُسے جگا رہا ہو۔

"شش! میں ہوں۔" اسے اندھیرے میں فریدی کی سرگوشی سنائی دی۔

"کیابات ہے۔" حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"آہستہ بولو۔ اس پر دورہ پڑ گیا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"لاحول ولا قوۃ....!" حمید دوبارہ لیٹتا ہوا بولا۔ "اور شاید اب اس کے بھوت آہستہ آہستہ آپ کی طرف منتقل ہو رہے ہیں۔ ناخن کے عقل.... عق عق.... ل.... کے ناخن لیجئے۔"

"عقل کے بچے۔ چپ چاپ اٹھ جاؤ۔" فریدی نے اسے کھینچ کر اٹھا لیا۔

"میں حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخنا شروع کر دوں گا۔" حمید بھنا کر بولا۔

"تمہارے حلق سے آواز ہی نہ نکل پائے گی۔" فریدی نے اس کی گردن پکڑ لی۔

"ارے ارے۔" حمید پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔

"چپ چاپ چلے آؤ۔"

"خدا نے مجھے آدمی بنا کر سخت ظلم کیا ہے۔" حمید بھنبھناتا ہوا چپل کی تلاش کرنے لگا۔

"جلدی کرو۔"

اور پھر وہ دونوں آہستہ سے برآمدے میں آ گئے چاروں طرف تاریکی اور سناٹے کا راج تھا۔ حمید فریدی کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ وہ جھاڑیوں اور مہندی کی باڑوں کی آڑ لیتا ہوا عقبی پارک کی طرف بڑھ رہا تھا۔ پارک میں روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ بعد میں حمید نے دیکھا کہ وہ ایک مشعل کی روشنی تھی۔ جمیلہ اپنے ہاتھوں میں مشعل اٹھائے اور بایاں ہاتھ سینے پر رکھے بتوں کے درمیان کھڑی تھی۔ وہ دونوں ڈائنا کے بت کے قرب وجوار میں اگی ہوئی مالتی کی جھاڑیوں میں چھپ گئے۔ اس وقت جمیلہ سچ مچ اب سے ہزاروں برس پہلے کی عورت معلوم ہو رہی تھی۔ ٹخنوں تک لپٹا ہوا ڈھیلا لبادہ اس وقت جدید طرز کا سلیپنگ گاؤن نہیں معلوم ہوتا تھا۔ بال پشت پر بکھرے ہوئے تھے اور ایک سرکش سی لٹ چہرے کے سامنے لہرا رہی تھی اور مشعل کی سرخ روشنی میں اس کا چہرہ انگارے کی طرح مہک رہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چل کر ایک بت کے سامنے آئی اور اس کے چہرے کے برابر مشعل لے جا کر کہنے لگی۔

"تم کبھی نہیں بولو گے! کاش تمہارے پتھریلے جسم کے اندر خون کا ایک قطرہ بھی ہوتا۔ میں کب سے تمہاری راہ دیکھ رہی ہوں۔ زفورس کیا میں اسی طرح تڑپ تڑپ کر مر جاؤں۔ خیر اگر تم یہی چاہتے ہو تو اس جسم کو بھی مٹی کے کیڑے کھا جائیں گے اور ہڈیوں کا پنجر بھی ایک دن

خاک ہو جائے گا۔ بولو زفورس کیا تمہیں وہ شام یاد نہیں جب ہم نیل کے شفاف پانی پر اپنے طلائی بجرے میں سیر کر رہے تھے اور ہم نے مغرب کی طرف سرخ دھوئیں کے بادل دیکھے تھے اور تم نے کہا تھا کہ بادلوں کی دیوی قربانی چاہتی ہے۔ پھر ہم دوسرے دن سفر پر روانہ ہو گئے تھے۔ بادلوں کی دیوی کا مندر جو دودھ کی طرح شفاف اور اجلا ہے وہ ہمیشہ ایسا ہی رہے گا۔ تم نے سب کچھ بھلا دیا؟ تم نے اصیل مرغ قربان کرتے وقت کہا تھا کہ تم زندگی بھر میرے ساتھ رہو گے۔ تم سب کچھ بھول گئے۔ زفورس تمہیں قسم ہے۔ اس قصر زمردین کی جہاں سب سے بڑے معبود کے غلام رہتے ہیں۔ جہاں فضاؤں میں طلائی ابابیلیں پرواز کرتی ہیں۔ سب سے بڑے معبود کے مرکب مقدس نیولے کی قسم مجھے تو سب کچھ یاد ہے جیسے وہ کل ہی کی بات ہو۔ عود عنبر کے دھوئیں کے پیچھے لو دیتا ہوا چہرہ یاد ہے۔ بادلوں کی نسیم تن دیوی کا مقدس چہرہ اس کی ملکوتی مسکراہٹ یاد ہے۔ مجھے سب کچھ یاد ہے۔ زفورس لیکن تم نے؟ کیا تمہارے فولادی بازو تھک گئے۔ کیا تمہارے مرمر سے تراشے ہوئے سڈول سینے پر جھریاں پڑ گئیں۔ میں چند اجنبیوں میں قید ہوں۔ کیا تم مجھے رہائی نہیں دلا سکتے۔ میں جو سیاہ فام باغیوں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کیا کرتی تھی میں جو بچپن میں سانپوں سے کھیلا کرتی تھی۔ میں جس نے ہراتلیس کی آنکھیں اپنی انگلیوں سے نکال لی تھیں۔ ایک معصوم فاختہ کی طرح بے بس ہوں۔"

وہ تھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر اس نے اپنا چہرہ بائیں ہاتھ سے چھپا لیا۔

"میں اس کو ڈبری کی چاکلیٹ کھلاؤں گا۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔

"اچھا میں تو چلا....!" حمید نے پھر کہا۔

"کہاں....!" فریدی نے پوچھا۔

"اسی کے پاس، اس سے جا کر کہوں گا۔ جان من۔ میں تمہارا زفورس ہوں۔ باپ کا نام پوچھے گی تو چورس بتاؤں گا پھر نہایت ادب سے ایک چاکلیٹ پیش کر کے یا تو تارک الدنیا ہو جاؤں گا یا اس کی بڑی بہن سے شادی کر لوں گا۔ اس طرح بچے مفت ہاتھ آئیں گے۔"

"چپ رہو سور۔" فریدی ہنسی ضبط کرتا ہوا بولا۔

"پتہ نہیں کس کس الا بلا کی قسم کھا رہی ہے۔" حمید نے کہا۔ "قسم ہے اس ولائتی خرگوش کی

جو سال میں تیس انڈے دیتا ہے۔ یہ لڑکی کسی رات صولت مرزا کو قتل کر کے نکل جائے گی۔ اس کے سر پر فلم کمپنی کا بھوت سوار معلوم ہوتا ہے۔"

"بکومت.....!" فریدی جھنجھلا کر بولا۔

پھر انہوں نے جمیلہ کی سسکیوں کی آوازیں سنیں، وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

"بھئی مجھ سے اب برداشت نہیں ہوتی۔" حمید نے کہا۔

"چپ رہو گدھے! صولت مرزا بھی یہیں کہیں چھپا ہوگا۔"

"ارے یہ کیوں!"

فریدی نے کوئی جواب دیئے بغیر حمید کا شانہ دبا دیا۔ اس کی نظریں سامنے اٹھ گئیں اور اگر فریدی نے دوسرے ہی لمحے میں اس کا منہ بھی نہ دبا دیا ہوتا تو اس کی چیخ سارے پارک میں اٹھی ہوتی۔ بت کے پیچھے سے پانچ قد آور آدمی نکل آئے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں لمبے لمبے نیزے اور خم کھائی ہوئی مستطیل ڈھالیں تھیں۔ لباس قدیم رومن یا یونانی سپاہیوں جیسا تھا۔ سروں پر آہنی خود تھے اور سب سے زیادہ حیرت انگیز چیز وہ روشنی تھی، جو ان کے چہروں پر پھیلی ہوئی تھی بلکہ زرد رنگ کی روشنی جس کا عکس ان کے سینوں پر پڑی ہوئی چمکدار زرہوں پر پڑ رہا تھا۔ ان کے چہرے مشعل کی روشنی کے احاطے سے باہر تھے۔ دفعتاً جمیلہ ان کی طرف جھپٹی۔

"تم آ گئے۔ بتاؤ زفورس کہاں ہے۔ آج تم مجھے لے کر ہی جاؤ گے۔ بولو جواب دو۔"

ان میں سے ایک کے ہونٹ ہلتے رہے، جیسے وہ کوئی بات کہہ رہا ہو۔ لیکن آواز ندارد۔ پھر وہ سب تعظیماً جھکے۔

جمیلہ نے اس کا گریبان پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا جس کے ہونٹ ہلے تھے۔

"میں کچھ نہیں سن سکتی۔" زور سے بولو۔ "کیا تم بہرے ہو۔"

اس کے ہونٹ پھر ہلے۔ لیکن آواز نہ نکلی۔ اس بار جمیلہ نے اس کے منہ پر ایک تھپڑ رسید کر دیا جس کی آواز فریدی اور حمید نے صاف سنی۔ تھپڑ کھانے کے باوجود بھی وہ بت بنا کھڑا رہا۔ اس کے چہرے پر شکن تک نہ آئی۔

حمید بُری طرح کانپ رہا تھا۔

"کیوں اب کیا خیال ہے بیٹا۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "نکلنے لگی جان۔"

حمید بدستور خوف کے مارے دانت کٹکٹاتا رہا۔

تھپڑ کھانے والے نے اپنا نیزہ اور ڈھال زمین پر ڈال دیئے اور پھر دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا دیئے۔ آنکھیں بند کر لیں اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کے چہرے پر تشنجی کیفیت طاری ہو گئی۔

حمید فریدی سے لپٹا جا رہا تھا۔ ادھر اس پُراسرار آدمی کی حالت غیر نظر آ رہی تھی۔ بقیہ چار خاموش کھڑے تھے۔ دفعتاً وہ پھر اپنی اصلی حالت میں آ گیا۔ اس بار اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور چہرہ بھی زندہ آدمیوں جیسا معلوم ہو رہا تھا۔

"نقارہ.....!" اس کے ہلتے ہوئے ہونٹوں سے آواز نکلی۔

"اے وادی نیل کی بیٹی۔" اس نے زمین سے اپنا نیزہ اور ڈھال اٹھاتے ہوئے کہا۔ "تو اس نقارے کے بغیر اس طلسم سے نکل نہیں سکتی۔"

اس کی آواز آدمیوں جیسی نہیں تھی۔ اس میں کچھ عجیب سا کھوکھلا پن موجود تھا۔ ویران ویران سی آواز۔

"میں نہیں جانتی تو کس نقارے کا ذکر کر رہا ہے۔"

"وہ اسی عمارت میں کہیں موجود ہے۔" اس نے جواب دیا۔

دفعتاً فریدی نے حمید کو پرے ہٹا دیا اور جھاڑیوں سے نکل کر ایک طرف رینگنے لگا۔ حمید نے بھی اس کی تقلید کی۔ ادھر نہ جانے کیوں جمیلہ نے مشعل زمین پر گرا دی اور اس پر پیر رکھ کر اسے بجھا دیا۔ پارک میں تاریکی چھا گئی۔ صرف ان پانچ آدمیوں کے چہرے روشن تھے۔ اچانک حمید کو بعض دیوتاؤں کی تصویریں یاد آ گئیں جن کے چہروں کے گرد روشنی کے ہالے ہوتے ہیں۔ کیا یہ اسی قسم کی ملکوتی روشنی تھی۔ اس کا دل ایک بار پھر تھرا گیا۔

آسمان پر پھر سیاہ بادل چھا گئے تھے۔ اندھیرا پہلے سے زیادہ گہرا ہو گیا تھا۔ مینڈکوں کی ٹرٹراہٹ فضا میں انتشار برپا کیے ہوئے تھی۔ جھاڑیوں کی اوٹ سے ان پُراسرار آدمیوں کے چہرے صاف نظر آ رہے تھے اور اب تو ان میں حرکت پیدا ہو گئی تھی۔ شاید وہ چل رہے تھے۔ فریدی اور حمید جھاڑیوں کی آڑ لیتے ہوئے ان کا تعاقب کرتے رہے۔ دفعتاً فریدی ٹھٹھک گیا۔ وہ اصطبل کی طرف جا رہے تھے اور شاید جمیلہ بھی ان کے ہمراہ تھی۔ حمید نے فریدی کے ہاتھ میں دبا ہوا پتلی سی ڈور کا ایک لچھا دیکھا اور بھونچکا رہ گیا۔ آخر وہ کیا کرنے جا رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں

نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ فریدی کو کس طرح روکے اس نے کئی بار کچھ کہنا چاہا لیکن منہ سے آواز نہ نکلی۔ بس وہ مشینی طور پر فریدی کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ اس کے اس فعل میں ارادے کو تو دخل نہیں تھا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی ساری قوت کسی پراسرار طریقے پر زائل ہو گئی ہو۔ بہر حال وہ فریدی کے ساتھ گھسٹتا پھر رہا تھا۔

جمیلہ ان آدمیوں سمیت اصطبل میں داخل ہو گئی۔ حمید کو یاد آیا کہ فریدی نے اس سلسلے میں اصطبل ہی کا تذکرہ کیا تھا۔ آخر اصطبل میں کیوں! فریدی کے خیال کے مطابق انہیں شاید کسی چیز کی تلاش تھی۔ اس وقت اس نے ان کی زبان سے "نقارے" کا نام بھی سنا تھا۔ اگر انہیں کسی نقارے کی تلاش تھی تو پھر بار بار اصطبل کا رخ کرنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ حمید کے ذہن میں بیک وقت کئی سوال تھے۔ اگر وہ واقعی اب سے ہزاروں سال قبل کے مردے تھے تو ان کا یہاں کیا کام! ظاہر ہے کہ جمیلہ صولت مرزا کی لڑکی نہیں تھی۔ اس حقیقت سے تو کسی کو انکار ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ اور بات ہے کہ وہ ایک مخصوص حالت کے تحت خود کو اس کی قیدی سمجھنے لگے۔ یہ سب کچھ سہی لیکن کم از کم حمید کا ذہن اب اس بات کو قبول کرنے پر تیار نہیں تھا کہ وہ کسی ذہنی مرض میں مبتلا ہے۔ کسی ذہنی مرض میں مبتلا ہو جانے کے بعد صرف مریض ہی کو عجیب و غریب شکلیں نظر آ سکتی تھیں۔ دوسروں کو نہیں۔ پھر یہ کیا راز ہے۔ حمید اس قسم کی گتھیوں میں الجھا ہوا فریدی کے ساتھ ساتھ رینگتا رہا۔ پھر فریدی اصطبل کے قریب پہنچ کر رک گیا اور تھوڑی دیر بعد وہ لوگ باہر نکل آئے۔ دفعتاً فریدی نے رسی والا ہاتھ بلند کر کے اسے گردش دی اور دوسرے لمحے میں رسی اس کے ہاتھ سے نکل کر پراسرار آدمیوں کی طرف جھپٹی اور پھر ان کے چہروں کی روشنی غائب ہو گئی۔ ادھر فریدی نے اپنے ہاتھ کو جھٹکا دیا اور اندھیرے میں کسی کے گرنے کی آواز آئی۔

"خبردار اگر اپنی جگہ سے ہلے تو گولی مار دوں گا۔" فریدی کی گرج دار آواز دور تک لہراتی چلی گئی۔

لیکن جواب میں کسی قسم کی آواز نہ سنائی دی۔ فریدی نے رسی کو کھینچنے کے لئے زور لگانا شروع کر دیا۔ مگر بے سود۔ آخر اس نے بائیں ہاتھ سے ٹارچ نکالی.... اور روشنی ہوتے ہی اس کے منہ سے حیرت بھری چیخ نکل گئی۔ اصطبل کے قریب جمیلہ تنہا کھڑی تھی اور رسی کا دوسرا سرا اصطبل کے سائبان کے ستون کے گرد لپٹا ہوا تھا۔ فریدی دیوانہ وار چاروں طرف دوڑنے لگا۔

جمیلہ بے حس و حرکت کھڑی تھی۔

"ٹھہر جاؤ، ٹھہر جاؤ۔" قریب ہی کہیں صولت مرزا کی کپکپاتی ہوئی آواز سنائی دی۔

اس دوران میں فریدی نے پورے پارک کی دوڑ لگا ڈالی۔ لیکن ان پُراسرار شخصیتوں کا سراغ نہ ملا۔

"بڑے دلیر ہو.... بہت دلیر۔" صولت مرزا نے فریدی کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "مگر تم نے بہت بُرا کیا۔"

"یقیناً میں نے بُرا کیا کہ انہیں نکل جانے دیا۔"

"یہ بات نہیں۔ وہ ہرگز ہماری دنیا کے آدمی نہیں ہیں۔" صولت مرزا نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں اس پر یقین کرنے کے لئے تیار نہیں۔"

"تم کیسی باتیں کر رہے ہو.... دیکھو.... تمہاری کمند کہاں پھنسی ہے۔" صولت مرزا نے رسی کی طرف اشارہ کیا۔

"تو پھر گرا کون تھا۔"

"میں....!" صولت مرزا بولا۔ "ٹھوکر کھا کر گرا تھا۔"

جمیلہ ڈرامائی انداز میں آہستہ آہستہ ان کی طرف بڑھ رہی تھی۔

"اب کیا ہوگا۔" حمید بولا۔

"اچھا جی! آپ بھی بہک رہے ہیں۔" فریدی نے اس کی طرف مڑ کر کہا۔

جمیلہ ان کے قریب آ کر رک گئی۔

صولت مرزا نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کے منہ پر ایک زوردار تھپڑ پڑا۔ فریدی نے جھپٹ کر جمیلہ کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے۔

"پاگل لڑکی۔" فریدی کے منہ سے اتنا ہی نکل سکا۔ کیونکہ جمیلہ اس کی گرفت سے نکل جانے کے لئے بُری طرح زور لگا رہی تھی۔

"اب تو بہتر یہی ہے کہ میں اسے زہر دے دوں۔" صولت مرزا نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"اندر چلو۔" فریدی نے اسے عمارت کی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔

بہزار دقت وہ اسے اس کے کمرے میں لائے۔ یہاں اسی جدوجہد میں اس کا ہاتھ میز پر جا پڑا اور دوات ایک کتاب پر الٹ گئی۔ وہ ان پر بُری طرح خفا ہوتی رہی.... نہ جانے کتنی مغلظات سنا ڈالیں پھر تقریباً دو بجے اسے نیند آ گئی۔

بے تکے اشعار

دوسرے دن صبح جب فریدی اور حمید ناشتہ کرنے کے لئے اندر جا رہے تھے۔ انہوں نے ایک کمرے میں جمیلہ کی آواز سنی جو کسی پر بگڑ رہی تھی۔

"میری میز پر سیاہی کس نے گرائی.... صاف صاف بتاؤ، ورنہ کھال ادھیڑ دوں گی۔ حرام خور۔ مجھے جھوٹ سے نفرت ہے۔ سچ سچ بتادو، ورنہ تم سب کی شامت آجائے گی۔"

فریدی نے دروازے کو خفیف سا دھکا دیا اور وہ کھل گیا۔ جمیلہ کے سامنے تین نوکرانیاں سر جھکائے کھڑی تھیں وہ ان پر برس رہی تھی۔

"محترمہ یہ حماقت مجھ سے ہوئی ہے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"آپ سے؟" وہ حیرت زدہ لہجے میں بولی۔ "آپ میرے کمرے میں۔"

"جی ہاں! رات آپ کی طبیعت پھر خراب ہو گئی تھی۔"

جمیلہ خاموشی سے فریدی کو دیکھتی رہی پھر اس نے ہاتھ کے اشارے سے نوکرانیوں کو باہر جانے کے لئے کہا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں۔" جمیلہ بولی۔

"کس سلسلے میں۔"

"عجیب بات ہے کہ میری طبیعت خراب ہوتی ہے اور مجھے اس کا احساس نہیں ہوتا۔ روز صبح ایک نہ ایک نئی کہانی سنتی ہوں، میں کس طرح یقین کروں کہ مجھ پر دورہ پڑتا ہے۔ ابا جانی کا خیال ہے کہ زیادہ پڑھنے کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے۔ لہٰذا میں نے تقریباً ایک ماہ تک کسی کتاب کو ہاتھ نہیں لگایا۔ لیکن گھر والوں کے بیان کے مطابق مجھے اس حال میں بھی دوروں سے نجات نہیں

ملی۔ اوہ.... خیر چلئے، شاید آپ لوگ ناشتے کے لئے جا رہے تھے۔"

وہ ان کے ساتھ ہولی۔ اس گفتگو کے دوران میں ایک بار بھی اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نہیں آئی تھی۔ اس نے یہ ساری باتیں ہوش میں کی تھیں۔ لیکن حمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اب بھی اپنے ہوش میں نہ ہو اور کسی بھی لمحے میں پلٹ کر اس کی گردن دبوچ سکتی ہے۔

وہ ڈرائنگ روم میں آئے۔ یہاں صولت مرزا عقیلہ اور شکیلہ ان کا انتظار کر رہے تھے۔

ناشتے کے دوران میں زیادہ تر خاموشی رہی۔ شکیلہ جب بھی زیادہ بولنے کی کوشش کرتی جمیلہ اسے قہر آلود نظروں سے گھورنے لگتی تھی۔ عقیلہ کی گھریلو قسم کی باتوں پر اس کے ہونٹ سکڑ جاتے تھے۔ عقیلہ کے بچوں سے تو وہ بُری طرح بیزار معلوم ہوتی تھی۔ اس وقت وہ فریدی میں خاص طور پر دلچسپی لے رہی تھی۔

"ابا جانی کہتے ہیں کہ آپ کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔" جمیلہ نے فریدی سے کہا۔

"خاک بھی نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "البتہ فرصت کے اوقات میں تھوڑا بہت پڑھنے کی کوشش ضرور کرتا ہوں۔"

"یونانی اساطیر کا مطالعہ کیا ہے آپ نے؟"

"شاید....!" فریدی اثباتی انداز میں مسکرایا۔

"مجھے یاد نہیں پڑ رہا ہے کہ اس دیوی کا کیا نام تھا جس نے نارسی سس کو خود پرستی کی بد دعا دی تھی۔"

"ڈائنا....!" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

"ڈائنا... ڈائنا..." جمیلہ سر ہلا کر بولی۔ "میری یادداشت روز بروز کمزور ہوتی جا رہی ہے۔"

حمید شکیلہ کی طرف دیکھ رہا تھا جو سر جھکائے چپ چاپ ناشتہ کر رہی تھی۔

ناشتہ کے بعد لڑکیاں اٹھ کر چلی گئیں اور وہ لوگ وہیں بیٹھے رہے۔

"اس وقت وہ قطعی ہوش میں ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"ہاں! لیکن بھئی اب میں عاجز آ گیا ہوں۔ معلوم نہیں کب کیا ہو جائے۔ نہ جانے وہ پانچوں کون ہیں۔" نواب صاحب تشویش کن لہجے میں بولے۔

"آپ رات کو ان کا کمرہ باہر سے مقفل کیوں نہیں کرا دیا کرتے۔" فریدی نے کہا۔

"کیا بتاؤں یہ بھی کر کے دیکھ چکا ہوں۔ لیکن جانتے ہو اس کا انجام کیا ہوا۔ پہلے تو وہ شور مچاتی رہی پھر اپنا سر دیوار سے ٹکرا کر زخمی کر لیا۔ بھلا بتاؤ ایسی صورت میں کیا ہو سکتا ہے۔ بس یہ ہوتا ہے کہ ہم میں سے کوئی نہ کوئی رات بھر جاگتا رہتا ہے اور ادھر کئی دن سے میں ہی جاگ رہا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ ان پانچوں پر میرے علاوہ کسی اور کی نظر پڑے۔"

"واقعی آپ بڑے صبر آزما حالات سے دوچار ہیں۔" فریدی نے مغموم لہجے میں کہا۔ "لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جب وہ اپنی پچھلی زندگی کے بارے میں سب کچھ بھول جاتی ہیں تو پھر انہیں اپنی مادری زبان کیونکر یاد رہتی ہے۔"

"ارے میاں! اس کا بھی بڑا لمبا قصہ ہے۔" صولت مرزا نے چائے دانی کا ڈھکن اٹھا کر اس میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "شروع شروع میں اس پر گونگے دورے پڑتے تھے اور وہ تیرہ سال کی عمر میں کسی چھ ماہ کے بچے کی طرح صرف غوں غوں کر لیا کرتی تھی۔ پھر ایک سال بعد اس نے خود دو سال بچے کی طرح ہکلا ہکلا کر بولنا شروع کیا اور یہ اتنی صاف زبان اسے سات سال کے عرصے میں حاصل ہوئی ہے۔"

"تو گویا دورے کی حالت میں ان کی بات چیت غوں غوں سے شروع ہوئی ہے۔"

"ہاں قطعی۔" صولت مرزا نے پرخیال انداز میں کہا۔ "دورے کی حالت میں اس نے زبان سیکھی ہے۔"

فریدی پرخیال انداز میں سر ہلا کر رہ گیا۔

"لیکن مجھے مشورہ دو کہ میں کیا کروں۔" صولت مرزا پھر بولا۔

"میں تو آپ کو یہی رائے دوں گا کہ آپ انہیں انگلینڈ یا کسی دوسرے مغربی ملک میں لے جا کر عمدہ سائیکو انیلیسٹ کو دکھائیے۔ اگر آپ اس کے لئے تیار ہوں تو میں ایک سائیکو انیلیسٹ کے لئے آپ کو تعارفی خط بھی دے سکتا ہوں۔ لندن کے ویسٹ انڈ میں ڈاکٹر ٹائیلون بہت مشہور آدمی ہے۔ وہ زیادہ تر ذہنی امراض کا علاج بہت اچھی طرح کرتا ہے۔"

"ارے میاں وہ کسی لمبے سفر کے لئے تیار ہی نہیں ہوتی۔ کئی بار کہا مگر جیسے اس پر کوئی اثر ہی نہیں ہوتا۔ اب میرے لئے دو راستے رہ گئے ہیں یا تو بدنامی برداشت کروں یا خودکشی کر لوں۔"

"بھلا اس میں بدنامی کی کیا بات ہے۔" فریدی نے کہا۔ "ظاہر ہے کہ وہ ایک مرض میں مبتلا

ہیں۔"

"لیکن اگر کسی اور نے بھی ان آدمیوں کو دیکھ لیا تو کیا خیال کرے گا۔"

"ہاں یہ بات ضرور قابل تشویش ہے۔"

صولت مرزا کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ اس کے چہرے کی رہی سہی توانائی بھی بڑھاپے کے اضمحلال میں تبدیل ہو چکی تھی اور آنکھوں سے ایک غم انگیز سنجیدگی ظاہر ہونے لگی تھی۔

فریدی بغور اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا اور سرجنٹ حمید غالباً یہ سوچ رہا تھا کہ کیا سوچنا چاہئے۔ اس وقت جمیلہ کو ہوش میں گفتگو کرتے سن کر وہ ایک نئی الجھن میں مبتلا ہو گیا تھا کہ اگر وہ سب کچھ حقیقتاً محض ڈھونگ ہی تھا تو اس ڈھونگ کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ وہ سوچتا رہا اور پھر اسے اس ڈھونگ والے نظریئے کو سرے ہی سے مسترد کر دینا پڑا۔ کیونکہ دوسری طرف صولت مرزا کا یہاں بچوں کی طرح زبان سیکھنا تیرہ سال کا ناپختہ ذہن اتنی مکمل اور جامع اسکیم نہیں بنا سکتا۔ خیر اچھا اگر اسے مرض ہی تسلیم کر لیا جائے تو پھر ان پراسرار آدمیوں کی موجودگی کیا معنی رکھتی ہے۔"

"تو پھر بتاؤ نا کہ میں کیا کروں۔" صولت مرزا نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"آپ مطمئن رہئے۔" فریدی پرخیال انداز میں بولا۔ "مرض کے لئے تو خیر میں کچھ نہیں کر سکتا۔ لیکن وہ پانچ آدمی۔"

فریدی کی بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ نوکر نے ارسلانوس کی آمد کی اطلاع دی۔

ارسلانوس اپنی تمام تر وحشتوں سمیت ڈرائنگ روم میں موجود تھا۔ ان لوگوں کو دیکھ کر اس نے ایک عجیب سا قہقہہ لگایا اور پھر یک بیک سنجیدہ ہو کر احمقوں کی طرح ایک ایک کا منہ تکنے لگا۔

"فرمائیے۔" صولت مرزا نے ناخوشگوار لہجے میں پوچھا۔

ارسلانوس اسے چند لمحوں تک عجیب نظروں سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "تمہارا لہجہ کچھ ایسا ہے جیسے میں تم سے کچھ ادھار مانگنے آیا ہوں۔"

"دیکھئے! اس وقت طبیعت حاضر نہیں ہے۔" صولت مرزا نے منہ بنا کر کہا۔

"تو تم بھی غیر حاضر ہو جاؤ نا..... میں تو ان مہمانوں سے ملنے آیا ہوں۔"

صولت مرزا برا سا منہ بنا کر کھڑا ہو گیا اور کچھ کہے بغیر تیزی سے مڑا اور اندر چلا گیا۔

ارسلانوس کے ہونٹوں پر ایک زہریلی سی مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔ وہ صولت مرزا کے

چلے جانے کے بعد بھی بہت دیر تک اس دروازے کی طرف دیکھتا رہا جس سے وہ گیا تھا۔ یک بیک چونک کر فریدی کی طرف مڑا۔

پھر وہ وہاں سے اٹھ کر نشست کے کمرے میں آئے۔

"ہاں تو محمد کمال افندی صاحب! کہئے رات کیسے گزری۔ آپ کی چوٹ کا کیا حال ہے۔" نے پوچھا۔

"احمد کمال فریدی کہئے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "رات اچھی گزری اور چوٹ میں بھی کافی افاقہ معلوم ہوتا ہے۔"

"افاقہ..... ہاہاہاہا۔" ارسلانوس نے قہقہہ لگایا۔ "افاقہ۔"

"بھلا اس میں ہنسنے کی کیا بات تھی۔" حمید نے جز بز ہو کر کہا۔

"ایک واقعہ یاد آ گیا تھا اپنے بچپن کا۔" ارسلانوس ہنسی روکتا ہوا بولا۔ "لیکن میں بتاؤں گا نہیں۔"

"کیا کہا۔" حمید مصنوعی غصے کا اظہار کر کے اٹھتا ہوا بولا۔ "آپ کو بتانا پڑے گا۔"

فریدی حمید کو گھورنے لگا۔

"میں بے ہودگی نہیں پسند کرتا۔" ارسلانوس نے کرخت لہجے میں کہا۔

"آپ کو بتانا پڑے گا کہ آپ کیوں ہنسے تھے۔"

"حمید.....!" فریدی نے اسے ڈانٹا۔

"آپ مت دخل دیجئے۔"

ارسلانوس بھی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے اٹھنے کا انداز لڑ مرنے والا ضرور تھا لیکن چہرے پر اس قسم کے کوئی آثار نہیں تھے۔ بس ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے غیر ارادی طور پر اس سے کوئی حرکت سرزد ہونے والی ہے۔

فریدی اس کا چہرہ بغور دیکھ رہا تھا۔ وہ یک بیک ان کے درمیان میں آ گیا۔

"آپ بھی کمال کرتے ہیں۔" فریدی ارسلانوس کو صوفے کی طرف دھکیلتا ہوا بولا۔ "بزرگوں کو اتنا تیز مزاج نہ ہونا چاہئے۔"

پھر اس نے پلٹ کر حمید کو ڈانٹا۔

بدقت تمام وہ ارسلانوس کو بٹھانے میں کامیاب ہو سکا۔ حمید بھی چپ چاپ بیٹھ گیا۔ لیکن وہ ابھی تک اسے گھورے جا رہا تھا۔ اس نے دراصل یہ چھیڑ چھاڑ مذاقاً شروع کی تھی۔ لیکن اب نہ جانے کیوں اسے سچ مچ غصہ آ گیا۔

"میاں تم میں رکھا ہی کیا ہے۔" ارسلانوس ہاتھ نچا کر بولا۔ "ایک منٹ کی گرفت میں ہڈیاں کڑکڑا جائیں گی۔ میں نے صاحب کے لونڈے کو تو ٹھیک ہی کر دیا۔ تم کیا مال ہو۔"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔" فریدی جلدی سے بولا۔ "ہم واقعی آپ کے سامنے بچے ہیں۔ بھلا آپ کی پرانی ہڈیوں کا مقابلہ کہاں کر سکتے ہیں۔"

ارسلانوس اب فریدی کو گھورنے لگا۔ حمید کم از کم اپنے متعلق تو یہ اندازہ لگا چکا تھا کہ وہ ارسلانوس سے زیادہ دیر تک نظریں نہیں ملا سکتا۔ کیونکہ اسے اس کی آنکھوں کی پُر اسرار ویرانی بڑی ڈراؤنی معلوم ہوتی تھی۔ لیکن وہ اس وقت فریدی کی آنکھوں کو اس کی آنکھوں کے مقابل دیکھ رہا تھا۔ ارسلانوس خوفناک حد تک سنجیدہ نظر آ رہا تھا اور فریدی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے۔

دفعتاً ارسلانوس پھر ہنس پڑا اور اب وہ احمقوں کی طرح حمید کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ فریدی سگار سلگانے لگا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم لوگ کس خبط میں مبتلا ہو۔" اچانک ارسلانوس فریدی کی طرف مڑ کر بولا۔

"لیکن تم بھی دوسرے احمقوں کی طرح مفت اپنی جانیں ضائع کر دو گے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" فریدی نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"مطلب.....!" ارسلانوس نے تیز قسم کی سرگوشی کی اور پھر اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ دوسرے ہی لمحے میں سنجیدگی سے پوچھا۔ "میں کل شام ہی کو سمجھ گیا تھا کہ تم یدھ راج گڑھی کے متعلق کچھ معلوم کرنے کے لئے بے تاب ہو۔"

"بھلا کیوں!" فریدی استفہامیہ انداز میں سر ہلا کر مسکرایا۔

"تخت عقرب کے لئے۔" سونے کا وہ فرضی تخت جس کے لئے سینکڑوں جانیں جا چکی ہیں۔ تمہیں یہاں کھینچ لایا ہے۔"

"تو کیا آپ اس کے متعلق کچھ جانتے ہیں۔" فریدی اس کے قریب آکر بیٹھتا ہوا بولا۔

"یہی جانتا ہوں کہ اب وہ ایک شاندار غپ ہے۔ میرے پاس اس کا واضح ثبوت موجود ہے کہ رانا کے سپاہی یدھ راج کی دوسری دولت کے ساتھ اسے بھی لے گئے تھے۔"

"میرے خیال سے تو آپ کا یہ دعویٰ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔" فریدی نے کہا۔

"اوہ تم میری معلومات کو چیلنج کر رہے ہو۔" ارسلانوس بگڑ کر بولا۔

"دیکھئے آپ پھر غلط سمجھے۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ "میں آپ کی معلومات کو چیلنج نہیں کر رہا ہوں بلکہ میں اپنی معلومات کی بناء پر کہہ رہا ہوں۔"

"تمہاری معلومات کا ذریعہ کیا ہے۔" ارسلانوس نے تمسخرانہ انداز میں پوچھا۔

"بعض قدیم قلمی کتابیں۔"

"کس کی لکھی ہوئی ہیں۔"

"نام تو مجھے یاد نہیں رہے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن میں یہ وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ" فریدی جملہ پورا نہیں کرنے پایا تھا کہ اندر کچھ شور سا سنائی دیا اور وہ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"کہو کہو! یہاں تو سب ہوتا ہی رہتا ہے۔" ارسلانوس بیزاری سے بولا۔

"کیا ہوتا رہتا ہے۔"

"اونہہ چھوڑو بھی۔ تم شاید اپنی معلومات کا رعب جما رہے تھے مجھ پر... ہاں... جاری رکھو۔"

"بہت مختصر سا بیان ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "مجھے تخت عقرب یا تخت افعی سے کوئی دلچسپی نہیں۔ میں تو اس کتے کی آواز کے متعلق معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"یہ اس سے بھی بڑی حماقت ہے۔ یار سچ مچ تم اپنے باپ ہی کی طرح پاگل معلوم ہوتے ہو۔"

فریدی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ پرخیال انداز میں کھڑکی کے باہر دیکھ رہا تھا اور اس کے چہرے پر اکتاہٹ کے آثار تھے۔ حمید سمجھ گیا کہ وہ ارسلانوس سے پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں۔

"کیا وہاں نہ چلئے گا۔" حمید نے فریدی کو مخاطب کیا۔

"اوں....!" فریدی چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"اوہ تو یہ کہو۔" ارسلانوس منہ بنا کر بولا۔ "میں لونڈا نہیں ہوں۔ صاف صاف کیوں نہیں

کہتے کہ تم لوگوں کو میری موجودگی کھل رہی ہے۔"

"ارے نہیں قبلہ! تشریف رکھئے۔" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "دراصل مجھے یہاں کے تھانے کے انچارج سے ملنا تھا۔ پھر کسی وقت مل آؤں گا۔"

"جی نہیں۔ جی نہیں۔ اسی وقت تشریف لے جائیے۔ میں بھی عدیم الفرصت ہوں۔" ارسلانوس نے کہا اور تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔ اس کے انداز میں کچھ ایسی بے ساختگی تھی جیسے وہ کسی خطرے کو ٹال کر بھاگا ہو۔

فریدی حمید کی طرف مڑا۔

"یہ کیا حماقت تھی۔"

"آپ اکتائے تھے نا۔" حمید نے اپنے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔

"بعض اوقات تم بالکل الو ہو جاتے ہو۔"

"ارے تو کیا سچ مچ آپ اس روائتی تخت کے چکر میں پڑ گئے ہیں۔" حمید نے مسکرا کر پوچھا۔

"ہر افواہ کے پیچھے کچھ نہ کچھ حقیقت ہوتی ہے۔"

"بس تو پھر اپنا تو صفایا ہو گیا۔" حمید بیزاری سے بولا۔ "مجھے وہ پیتل کی[1] مورتی اب تک یاد ہے۔"

"لیکن اس کی پشت پر بھی ایک حقیقت تھی۔"

"اور ہم اس حقیقت کو سونگھتے اور چاٹتے ہوئے ٹھنڈے واپس آگئے تھے۔" حمید نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

"اچھا اب بکواس بند کیجئے۔ ہمیں یدھ راج گڑھی تک چلنا ہے۔" فریدی نے جلا ہوا سگار کھڑکی کے باہر پھینکتے ہوئے کہا۔

"باپ رے۔" حمید پائپ سلگاتے سلگاتے رک کر بولا۔ "بھئی.... میں....!"

"کچھ نہیں۔" فریدی نے اس کا بازو پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔

"اچھا ایک بات میری بھی سن لیجئے۔"

"کیا....؟"

"یہی کہ مجھے نیند آرہی ہے۔ رات مچھروں نے سونے نہیں دیا۔"

[1] جاسوسی دنیا کا ناول "پہاڑوں کی ملکہ" جلد نمبر3 ملاحظہ فرمائیے۔

"چلتے ہو یا گردن میں ہاتھ دوں۔"

"کیا مصیبت ہے چلئے صاحب۔ کاش میرے والد صاحب زندگی بھر کنوارے ہی رہتے۔"

"اب کھسکو بھی ورنہ تمہیں تو ناپید ؟ا کر دوں گا۔"

وہ دونوں دروازے کی طرف بڑھے ہی تھے کہ ایک لچکیلی سی نسوانی آواز سنائی دی۔

"سنئے۔"

دونوں چونک کر مڑے۔ صولت مرزا کی چھوٹی لڑکی شکیلہ عقبی دروازے میں کھڑی فریدی کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"فرمایئے۔" فریدی اس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

وہ فریدی سے آہستہ آہستہ کچھ کہتی رہی۔ اس کے انداز میں کچھ ہچکچاہٹ سی تھی۔ حمید متحیرانہ انداز میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔

"ارے بھئی میں اتنا بڑا آدمی نہیں ہوں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "خیر چلئے۔"

فریدی حمید کو ٹھہرنے کا اشارہ کر کے اس کے ساتھ چلا گیا اور حمید پائپ میں منہ دبا کر اپنا سر سہلانے لگا۔ اس کی آنکھیں مضحکہ خیز طور پر اپنے حلقوں میں گردش کرنے لگی تھیں۔

پانچ منٹ گزر گئے لیکن فریدی واپس نہ آیا حمید اکتا کر برآمدے میں نکل جانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اس بار کسی دوسری عورت نے اسے مخاطب کیا۔

وہ بوکھلا کر مڑا۔ صولت مرزا کی دوسری پُراسرار لڑکی جمیلہ آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اس کے سارے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔ جمیلہ عادت کے مطابق اس وقت بھی اپنی تیکھی سنجیدگی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

"فف.... فرمایئے۔" حمید ایک قدم پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔

"چلے جاؤ.... تم دونوں یہاں سے چلے جاؤ۔" وہ ڈرامائی انداز سے تیز قسم کی سرگوشی میں بولی۔

اس کی آنکھیں حد درجہ خوفناک معلوم ہو رہی تھیں۔ ہونٹ بھینچے ہوئے تھے اور ماتھے کی سلوٹیں اور زیادہ نمایاں ہو گئی تھیں۔ وہ اس سے دو قدم کے فاصلے پر رک گئی۔

"چچ.... چلے.... جائیں گے.... بب.... بیل.... بالکل چلے جائیں گے۔" حمید پیچھے کھسکتا ہوا بولا۔

وہ چند لمحے کھڑی اسے حقارت آمیز نظروں سے دیکھتی رہی پھر دفعتاً دوسرے دروازے سے باہر چلی گئی اور حمید بوکھلا کر برآمدے میں نکل آیا۔ وہ اپنے ماتھے سے پسینہ پونچھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد فریدی نے اسے آواز دی اور وہ جواب دینے کی بجائے دوسری طرف منہ پھیر کر کھڑا ہو گیا۔

"کیا بات ہے۔" فریدی اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

حمید تیزی سے اس کی طرف مڑا کچھ کہنا چاہا۔ ہونٹ ہلے۔ غصے کی شدت کی وجہ سے آواز نہ نکلی۔

"کیوں؟ کیا تم ان رات والے آدمیوں کی ایکٹنگ کر رہے ہو۔"

"جناب۔" حمید زہریلے لہجے میں بولا۔ فریدی کو چند لمحے گھورتا رہا پھر یک بیک برس پڑا۔

"جہنم میں گئی دوستی اور محبت۔ میں اس بھوت خانے میں ایک منٹ کے لئے بھی نہیں رہ سکتا۔"

"آخر کچھ بتاؤ بھی تو۔"

حمید کوئی جواب دیئے بغیر اس کمرے کی طرف چل پڑا جس میں ان کا سامان رکھا ہوا تھا۔ فریدی اس کے پیچھے چلنے لگا۔

"یار تم تو کسی خونخوار بیوی کی طرح پٹھے پر ہاتھ نہیں رکھنے دیتے۔" فریدی نے اسے پکڑ کر روکتے ہوئے کہا۔ "کچھ منہ سے بولو بھی تو۔"

"مجھ سے پوچھ رہے ہیں۔" حمید بھنا کر بولا۔ "کیا اس شیطان کی نواسی سے ملاقات نہیں ہوئی۔"

"کس سے۔"

"بھوتوں کی محبوبہ سے۔"

"کیا جمیلہ سے ڈبھیڑ ہو گئی۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"اے ہے۔" حمید جھلاہٹ میں ہاتھ نچا کر بولا۔ "اس وقت ملی ہوتی تو یہ مسکراہٹ حلق سے اتر جاتی۔"

"آخر بات کیا ہے۔"

حمید خود ہی اس وقت بات کو زیادہ طول نہیں دینا چاہتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ کسی طرح فریدی کو سمجھا بجھا کر یہاں سے نکال لے جائے۔ لہٰذا اس نے اسے سب کچھ بتا دیا۔

فریدی کچھ سوچ رہا تھا۔

"اچھا ٹھہرو.... میں ابھی آیا۔" فریدی نے کہا اور اندر چلا گیا۔

حمید برآمدے سے نکل کر لان پر اتر آیا۔ وہ بار بار بوکھلا کر برآمدے کی طرف دیکھنے لگتا کہ کہیں جمیلہ تو نہیں آرہی ہے۔ پندرہ منٹ کے بعد فریدی پھر دکھائی دیا۔ گہرے تفکر کی وجہ سے اس کے ماتھے پر رگیں ابھر آئی تھیں وہ حمید کو چند لمحے دیکھتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔

"آؤ چلیں۔"

"اچھا.... اچھا.... میں سامان سمیٹتا ہوں۔" حمید جلدی سے بولا۔

"ہم یدھ راج گڑھی جارہے ہیں۔" فریدی نے کہا اور حمید کا ہاتھ پکڑ کر پھاٹک کی طرف چلنے لگا۔

حمید کا دل چاہا کہ یا علی کا نعرہ مار کر سر کے بل کھڑا ہو جائے۔

"سنو! وہ اس وقت قطعی ہوش میں تھی۔" فریدی نے کہا۔

"اس کی....!" حمید اس سے آگے نہ کہہ سکا۔

"چپ رہو۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "پہلے میں سمجھا تھا کہ شاید اس وقت بھی اس پر دورہ پڑا ہوگا۔ مگر ایسا نہیں۔ صولت مرزا سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ صبح سے اب تک سوئی ہی نہیں لہٰذا اپنے ہوش میں ہے۔"

"ہوش میں ہو یا نہ ہو۔ میں اب یہاں نہیں رہ سکتا۔"

"عورت ہے پیارے.... اور حسین بھی ہے اس کے علاوہ تمہیں اور کیا چاہئے۔"

"مجھے تو بس اب بیس گز کفن چاہئے۔" حمید جھلا کر بولا۔

"خیر اس کا بھی انتظام کر دیا جائے گا۔ فی الحال تو میرے ساتھ چلو۔"

حمید منہ پھلائے ہوئے اس کے ساتھ چلنے لگا۔ فریدی کچھ سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد اس نے ایک کاغذ کا ٹکڑا حمید کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔

"یہ کیا....؟" حمید نے پوچھا۔

"پڑھ لو۔"

حمید نے اسے پڑھ کر بُرا سا منہ بنایا۔ اس میں کچھ بے سروپا اشعار لکھے تھے۔

دھن دھن دھن نقارہ باجے
بچھو پر یدھ راج براجے
نقارے میں ڈنگ لگا ہے
مہابلی کا نقارہ ہے
بچھو پر الو بیٹھے گا
ڈنگ پر چڑھ کر راج کرے گا

حمید استفہامیہ نظروں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیوں؟ اس طرح کیا دیکھ رہے ہو؟" فریدی مسکرا کر بولا۔

"آپ مجھے الو کیوں سمجھنے لگے ہیں۔"

"محض اس لئے کہ ہم لوگ آٹھویں الو کے مہمان ہیں۔ کیا تم مجھ سے کسی پاگل پن کی توقع رکھ سکتے ہو؟"

"آپ پر کیا منحصر ہے میں خود کو ہی پاگل سمجھنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔"

"خیر یہ کوئی نئی بات نہیں۔ ان اشعار کا مطلب سمجھئے۔"

"اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھتا۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ "البتہ زبانی یاد کرنے کی کوشش کروں گا اور جب میرے بچے اس قابل ہو جائیں گے تو انہیں بھی یاد کرادوں گا اور انہیں وصیت کر جاؤں گا کہ وہ اپنے بچوں کو یاد کرادیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ اس سے اچھے شعر کبھی نہ کہہ سکیں گے۔"

فریدی کوئی جواب دینے کے بجائے مسکراتا رہا۔

مجھے یہ اشعار شکیلہ سے ملے تھے۔

ایک اشارہ

حمید بے تحاشہ ہنسنے لگا۔

"خیریت.... خیریت۔" فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔

"یہ لڑکی بھی پاگل ہی معلوم ہوتی ہے۔"

"کیوں؟"

"بھلا ان مہمل اشعار سے ذہن کے اس گوشے کا کیا تعلق جہاں عشق کے کیڑے کلبلاتے ہیں۔" حمید نے کہا۔ "اسے تو عشقیہ اشعار یا فلمی گیت لکھنے چاہئے تھے۔ مثلاً مار کٹاری مر جانا.... ہو گئی رے میں تو ہو گئی.... یا پھر دل لے کے چلے تو نہیں جاؤ گے ہو راجہ جی.... ہو راجہ جی۔"

"تم ہو خاصے چغد....!" فریدی خشک لہجے میں بولا۔ "تمہیں بس دو ہی باتیں آتی ہیں یا خرگوش کی طرح دبکتے پھرو گے یا پھر عشق! وہ بھی گھٹیا قسم کا۔"

"خیر خیر.... یہاں تو ہر چیز گھٹیا ہے۔ آپ ٹھہرے اونچے آدمی۔ میں یہی سوچ رہا تھا کہ شکیلہ ضرور آپ کو اپنی طرف متوجہ کر لے گی۔ ہاں ذرا کمسن ہے۔"

"حمید کے بچے۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔ "آخر تم اپنی طرح مجھے بھی کیا سمجھتے ہو۔"

"آپ بھی میری طرح آدمی ہیں۔"

"مگر میں نے زندہ رہنے کا طریقہ آدمیوں سے سیکھا ہے۔ کتوں سے نہیں۔"

"آپ مجھے کتا کہہ رہے ہیں۔" حمید نے بگڑ کر کہا۔

"صرف کہہ ہی نہیں رہا ہوں بلکہ واپسی پر تمہیں کتوں کے ساتھ باندھوں گا۔"

"اگر مجھے یقین نہ ہوتا کہ آپ یہ سب مذاقاً کہہ رہے ہیں تو میں....!"

"ہاں تو تم کیا کرتے۔" فریدی اسے تیکھے پن سے دیکھتا ہوا بولا۔

"صبر کرتا۔" حمید نے اتنی بے بسی سے کہا کہ فریدی بے اختیار ہنس پڑا۔

"خیر.... غیر ضروری باتیں پھر ہوتی رہیں گی۔" فریدی نے کہا۔ "فی الحال ہمیں۔"

"ٹھہریئے! پہلے میری ایک بات کا جواب دیجئے۔"

"کیا....؟"

"یدھ راج گڑھی سے واپسی پر ہم کہاں جائیں گے۔"

"ظاہر ہے کہ جہاں تھے۔"

"ناممکن! میں اب وہاں ہرگز نہ جاؤں گا۔"

"تو کیا تم واقعی سنجیدگی سے کہہ رہے ہو۔"

"قطعی۔"

"یقین نہیں آتا۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"آخر یقین نہ آنے کی وجہ۔"

"میں نے تمہیں کبھی کسی جگہ سے بھاگتے نہیں دیکھا۔ جہاں خوبصورت لڑکیاں ہوں۔"

"لڑکیاں کہہ رہے ہیں آپ انہیں۔" حمید چیخ کر بولا۔ "اگر وہ لڑکیاں ہیں تو خدا شیطان کو بھی ان کے شر سے محفوظ رکھے۔"

"تم پاگل ہو گئے ہو۔"

"خدا کرے میری ہی طرح آپ بھی پاگل ہو جائیں۔"

"آخر تم جمیلہ سے ڈرتے کیوں ہو۔"

"چلئے یہ بھی ایک ہی رہی۔ مجھے آپ سے توقع نہیں تھی کہ آپ بچوں کی طرح باتیں کریں گے۔"

"آخر تم کیا کہنا چاہتے ہو۔"

"یہی کہ یا تو مجھے معاف کیجئے یا خودکشی کی کوئی آسان سی ترکیب بتا دیجئے۔"

"یہ دونوں کام بہت مشکل ہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں تمہیں دراصل سسکا سسکا کر مارنا چاہتا ہوں۔"

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بدستور منہ پھلائے راستہ طے کر رہا تھا۔ فریدی ہی بولتا رہا۔

"جمیلہ نے اس وقت جو بھی کہا ہے قطعی ہوش میں کہا ہے۔ پھر بھلا بتاؤ۔ اس بات کا پتہ چلائے بغیر میں کس طرح پیچھے ہٹ سکتا ہوں کہ وہ یہاں ہماری موجودگی کیوں ناپسند کرتی ہے۔"

"ارے جاسوس اعظم۔" حمید دانت پیس کر بولا۔ "بلکہ ارسلانوس اعظم تو بالکل سامنے بات ہے۔"

"یعنی....!"

"کل رات کو حضور اعلیٰ نے اس کے چہیتے بھوتوں پر حملہ کر دیا تھا۔"

"مگر دورے کی حالت کی باتیں تو اسے یاد ہی نہیں رہتیں۔"

"اور آپ کو اس شاندار غپ پر یقین آ گیا ہے۔"

"غپ نہیں ہے فرزند.....!"

"ہو سکتا ہے کہ اب ایشیا کا نامور سراغ رساں کچھ اور بلند ہو رہا ہو۔" حمید خشک قسم کے طنزیہ لہجے میں بولا۔

"ایشیا کا یہ کمترین جاسوس تم سے بہر حال زیادہ تجربہ کار ہے۔" فریدی نے چلتے چلتے رک کر سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

"خیر نہ گھوڑا دور نہ میدان۔" حمید بولا۔ "لیکن میں تو اسے پسند نہ کروں گا کہ وہ ابلیس کی محبوبہ کسی رات سوتے وقت میری گردن ناپ دے۔ میں نے کل رات والے بھوتوں کی گفتگو سنی ہے۔"

"اچھا میاں صاحب زادے اگر تم بھوتوں پر یقین رکھتے ہو تو تمہیں لچر قسم کی روایات کے مطابق یہ بھی معلوم ہوگا کہ بھوتوں سے دنیا کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہتی۔"

"ٹھیک ہے۔"

"تو پھر یہ بتاؤ کہ وہ بھوت معمولی آدمیوں کی طرح کسی نقارے کی تلاش میں کیوں ہیں۔"

"ممکن ہے... نقارے سے ان کی کچھ اور مراد ہو۔"

"ہو سکتا ہے۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔ "ممکن ہے وہ بادشاہی حلوہ سوہن کو نقارہ کہتے ہوں اور اس اصطبل کو حلوائی کی دوکان سمجھتے ہوں۔ آخر، بھوت ہی ٹھہرے۔ ہماری طرح ان کے پاس عقل تو ہوتی ہی نہیں۔ اگر ہوتی تو بھوت کیوں بنتے کیونکہ بھوت بننے سے آسان تو لیڈری ہے۔"

"دیکھئے! کبھی کبھی میرا کہنا بھی مان لیا کیجئے۔"

"میں اسی انتظار میں بوڑھا ہوا جا رہا ہوں کہ ایک بار تو تم کوئی قاعدے کی بات کہو اور میں مان کر آرام سے قبر میں جا سوؤں۔"

"اچھا اگر یہی بات ہے تو میں مرنے کے لئے تیار ہوں۔" حمید نے بھنا کر کہا۔

"مگر خدا کرے مجھ سے پہلے آپ کی گردن ناپی جائے تاکہ میں آپ کی روح کو سات سلام کرنے کے بعد خود بھی آپ کے پیچھے روانہ ہو جاؤں۔"

"اچھا بکواس بند۔"

"بند ہو گئی جناب۔" حمید نے کہا۔ "لیکن آخری بات پوچھنے کی اجازت دیجئے۔"

"بے تکی نہ ہونی چاہئے۔"

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ شکیلہ آپ کو کہاں لے گئی تھی۔"

"کیوں نہیں.....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "وہ میرا آٹوگراف لینا چاہتی تھی اس نے میرے کیسوں کے تراشے اخبارات سے جمع کر کے ان کا البم بنایا ہے۔ اسی البم پر میں نے آٹوگراف دیئے ہیں۔"

"تو کیا اسے یہ نہیں معلوم کہ انسپکٹر فریدی کے سارے کارنامے سرجنٹ حمید کی مدد کے بغیر ادھورے رہ جاتے۔"

"جانتی ہے۔" فریدی کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تو اس نے میرا آٹوگراف کیوں نہیں لیا۔"

"خیر اس پر بھی کبھی بحث ہو گی۔" فریدی نے کہا اور رک کر ایک راہ گیر سے یدھ راج گڑھی کا راستہ پوچھنے لگا۔

"ٹھیک ہی جا رہے تھے۔" فریدی پھر بولا۔ "ہاں تو میں یہ کہنے جا رہا تھا کہ اگر وہ اس وقت میرا آٹوگراف نہ لیتی تو مجھے زندگی بھر افسوس رہتا۔"

"افسوس کی بات ہی تھی۔" حمید منہ بنا کر بولا۔ "ایسی ملائی قسم کی لڑکیوں کو تو ہر ایک کا آٹوگراف لینا چاہئے۔"

"پھر آگئے اصلیت پر۔" فریدی نے کہا۔ "میرا مطلب یہ تھا کہ اگر وہ اس وقت میرا آٹوگراف نہ لیتی تو مجھے یہ بے تکے اشعار کبھی نہ ملتے۔"

حمید بے اختیار ہنس پڑا لیکن پھر فوراً ہی سنبھل کر فریدی کی طرف متحیرانہ انداز میں دیکھنے لگا۔

"کیوں بھلا ان اشعار کی کیا اہمیت ہے۔"

"بہت بڑی اہمیت ہے حمید صاحب۔ اگر اس لڑکی کا بیان صحیح ہے تو یہ اشعار بڑی قیمت رکھتے ہیں۔"

"یعنی.....!"

"یہ اشعار اس کی نظم کی کاپی میں لکھے ہوئے تھے۔ نظموں کے انتخاب کے معاملے میں وہ

ایک باذوق لڑکی معلوم ہوتی ہے۔ سوائے ان چند اشعار کے میں نے اس کی کاپی میں کوئی لچر اور بے تکی چیز نہیں دیکھی۔"

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔"

"پوری بات سنو تو..... میں ان اشعار کو پڑھ کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ اس پر جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ کہنے لگی کہ اس نے انہیں قدیم سمجھ کر تبرکاً لکھ لیا تھا۔ پھر اس نے بتایا کہ وہ اشعار اس نے ایک پرانے کتبے سے نقل کئے تھے جو یدھ راج گڑھی کی کھدائی پر زمین سے بر آمد ہوا تھا۔"

"اوہ..... تو یہ بچھو.....!" حمید چونک کر بولا۔

فریدی ہنسنے لگا۔

"بہت دیر میں عقل آئی ہے۔" فریدی بجھا ہوا سگار ایک طرف پھینکتا ہوا بولا۔

"تو کیا اس بچھو کا تعلق تخت عقرب سے ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"ابھی کیا کہا جا سکتا ہے، بہر حال "بچھو پر یدھ راج براجے" سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ یدھ راج تمہاری طرح پاگل تو نہ رہا ہوگا اور کسی بچھو پر بیٹھ جاتا اور اس نقارے کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ ممکن ہے یہ وہی نقارہ ہو جسے تمہارے بھوت تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔"

"لیکن اس کا کیا ثبوت ہے کہ یہ اشعار کسی کتبے سے نقل کئے گئے ہیں۔" حمید نے کہا۔ "مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اس گھر میں کوئی بہت ہی خوفناک ڈرامہ کھیلا جا رہا تھا۔ اتفاقاً ہم لوگ بھی وہاں جا پہنچے اور شاید ان کی نادانستگی میں اس کا ایک آدھ منظر بھی دیکھ لیا۔ اس لئے اب وہ ہمیں اُلو بنانے کے لئے واقعات کو کوئی اور شکل دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"چلو یہی سہی۔" فریدی نے کہا۔ "میں فی الحال تمہارے خیال کی تردید نہیں کر سکتا لیکن پھر بھی یہ حالات اس قابل نہیں کہ ان میں دلچسپی لی جائے۔ کئی باتیں قابل غور ہیں۔ صولت مرزا چاہتا ہے کہ ہم یہاں قیام کریں۔ جمیلہ چاہتی ہے کہ چلے جائیں۔ ارسلانوس تخت عقرب کو واہمہ قرار دیتا ہے، صولت مرزا اس کے وجود سے منکر نہیں اور آج شکیلہ کی کاپی میں مجھے یہ اشعار ملتے ہیں۔"

"اور اس کے بعد حمید کے پٹھے کا قیمہ ہو جاتا ہے۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"پھر وہی بکواس۔" فریدی باتوں کی رو میں بولتا رہا۔ "اب یہ دیکھنا ہے کہ کھدائی والی بات کہاں تک سچ ہے اور آثار قدیمہ کے سرکاری محکمے کی طرف سے کھدائی ہوئی تھی یا کسی ہسٹوریکل

سوسائٹی کی طرف سے۔ میں نے ابھی تک صولت مرزا سے اس کے متعلق کوئی گفتگو نہیں کی۔"

"قطعی فضول ہے۔" حمید نے کہا۔

"کیوں.....؟"

"ان کھدائی کرنے والوں کا پتہ زندگی بھر نہ چل سکے گا۔"

"آخر کیوں؟" فریدی نے تنگ آکر کہا۔

"کمال کرتے ہیں آپ بھی۔ آخر آپ اتنی جلدی ہر بات پر ایمان کیوں لے آتے ہیں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ وہ آٹھواں اُلو ہمیں نواں اور دسواں اُلو بنانے کے چکر میں ہے۔"

"اف..... فوہ..... تم سے نپٹنا آسان کام نہیں۔ اثبات یا نفی کے علاوہ کوئی تیسرا راستہ ہو تو بتاؤ۔ دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو اس بات پر یقین کر لیا جائے یا نہ کیا جائے۔ چلو ہم فرض کئے لیتے ہیں کہ شکیلہ کا بیان قطعی درست ہے۔ اب اس مفروضے کو یقین میں بدلنے کے لئے جو جدوجہد کرنی پڑے گی اس سلسلے میں ہمیں حقیقت کا پتہ چل جائے گا۔ ویسے اس کے علاوہ اگر سچ اور جھوٹ پرکھنے کی کوئی اور آسان تدبیر تمہارے ذہن میں ہو تو بتاؤ۔ اگر اس پر عمل نہ کروں تو جو گدھے کا حشر وہ تمہارا۔"

"میں کہتا ہوں آخر اس کا پیچھا ہی کیوں نہ چھوڑ دیا جائے۔"

"نہیں۔ یہ ناممکن ہے۔ اگر میں نے ایسا کیا تو تمہاری شادی جمیلہ کے ساتھ نہ ہو سکے گی۔"

"چھوڑیئے جی! میں آج کل مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"بڑے افسوس کی بات ہے کہ تم ایک عورت سے بُری طرح خائف ہو۔"

"میں اسے عورت سمجھتا ہی نہیں۔ خدا کی قسم اگر وہ عورت ہے تو میں اب زندگی بھر عورت کا نام نہیں لوں گا۔"

"لیکن اس عورت سے ایک بہت ہی اہم کام لیا جا سکتا ہے۔"

"کیا.....!"

"وہی جو دوسرے لینے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"وہی جنہیں تم بھوت کہتے ہو۔"

"بس بس اب مجھے بہلانے کی کوشش نہ کیجئے۔" حمید نے ماتھے سے پسینہ پونچھتے ہوئے کہا۔

"اس بار آپ کو بھوتوں کا قائل ہی ہونا پڑے گا۔ میں تو آپ کو یہی مشورہ دوں گا کہ اس کے چکر میں نہ پڑیئے۔ یہ پورا قصبہ آسیب زدہ معلوم ہوتا ہے۔"

"بکواس ہے۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

"بھئی مجھے تو اب پیاس معلوم ہو رہی ہے۔ دھوپ ہے کہ دوزخ کی آنچ اور یدھ راج گڑھی کا راستہ شیطان کی آنت۔"

"ٹھہرو.... وہ سامنے کنواں دکھائی دے رہا ہے اور کچھ لوگ پانی بھر رہے ہیں۔"

وہ دونوں لمبے لمبے ڈگ بڑھاتے ہوئے کنوئیں کے قریب آئے۔ یہاں انہوں نے پانی پیا اور پھر چل پڑے۔ گرمی کی شدت کی وجہ سے دونوں کا بُرا حال ہو رہا تھا۔ یدھ راج گڑھی کے منارے تو دکھائی دے رہے تھے لیکن وہ ابھی دور تھی۔ چلتے چلتے حمید بولا۔

"چلئے اگر میں اسے مان بھی لوں کہ وہ بھوت مصنوعی تھے یعنی وہ بھوتوں کا بہروپ تھا تو یہ آپ اس کتے کی آواز کو کس طرح جھٹلایئے گا اس کے لئے کون سا خبطی جواز پیش کیجئے گا۔ کونسی تجرباتی مثال آپ کے آڑے آئے گی۔"

"بھئی اسے میں خود ابھی تک نہیں سمجھا۔ لیکن اس کے باوجود بھی اس سلسلے میں کسی ماورائی قوت کا وجود تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔"

"ٹھیک ہے.... بعض لوگ اپنی عقل کے علاوہ اور کسی چیز کا وجود تسلیم نہیں کرتے۔" حمید زہر خند کے ساتھ بولا۔

"بیٹے اس وقت تو تم مجھ پر طنز کر رہے ہو۔ لیکن اسے یاد رکھو کہ تمہیں بعد کو شرمندہ بھی ہونا پڑے گا۔"

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے چہرے پر بدستور بیزاری کے اثرات بکھرے رہے۔

"میرا خیال ہے۔" فریدی پھر بولا۔ "اگر اس رات کو تمہیں یدھ راج گڑھی میں ایک بار بھی ہوش آیا ہوتا تو شاید تم مر ہی جاتے اور اگر نہ بھی مرتے تو کم از کم اپنا مذہب تو ضرور ہی بدل ڈالتے۔"

"کیا مطلب....!"

"خدا پرستی کے بجائے بھوت پرستی کے قائل ہو جاتے۔"

"یعنی....!"

"یعنی کہ میں ابھی کچھ اور نہیں بتانا چاہتا۔" فریدی نے کہا اور رک کر بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔

دیوانی کی باتیں

تھوڑی دیر بعد وہ یدھ راج گڑھی میں داخل ہو رہے تھے۔ ان کے سامنے ایک عظیم الشان کھنڈر پھیلا ہوا تھا۔ کہیں عمارتوں کے آثار اب بھی باقی تھے۔ منارے تو قریب قریب اب تک محفوظ تھے۔ سب سے پہلے وہ اس منارے کے قریب پہنچے جس پر انہوں نے کتے کی آواز سنی تھی، حمید کانپ کر رہ گیا۔ تھوڑی دیر تک فریدی نیچے سے اوپر تک اسے دیکھتا رہا پھر اس دروازے کے قریب آیا جسے اینٹوں سے بند کر دیا گیا تھا۔ چند لمحے اسے گھورتا رہا اور پھر حمید کی طرف پلٹ آیا۔

"بڑی مشکل تو یہ ہے کہ اسے کھلوانے کے لئے آثار قدیمہ سے اجازت لینی پڑے گی۔" اس نے کہا۔

"اوہ تو اب اس فتنے کو باہر نکالنے کا ارادہ ہے۔" حمید نے کہا۔

"نہ جانے تم کن کن زاویوں سے باتیں کرتے ہو۔" فریدی منہ بنا کر بولا۔ "اگر وہ تمہارے خیال کے مطابق بھوت ہے تو کیا اسے اس قسم کی دیواریں قید کر سکیں گی۔"

"چلئے.... پیچھا چھوڑیئے۔" اس نے یہ بات سوچ سمجھ کر نہیں کہی تھی۔

وہ کافی دیر تک گڑھی کے چکر لگاتے رہے، حمید محسوس کر رہا تھا جیسے وہ کسی خاص چیز کی تلاش میں ہو۔

"ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے آپ کچھ ڈھونڈ رہے ہوں۔" حمید نے کہا۔

"ہاں مجھے ایک باؤلی کی تلاش ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اوہ وہ تو صولت مرزا کے گھر میں موجود ہے۔"

"پھر وہی حرکت....!" فریدی منہ بنا کر بولا۔

"آخر باؤلی کیوں؟" حمید نے سنجیدگی سے پوچھا "آپ کئی بار کسی باؤلی کا تذکرہ کر چکے ہیں۔"

"کوئی خاص بات نہیں۔" فریدی نے لاپرواہی سے کہا۔ "اگر مل جاتی تو اچھا تھا۔ قدیم عمارتوں میں ایک آدھ باؤلی ضرور نظر آتی ہے۔"

"آپ کچھ چھپا رہے ہیں۔"

"نہیں تو.... قطعی نہیں۔" فریدی نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔

تھوڑی دیر تک ادھر ادھر جھک مارنے کے بعد وہ لوٹنے لگے۔ دفعتاً فریدی اینٹوں کے ایک ڈھیر کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ اس کی متجسس نگاہیں کسی چیز پر جمی ہوئی تھیں۔ پھر وہ اینٹوں کے ڈھیر پر چڑھ گیا۔ حمید نے دیکھا کہ وہ جھک کر کوئی چیز اٹھا رہا ہے اور جب اس کے پاس واپس آیا تو اس نے اس کے ہاتھ میں ایک فاؤنٹین پن دیکھا۔

"پارکر ففٹی ون ہے۔" فریدی اسے پرخیال انداز میں دیکھتا ہوا بولا۔ "غالباً یہ وہی جگہ ہے جہاں ہم گرے تھے، لیکن فاؤنٹین پن! کہیں یہ ہمارے ساتھیوں میں سے تو کسی کا نہیں ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ ہم میں سے تو کسی کے پاس بھی پارکر ففٹی ون نہیں تھا۔"

"پھر یہ کس کا ہو سکتا ہے۔" فریدی نے کہا اور ایک بار پھر اینٹوں کے ڈھیر پر چڑھ گیا۔ کافی دیر تک جھکا دیکھتا رہا۔ پھر ایک اینٹ اٹھا کر نیچے اتر آیا۔ جیب سے محدب شیشہ نکال کر اس نے اینٹ کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔

"نشانات تو ہیں۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "یہاں اس مٹی کے دھبے پر، جو اب خشک ہو چکا ہے۔"

حمید اس کے قریب آ گیا۔ فریدی سر اٹھا کر پرخیال انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر آہستہ سے بولا۔

"ہو سکتا ہے کہ یہ ہم میں سے کسی کی انگلیوں کے ہوں۔"

"ہو گا صاحب! اسے پھینکئے اور چل دیجئے۔" حمید نے اکتا کر کہا۔ "نہ جانے آپ کس چکر میں ہیں۔"

"اب شاید بتانا ہی پڑے گا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ پھر اینٹوں کے ڈھیر کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا۔ "دیوار گرنے کے بعد سے صولت مرزا کی حویلی میں پہنچنے تک ہم اسی میں نہیں دبے پڑے رہے تھے۔"

"پھر....!" حمید یک بیک چونک کر بولا۔

"ہوش میں آنے کے بعد میں نے خود کو ایک باؤلی میں پایا تھا اور تم بھی میرے ہی قریب پڑے ہوئے تھے۔"

"میں....!" حمید اچھل کر بولا۔ "لیکن مجھے تو یاد نہیں۔"

"تم بے ہوش تھے۔" فریدی نے کہا۔ "اور مجھے خوشی ہے کہ آخیر تک بیہوش ہی رہے۔"

"کیا مطلب....؟"

"کچھ نہیں مطلب یہ کہ تمہارا ننھا سا دل اس تبدیلی پر دھڑکنے لگتا اور ہو سکتا ہے کہ تم کسی نابالغ لڑکی کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے بھی لگتے۔"

"آخر کیوں؟"

"فضول وقت مت برباد کرو۔ آؤ چلیں۔"

"اس اینٹ کو تو پھینکئے۔"

"نہیں۔ اپنا اطمینان کئے بغیر ایسا نہیں کر سکتا۔ چلو بڑھو۔" فریدی نے اسے دھکا دے کر آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"میں کہتا ہوں کہ یہ نشانات ہمارے ساتھیوں ہی میں سے کسی کے ہوں گے۔" وہ چلتا ہوا بولا۔

"آخر انہوں نے ہی ہمیں اس ڈھیر سے نکالا ہی تھا۔ اس وقت اینٹیں بھیگ رہی ہوں گی لہٰذا ان پر لگی ہوئی مٹی میں نشانات ضرور پڑے ہوں گے۔"

"لیکن ان سے پہلے بھی کسی نے ہمیں اس ڈھیر سے نکالا ہو گا۔ ورنہ ہم باؤلی میں کیوں کر پہنچے اور پھر اس کے بعد دوبارہ ہمیں اس ڈھیر میں دفن کیا ہو گا۔"

"آپ نے خواب دیکھا ہو گا۔"

"ہو سکتا ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "مگر ذرا اسے دیکھو۔"

اس نے اپنا داہنا ہاتھ حمید کے سامنے پھیلا دیا۔

"کیا تم بتا سکتے ہو کہ یہ نشانات کیسے ہو سکتے ہیں۔" اس نے پوچھا۔

"خراش....!"

"جناب....!" فریدی سنجیدگی سے بولا۔ "یہ خراشیں ایک چمگادڑ کے پنجوں کی ہیں۔ جو مجھ پر اس باؤلی میں جھپٹی تھی۔"

"کمال کر دیا آپ نے۔ جب یہاں کوئی باؤلی ہے ہی نہیں تو۔"

"ہے تو ضرور۔" فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔

"دیکھئے میں آپ سے پھر کہتا ہوں کہ اس شیطانی چکر میں نہ پڑیئے۔"

"بکے جاؤ۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ فریدی کو راہ راست پر لانا ناممکن ہے۔ ایک بار کوئی نظریہ قائم کر لینے کے بعد اس کا اس سے ہٹ جانا اتنا ہی مشکل ہے جتنا کہ منہ میں پانی لے کر سیٹی بجانا۔ اب اس نے حمید کی الجھن میں اضافہ کر لینے کے لئے ایک نیا شوشہ چھوڑ دیا تھا۔ سوچ رہا تھا کہ آخر باؤلی والی بات اس نے اسے اتنی دیر سے کیوں بتائی۔ وہاں بھی کوئی خاص قسم کا حادثہ پیش آیا تھا؟ بہر حال یہ بات معلوم ہونے پر حمید کے یقین کو اور زیادہ تقویت پہنچ گئی اور وہ اسے سچ مچ شیطانی کارخانہ سمجھنے پر مجبور ہو گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ کس طرح فریدی کو اس چکر سے نکال لے جائے اور خود بھی جان بچائے۔ اپنی جان تو خیر وہ بچا ہی سکتا تھا۔ اگر وہ واپس جانے پر اڑ جائے تو فریدی اسے باندھ کر تو رکھنے سے رہا۔ لیکن وہ اس قسم کی کوئی حرکت نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ فریدی کو کسی خطرے میں چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔ اس کی وجہ افسری اور ماتحتی کا خیال نہیں تھا۔ فریدی کی شخصیت اور کردار نے اسے اپنا غلام بنا لیا تھا۔ وہ اس کے بے پناہ خلوص کا پجاری تھا۔ اس کی اس محبت پر جان دیتا تھا، جو صرف چھوٹے بھائی ہی کے لئے ہو سکتی ہے۔ بہر حال وہ اس طرح نہیں بھاگ سکتا تھا جس سے ان کے جذباتی رشتے مجروح ہوتے۔

"لیکن ذرا یہ تو بتایئے۔" وہ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔ "کہ آپ کی خودداری کہاں قیام کرے گی۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"میرا خیال ہے کہ کوئی شریف آدمی کسی ایسی جگہ نہیں رہ سکتا جہاں لوگ اس کے قیام کے خواہشمند نہ ہوں۔"

"اوہ....؟" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تو گویا تم اب تک جمیلہ کے خیال میں ڈوبے ہوئے ہو۔"

"میں نے تو اپنی بڑی توہین محسوس کی ہے۔"

"مگر ہم تو صولت مرزا کے مہمان ہیں۔"

"چہ خوب.... گویا جمیلہ صولت مرزا کی لڑکی نہیں ہے۔"

"ہے کیوں نہیں.... لیکن پاگل ہے۔"

"مجھے تو یہاں سبھی پاگل دکھائی دیتے ہیں۔"

"اچھا تو تمہارا انتظام ارسلانوس کے یہاں کرا دوں گا۔"

"بہتر ہو گا کہ آپ مجھے کسی ریچھ یا بھیڑیئے کے سپرد کر دیجئے۔"

"ارے نہیں۔ بڑا پیارا آدمی ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"اپنا اپنا ذوق ہے۔ بہر حال میں اس ڈارون کے پٹھے کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔"

"اوہو.... تو بے چارے ڈارون پر کیوں غصہ اتار رہے ہو۔"

"محض اس لئے کہ یہ ساری بیداری اس کی پھیلائی ہوئی ہے جس کی وجہ سے لوگوں نے غیر مرئی قوتوں پر یقین کرنا چھوڑ دیا۔"

"بیٹے حمید صاحب یہ خیال اپنے ذہن سے نکال لو۔ ورنہ مجھے تم سے نفرت ہو جائے گی۔"

"کاش نفرت ہی ہو جاتی۔"

"اچھا ذرا تیز چلو۔" فریدی نے اسے پھر دھکا دیا۔

"چل تو رہا ہوں۔ اب کیا سر کے بل چلوں۔"

تین بجتے بجتے وہ لوگ اپنی قیام گاہ پر پہنچ گئے۔ انہوں نے دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا اور نہ صولت مرزا کو اطلاع ہی دے کر گئے تھے۔ صولت مرزا کافی دیر تک بزرگانہ انداز میں فریدی کو برا بھلا کہتا رہا۔ حمید اندر ہی نہیں گیا۔ اس نے فریدی سے کہہ دیا تھا کہ وہ اس کی چائے اس کے کمرے میں بھجوا دے۔ کمرے میں آ کر اس نے دروازہ بند کر لیا اور سوچنے لگا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ اس گھر میں مزید قیام کرنے کے خیال ہی سے اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔ وہ پائپ میں تمباکو بھر کر اسے سلگاتا ہوا ایک آرام کرسی پر لیٹ گیا۔ راستے کی تھکن پچھلی رات کی بیداری ایک بوجھ کی طرح اس کے ذہن پر مسلط ہوتی جا رہی تھی۔ اس نے تین چار گہرے گہرے کش لینے کے بعد جلی ہوئی تمباکو ایش ٹرے میں جھاڑ دی اور پھر آرام کرسی پر نیم دراز ہو کر اونگھنے لگا۔

ابھی اچھی طرح آنکھ نہیں لگی تھی کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ حمید منہ سکوڑتا ہوا اٹھا۔ ساتھ ہی وہ بڑبڑاتا بھی جا رہا تھا۔ کوئی تک ہے ابھی سے چائے بھی آ گئی ان لوگوں کو سوا

کھانے پینے کے کچھ اور بھی آتا ہے۔ کیا مصیبت ہے.... ارے باپ؟

دروازہ کھولتے ہی وہ بے اختیار اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔

دروازے میں جمیلہ کھڑی اسے گھور رہی تھی۔

"جی ہاں....!" حمید بوکھلا کر بولا "مم.... میں سامان ہی.... بب.... باندھ رہا تھا۔"

جمیلہ اندر چلی گئی اور حمید کے جسم سے پسینہ چھوٹ پڑا۔

"وہ دیکھئے نا....!" وہ پھر بولا۔ "یہ بکس ہے نا.... ذرا اس کی کنڈی کچھ سخت ہو گئی ہے۔ ارے.... ہولڈال کہاں ہے۔ بستر بندھ گیا۔ بالکل بندھ گیا۔"

جمیلہ آرام کرسی پر بیٹھ گئی۔

"آپ اتنے مضحکہ خیز کیوں ہوئے جا رہے ہیں۔" جمیلہ پرسکون لہجے میں بولی۔ حمید نے محسوس کیا کہ وہ سچ مچ خواہ مخواہ اُلو ہوا جا رہا ہے۔ اس سے یہ حرکت قطعی غیر ارادی طور پر سرزد ہوئی تھی۔ لہٰذا اب وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگا اور کسی حد تک اس میں کامیاب بھی ہوا لیکن اس کا نچلا ہونٹ ابھی تک خود بخود پھڑکے جا رہا تھا۔ نہ جانے کیوں اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس میں کوئی کمی رہ گئی ہو۔

"مجھے اپنے رویے پر افسوس ہے۔" جمیلہ آہستہ سے بولی۔ "میں غصے میں تھی۔"

"اوہ کوئی بات نہیں.... کوئی بات نہیں۔"

"لیکن میں کیوں غصے میں تھی؟" جمیلہ نے سوال کیا اور حمید پھر بوکھلا گیا۔ اس نے یہ سوال محض باتوں کی رو میں کیا تھا۔ ورنہ جواب طلب نظروں سے حمید کی طرف دیکھتی نہ رہتی۔

"غالباً آپ کو فریدی صاحب پر غصہ آیا ہو گا۔" حمید نے کافی سوچ بچار کے بعد کہا۔

"بھلا ان پر کیوں آتا۔"

اس دوسرے سوال پر حمید جھنجھلا گیا۔ اس دوران میں اس نے خود کو کافی سنبھال لیا تھا اور اس کا دماغ سوچنے سمجھنے کے قابل ہو گیا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کی وہ ساری صلاحیتیں بھی جاگ اٹھی تھیں جو عورتوں کو اپنی طرف متوجہ کر لینے کے لئے کافی ہوتی تھیں۔

"شاید آپ کو ان کی بے ڈھنگی چال پر غصہ آیا ہو گا۔" اس نے کہا۔

"تو گویا میں اب تک ان کی چال دیکھتی رہی ہوں۔" جمیلہ نے ناخوشگوار لہجے میں سوال کیا۔

"آپ غلط سمجھیں۔ یہ بات نہیں۔ قاعدہ ہے کہ بعض بے ہنگم چیزوں پر خود بخود نظر پڑ جاتی ہے۔"

جمیلہ خاموش ہو گئی۔ اس کی نظریں سامنے والی دیوار پر جمی ہوئی تھیں اور حمید گھبرا گھبرا کر اس کی نظروں کا تعاقب کر رہا تھا کہ کہیں دیوار سے کوئی بھیانک چیز نہ نکل پڑے۔

"بہر حال میں غصے میں تھی۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"مجھے قطعی افسوس نہیں ہے۔" حمید جلدی سے بولا۔ "غصے میں آدمی کہنا کچھ چاہتا ہے منہ سے نکلتا کچھ ہے۔ مثلاً میں ہی غصے کی حالت میں بڑی بے تکی باتیں کرنے لگتا ہوں۔ اگر غصے میں کسی کو گدھا کہنا ہو گا تو ٹماٹر یا چقندر کہہ جاؤں گا۔"

جمیلہ کے ہونٹوں پر ایک بے جان مسکراہٹ پھیل گئی۔ بہر حال حمید کی عاقبت روشن کرنے کے لئے یہی کافی تھا۔ وہ اچھی طرح چہکنے کے موڈ میں آ گیا۔

"اب ایک بار کا لطیفہ سنئے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "ایک نوکر پر ایک دن بڑا تاؤ آیا۔ کہنا یہ چاہتا تھا کہ سور کے بچے جہنم میں جاؤ۔ لیکن بوکھلاہٹ میں کہہ گیا جہنم کے بچے سور میں جاؤ۔ لہٰذا وہ مرعوب ہونے کے بجائے سر پیٹ پیٹ کر ہنسنے لگا۔"

جمیلہ پھر مسکرائی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اچانک اس طرح سنجیدہ ہو گئی جیسے حمید نے اسے گالی دی ہو۔

"میں یہاں آپ سے فلرٹ کرنے نہیں آئی۔" اس کے لہجے میں حمید نے ناقابل برداشت قسم کی تلخی محسوس کی۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔ وہ اس کے دوسرے جملے کا منتظر تھا اور خود جمیلہ کے انداز کی تشنگی یہ بات ظاہر کر رہی تھی کہ وہ اس ایک جملے پر اکتفا نہ کرے گی۔ وہ کچھ کہنا ضرور چاہتی تھی لیکن چہرے پر ہچکچاہٹ کے آثار تھے۔

"میں آپ سے صاف صاف باتیں کرنا چاہتی ہوں۔"

"آپ یقین رکھیں کہ وہ صرف مجھ تک ہی محدود رہیں گی۔"

جمیلہ کے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ والد صاحب نے تم لوگوں کو بھی اس سازش میں شریک کیا ہے۔"

"سازش....!" حمید چونک کر بولا۔

"ہاں سازش....!" وہ تیز لہجے میں بولی۔ "بہت دنوں سے برداشت کر رہی تھی لیکن اب

ضبط کی سرحدوں سے باہر ہو چکی ہوں۔ والد صاحب نے شاید تمہیں یہ نہیں بتایا کہ وہ مجھے کیوں بدنام کر رہے ہیں۔"

"بدنام کر رہے ہیں۔" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"بھولے مت بنو۔ میں سب کچھ جانتی ہوں۔"

حمید حیرت سے اس کا منہ دیکھتا رہا اور وہ بولتی رہی۔

"والد صاحب اس لئے مجھے بدنام کر رہے ہیں کہ میری شادی نہ ہو سکے۔ اگر شادی ہو گئی تو وہ تین لاکھ کی رقم ان کے ہاتھ سے نکل جائے گی جو نانا جان مرحوم خاص طور پر میرے نام سے بنک میں جمع کرا گئے ہیں۔"

"اوہ.....!"

"پھر تم نے ایکٹنگ شروع کی۔" جمیلہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ "تم مجھے کسی طرح اس بات کا یقین نہیں دلا سکتے کہ تم دونوں اس سازش میں شریک نہیں ہو۔"

حمید نے سوچا کہ کیوں نہ فی الحال اس کی ہاں میں ہاں ملائی جائے۔

"میں ایکٹنگ نہیں کر رہا ہوں۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔ "ممکن ہے آپ کا خیال درست ہو لیکن مجھے اس کا کوئی علم نہیں۔ ابھی تک فریدی صاحب نے مجھے کچھ بتایا ہی نہیں۔"

جمیلہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر سر اٹھا کر آہستہ سے گلوگیر آواز میں بولی۔

"میری زندگی برباد کر کے تم لوگوں کو کیا ملے گا۔ والد صاحب کو سمجھا دو کہ مجھے وہ تین لاکھ روپے نہیں چاہئیں لیکن میں اب اس گھر میں نہیں رہ سکتی۔"

"میں انہیں سمجھا دوں گا۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا تم نے کبھی اور بھی کسی ایسی بیماری کا نام سنا تھا جیسی مجھ سے منسوب کی جاتی ہے۔"

"کبھی نہیں۔"

"کیا تم نے بھی مجھے کسی رات کو دورے کی حالت میں چلتے پھرتے دیکھا تھا۔"

"ہرگز نہیں۔" حمید نے سفید جھوٹ بولا۔

"تو پھر وہ سیاہی میری میز پر کس طرح گری تھی؟" جمیلہ نے حمید کو گھور کر پوچھا۔

"میں کیا جانوں.....میں نے فریدی صاحب کی زبانی سنا تھا۔"

"آخر انہیں ان باتوں سے کیا مل جائے گا۔ میں نے سنا تھا کہ وہ مجبوروں کی مدد کرتے ہیں۔ پھر آخر میرے لئے کیوں اتنے تنگدل بن گئے ہیں۔"

"میں انہیں سمجھا دوں گا۔" حمید جلدی سے بولا۔

نہ جانے کیوں اسے اس سے کچھ کچھ ہمدردی سی ہو چکی تھی۔ لیکن وہ ان معاملات کو سمجھنے سے قاصر تھا۔ کیوں کہ وہ خود اسے دو بار دورے کی حالت میں دیکھ چکا تھا۔ وہ سوچتا رہا۔

"میں نے سب کچھ آپ کے سامنے رکھ دیا؟" جمیلہ اٹھتی ہوئی بولی۔ "اب جو کچھ آپ کا ضمیر گوارا کرے۔"

"آپ مطمئن رہئے۔" حمید بھی مودبانہ انداز میں اٹھتا ہوا بولا۔

جمیلہ چلی گئی اور وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھتا رہا۔ اس کا ذہن قلابازیاں کھانے لگا تھا۔ آخر اس گھر میں ہو کیا رہا ہے۔ باپ کچھ بیٹی کچھ۔ دوسری بیٹی دماغ خراب کرنے کے لئے مہمل اشعار بانٹتی ہے اس نے پچھلی رات کو وہ منظر بھی دیکھا تھا جب بیٹی نے باپ کے منہ پر تھپڑ رسید کیا تھا اور وہ سب کیا تھا۔

وہ بے صبری سے فریدی کا انتظار کرنے لگا لیکن وہ نہ آیا۔ اس دوران میں چائے بھی آئی لیکن نہ تو صولت مرزا دکھائی دیا اور نہ فریدی.... برآمدے میں ایک آدھ بار شکیلہ پر ضرور نظر پڑی۔ لیکن اس نے حمید کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ حمید تھوڑی دیر تک بیٹھا الجھتا رہا۔ پھر برآمدے میں نکل آیا۔

رات ہوئی لیکن فریدی کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ حمید نے صولت مرزا سے پوچھا۔ لیکن اس نے لاعلمی ظاہر کی۔ آخر حمید تھک ہار کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ حالانکہ جمیلہ سے اس کی گفتگو ہو چکی تھی۔ لیکن وہ رات کے تصور ہی سے لرز رہا تھا۔ کھانا کھا چکنے کے بعد اس نے نہایت احتیاط سے کمرے کے سارے دروازے بند کر دیئے اور انتہائی گرمی کے باوجود بھی بند کمرے میں سو گیا۔

کتبے کا سراغ

دوسرے دن فریدی ناشتے کی میز پر صولت مرزا سے کہہ رہا تھا۔

"آج ہم لوگ واپس جا رہے ہیں۔"

ناشتے پر اس وقت یہی تینوں تھے۔ حمید چونک کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ اس نے ابھی تک اس سے یہی نہیں پوچھا تھا کہ وہ پچھلی رات کو کہاں رہ گیا تھا۔ اس وقت وہ اور .... صولت مرزا ناشتہ ہی کر رہے تھے کہ وہ بھی آ گیا تھا اور قبل اس کے کہ اس سے رات کی غیر حاضری کا سبب پوچھا جاتا اس نے آج کی روانگی کا ذکر چھیڑ دیا۔

"تو کیا تم ہمیں اس مصیبت میں چھوڑ کر چلے جاؤ گے۔" صولت مرزا نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں آپ ہی کیلئے ایسا کر رہا ہوں۔ فی الحال یہاں رہ کر میں آپ کے کسی کام نہ آسکوں گا۔"

فریدی نے چائے کی پیالی رکھ کر سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

صولت مرزا چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔

"رات کہاں رہ گئے تھے۔"

"تھانے کے انچارج نے روک لیا تھا۔ لہٰذا رات اس کے ساتھ بسر کرنی پڑی۔ مجھے امید ہے کہ آپ نے برا نہ مانا ہوگا۔"

"اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے۔" صولت مرزا نے فکرمندانہ انداز میں کہا۔

"تو کس ٹرین سے جاؤ گے۔"

"تین بجے والی سے۔"

اس گفتگو کے علاوہ بقیہ وقت میں خاموشی ہی رہی۔

ناشتے کے بعد فریدی اور حمید عقبی پارک میں آبیٹھے۔

"اب بتائیے کہ آپ رات کہاں تھے۔" حمید نے پوچھا۔

"اسی پارک میں۔"

"یہاں....!" حمید چونک کر بولا۔

"ہاں....!"

"پھر....!"

"نہ تو رات اس پر دورہ ہی پڑا اور نہ وہ بھوت دکھائی دیئے۔"

"کل رات دورہ نہیں پڑا....؟" حمید نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔

"نہیں۔"

"آخر کل کیوں نہیں پڑا۔"

"نہ پڑا ہوگا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"تو پھر آپ کیا کرتے رہے۔"

"بھوتوں کا انتظار۔"

"واقعی آپ دیوانگی کی حد تک پہنچ چکے ہیں۔"

فریدی مسکرانے لگا۔ کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔

"جانتے ہو وہ فونٹین پن کس کا تھا۔"

"یہی جانتا ہوتا تو لوگ ولی اللہ نہ کہتے۔" حمید بیزاری سے بولا۔ لیکن فریدی نے اس کے لہجے پر دھیان دیئے بغیر کہا۔ "وہ فونٹین پن جمیلہ کا تھا۔"

"ارے....!" حمید تقریباً اچھل پڑا۔ "کس سے معلوم ہوا۔"

"صولت مرزا سے۔"

"پھر اس نے آپ سے یہ بھی پوچھا ہوگا کہ وہ آپ کو ملا کہاں سے۔"

"یقیناً۔ یہ ایک قدرتی سوال تھا۔" فریدی مسکرایا۔

"پھر آپ نے کیا کہا۔"

"ظاہر ہے کہ میں نے اسے حقیقت نہ بتائی ہوگی۔"

"آپ یک بیک شہر کے لئے کیوں تیار ہو گئے۔"

"اس کتبے کے چکر میں ہوں جس پر سے وہ اشعار نقل کئے گئے تھے۔"

"لاحول ولا قوۃ۔" حمید منہ بنا کر بولا۔ "میں آپ کو اتنا ناسمجھ نہیں سمجھتا تھا۔"

"خیریت.... خیریت۔" فریدی مسکرایا۔ "تم عقلمند کب سے ہو گئے۔"

"میں کسی وجہ سے ایسا کہہ رہا ہوں۔" حمید نے فریدی کے لہجے کی نقل اتاری اور فریدی بے اختیار ہنس پڑا۔

"پیر و مرشد اس راز سے ذرا ہیچ مقدار کو بھی آگاہ فرما کر رونے کا موقع دیجئے۔"

حمید نے فلسفیانہ انداز میں اُلو کی طرح اپنے دیدے پھرائے اور جمیلہ کی گفتگو بیان کر چکا۔
پھر جب اس نے اس موقع پر یہ تصور کرتے ہوئے کہ فریدی کی آنکھیں چمکنے لگی ہوں گی اس
طرف دیکھا تو اس کا سارا جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔ فریدی کے چہرے سے کچھ ایسی بے تعلقی ظاہر ہو رہی
تھی جیسے وہ اب تک کسی ضدی بچے کی "ریں ریں اور ٹیں ٹیں" سنتا رہا ہو۔

"پھر کیا ہوا۔" حمید کے خاموش ہوتے ہی اس نے لاپرواہی سے پوچھا۔

"میرا سر....!" حمید بھنا کر بولا۔

"پھٹا تو نہیں۔" فریدی نے ہمدردانہ انداز میں پوچھا۔

"آپ مجھے اُلو سمجھتے ہیں۔" حمید نے چیخ کر کہا۔

"نہیں الو سے بھی اونچی چیز۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "آخر تم اس دیوانی لڑکی اور اس
کی باتوں کو کیوں اتنی اہمیت دیتے ہو۔"

"معلوم نہیں آپ کس چکر میں ہیں اور کیا سوچتے ہیں۔"

"میں یہ اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ لڑکی کچھ نہیں جانتی۔ حتیٰ کہ اسے اپنے متعلق بھی کچھ
نہیں معلوم۔"

"یہ کتنے عرصے کے تجربات کا نچوڑ ہے۔" حمید نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"اخاہ! اب آپ بھی طنز فرمانے لگے.... صاحبزادے ہو۔"

"شکریہ! میں نے یہ کبھی نہیں کہا کہ حرام زادہ ہوں۔"

"خیر فضول باتیں چھوڑو.... ہمیں چلنے کی تیاری بھی کرنی ہے۔"

وہ دونوں اٹھ کر اس کمرے میں چلے آئے جہاں ان کا سامان رکھا ہوا تھا۔ حمید منتشر
چیزیں اکٹھا کرنے لگا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ گنگناتا بھی جا رہا تھا۔ اسے خوشی تھی کہ وقتی ہی طور
سہی اس بھوت خانے سے نجات تو مل رہی ہے۔

"تو آپ اس کتبے کو کہاں تلاش کرتے پھریں گے۔" حمید نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

فریدی آرام کرسی پر آنکھیں بند کئے لیٹا تھا۔ حمید کے مخاطب کرنے پر اٹھ بیٹھا۔

"کیا پوچھا تھا تم نے۔"

حمید نے اپنا سوال دہرایا۔

"اس کے لئے زیادہ تکلیف نہ اٹھانی پڑے گی۔" فریدی نے انگڑائی لے کر کہا۔ "صولت مرزا
سے معلوم ہوا ہے کہ کھدائی کرنے والے یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ سے تعلق رکھتے تھے۔ ظاہر
ہے کہ اگر اس قسم کی کوئی چیز برآمد ہوئی تھی تو وہ یونیورسٹی کے میوزیم میں ضرور موجود ہوگی۔"

"تو یقین کیجئے کہ وہ کتبہ موجود نہ ہوگا۔" حمید نے کہا۔

"کیوں....!"

"ارے صاحب یہ سب مل کر ہمیں بے وقوف بنا رہے ہیں۔ مجھے تو ان کی کسی بات پر یقین
نہیں آیا۔"

"ایسی بے یقینی بھی ٹھیک نہیں۔ خصوصاً ایک سراغ رساں کے لئے۔"

"سراغ رساں....!" حمید ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "چھٹیوں میں، میں خود کو قطعی سراغ رساں
نہیں سمجھتا۔ یہ سعادت تو کچھ آپ ہی کے حصے میں آئی ہے۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ اس کی آنکھیں گہرے تفکر کا پتہ دے رہی تھیں۔

"لیکن یہ تو بتائیے۔" حمید پھر بولا۔ "وہ کتبہ شکیلہ کے ہاتھ کیسے لگا تھا۔"

"کھدائی کرنے والوں نے صولت مرزا ہی کے گھر قیام کیا تھا۔"

"اوہ تو.... بہر حال صولت مرزا وغیرہ نے آپ کو اچھی طرح جکڑ لیا ہے۔"

"اچھا سنو....!" فریدی پر خیال انداز میں بولا۔ "اب ہم ان معاملات کے متعلق قطعی کوئی
بات نہ کریں گے۔"

حمید اسے معنی خیز نظروں سے دیکھتا رہا۔ پھر سر کو خفیف سی جنبش دے کر اپنے کام میں
مشغول ہو گیا۔

اس کیس میں کچھ اس قسم کے الجھاوے پیدا ہو گئے تھے کہ حمید نے اس کی طرف سے اپنے
ذہن کو بے تعلق کر لینے ہی میں بھلائی دیکھی۔ اس کا خیال تھا کہ صولت مرزا وغیرہ انہیں کسی
جال میں پھانسنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن فریدی اس پر یقین کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔
حالانکہ فی الحال اس کے پاس اپنے نظریئے کی پختگی کے ثبوت میں کافی دلائل نہیں تھے لیکن پھر
بھی وہ اس بات پر اڑا ہوا تھا کہ کوئی دوسرا ان لوگوں کو اپنا آلہ کار بنائے ہوئے ہے۔

حمید سوچ رہا تھا کہ اگر جمیلہ ان واقعات سے بے تعلق ہے تو پھر اس کا فاؤنٹین پن یدھ راج

گڑھی میں کس طرح پہنچا اور پھر خلاف معمول پچھلی رات کو اس پر دورہ کیوں نہیں پڑا۔ وہ ارسلانوس کو بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی سمجھنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ محض اس لئے کہ یہ ثابت کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا کہ تحت عقرب یدھ راج گڑھی میں موجود نہیں ہے تو کیا ان سب شیطانی حرکتوں میں اس کا بھی ہاتھ ہے۔ ہو سکتا ہے یہی بات ہو کیونکہ اس کے اور صولت مرزا کے تعلقات اچھے بھی نہیں معلوم ہوتے۔ دونوں ملتے ضرور ہیں لیکن ان کے درمیان میں کوئی ناخوشگوار سا جذبہ حائل معلوم ہوتا ہے۔ ایک بار ارسلانوس نے اس کی برائیاں بھی تو بیان کی تھیں اور جمیلہ کی حرکات کو محض ڈھونگ قرار دیا تھا تاکہ گھر والوں پر اس کا رعب قائم رہے۔ اس کے برخلاف جمیلہ اس بات کی شاکی ہے کہ اس کے گھر والے اسے بدنام کر کے شادی سے روکنا چاہتے ہیں۔

حمید نے لاکھ کوشش کی کہ اپنے ذہن کو ان واقعات کی طرف سے ہٹا لے۔ لیکن کامیاب نہ ہوا۔ یدھ راج نگر سے روانگی کے وقت اس کا دماغ بُری طرح پک رہا تھا اور چہرے پر گہرے تفکر کے آثار تھے۔ لیکن اس کے برخلاف فریدی بالکل ہی سیدھے سادھے موڈ میں تھا.... روانگی سے قبل اس نے صولت مرزا سے الوداعی ملاقات اس طرح کی جیسے وہ اب تک ان کے یہاں محض سیر و تفریح کرتا اور دعوتیں اڑاتا رہا ہو۔ حمید نے اس وقت ایک بات اور بھی محسوس کی کہ جمیلہ خلاف عادت بہت زیادہ بشاش نظر آ رہی تھی اور بقیہ لوگوں کے چہروں پر وہی آثار تھے، جو کسی مہمان کو رخصت کرتے وقت ظاہر ہوتے ہیں۔ خصوصاً صولت مرزا بہت زیادہ پریشان اور اداس معلوم ہو رہا تھا۔

جمیلہ انہیں اسٹیشن تک چھوڑنے کے لئے آئی۔ صولت مرزا بھی آ رہا تھا لیکن فریدی نے روک دیا۔

گاڑی پندرہ یا بیس منٹ لیٹ تھی حمید کو اس وقت سخت حیرت ہو رہی تھی کہ فریدی نے جمیلہ سے سوائے چند رسمی باتوں کے اور کوئی بات نہ کی۔ آخر کیوں؟ حمید کا خیال تھا کہ جمیلہ اس ڈرامے کی خاص کردار ہے لیکن فریدی اسے بُری طرح نظر انداز کر رہا تھا۔ وہ سمجھا تھا کہ فریدی اسے تنہا پاتے ہی اس پر سوالات کی بوچھاڑ کر دے گا۔ اس دوران میں فریدی کسی کام سے ان کے پاس سے ہٹ گیا اور جمیلہ حمید سے بولی۔

"میں آپ کی شکر گزار ہوں۔ لیکن آپ نے ان باتوں کا تذکرہ والد صاحب سے تو نہیں کیا۔"

"نہیں نہیں.... میں اتنا ناسمجھ تو نہیں ہوں۔" حمید جلدی سے بولا۔

"شکریہ...." وہ آہستہ سے بولی۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر کہنے لگی۔ "میں ایک بہت بڑے عذاب میں مبتلا ہوں۔ کبھی کبھی میرا دل مجھے بغاوت پر ابھارتا ہے۔ لیکن پھر افسوس ہوتا ہے۔ میں ہر وقت کسی نہ کسی ذہنی کشمکش میں مبتلا رہتی ہوں۔ کبھی کبھی میرے منہ سے ایسی باتیں بھی نکل جاتی ہیں جو مجھے نہ کہنی چاہئیں۔"

"ہوتا ہے بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے۔" حمید نے کہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کہنا چاہئے۔

"آپ نے فریدی صاحب سے اس کا تذکرہ ضرور ہی کیا ہوگا۔" جمیلہ نے پوچھا۔

"قطعی نہیں۔" حمید جلدی سے بولا۔ "ورنہ پھر بات ہی کیا رہ جاتی۔ میں نے بس کسی طرح انہیں واپس چلنے پر راضی کر لیا۔"

جمیلہ نے سر جھکا لیا اور پھر جب اس نے نظریں اٹھائیں تو حمید نے اس کے چہرے پر ندامت کے آثار دیکھے۔ سارا تیکھا پن نہ جانے کہاں غائب ہو گیا تھا۔ اس کی بجائے اس کے چہرے پر ایک غم آلود نزاہٹ پھیل گئی تھی اور آنکھیں کسی گہری سوچ اور پُرسکون جھیل کی طرح حسین اور طمانیت بخش نظر آنے لگی تھیں۔ پھر حمید دوسرے ہی لمحے میں یہ بھی بھول گیا کہ وہ تھوڑی دیر قبل اس سے خائف تھا۔ اسے وہ پُراسرار بھوت بھی نہ یاد رہ گئے۔ اس نے اس تھپڑ کو بھی فراموش کر دیا جسے ایک بیٹی نے اپنے باپ کے منہ پر رسید کیا۔ وہ سب کچھ بھول گیا اس کے ذہن میں صرف ایک ہی خیال تھا وہ یہ کہ جمیلہ غیر معمولی حسن کی مالک ہے۔ کسی بڑے آرٹسٹ کا ایک اچھوتا خیال۔

شہر پہنچتے پہنچتے رات ہو گئی اور فریدی کو اس کتبے کے متعلق چھان بین ملتوی کر دینی پڑی۔

حمید بہت زیادہ تھکا ہوا تھا اس لئے زیادہ دیر تک نہ جاگ سکا۔ لیکن رات میں جب بھی اس کی آنکھیں کھلیں اس نے فریدی کی لائبریری میں روشنی دیکھی۔

دوسرے دن صبح اسے نوکروں سے معلوم ہوا کہ فریدی رات بھر لائبریری ہی میں رہا اور اس وقت وہ ایک آرام کرسی پر پڑا سو رہا تھا۔ حمید نے اسے جگانا مناسب نہ سمجھا۔ وہ جانتا تھا کہ جتنی دیر سونے کا تہیہ کر چکا ہے اتنی ہی دیر سوئے گا۔ اس نے نہ جانے کس طرح یہ عادت ڈال لی

تھی۔ یہ چیز کسی عام آدمی کے بس کا روگ نہیں۔ اچھے اچھے بااصول قسم کے لوگ بھی نیند پر قابو نہیں پاتے۔ لیکن فریدی کا خیال تھا کہ جتنی دیر بعد جاگنے کا تہیہ کر لیتا اس سے ایک منٹ بھی ادھر ادھر نہ ہوتا۔ وہ اکثر حمید سے کہا کرتا تھا کہ وہ اس کی قوت ارادی کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے۔ قوت ارادی کی تربیت انسان کو کسی چیز کی پابند نہیں بنا سکتی۔ خواہ وہ موت ہی کیوں نہ ہو اور حمید کو سچ مچ اس کا تجربہ بھی ہو چکا تھا۔ اس نے ایک نہیں سینکڑوں بار فریدی کو موت کے منہ سے نکلتے دیکھا تھا۔

آٹھ بجے فریدی سو کر اٹھا لیکن وہ بہت خاموش خاموش تھا۔ چہرے پر گہرے تفکر کے آثار تھے اور آنکھیں ابھی تک نیند میں ڈوبی ہوئی معلوم ہو رہی تھیں۔ ناشتے کے دوران میں اس نے بہت کم گفتگو کی۔ وہ بھی اس کیس یا زیر تفتیش کتبے کے متعلق نہیں تھی۔

دس بجے وہ دفتر کے لئے روانہ ہو گئے۔ فریدی دیر تک دفتر میں بیٹھا۔ اس نے صرف حاضری بتائی۔ دو ایک کاغذات دیکھے اور پھر اٹھ کر کہیں چلا گیا۔ حمید نے شام چار بجے تک اس کا انتظار کیا۔ لیکن وہ جب واپس نہ آیا تو مجبوراً اسے ٹیکسی ہی پر گھر واپس ہونا پڑا کیونکہ فریدی اپنی کار ساتھ لے گیا تھا۔

وہ گھر پر بھی موجود نہیں تھا۔ حمید غسل اور ناشتے سے فارغ ہو کر یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اب کیا کرے کہ فریدی کی آواز سنائی دی۔ وہ برابر کے کمرے میں کسی سے باتیں کر رہا تھا۔ حمید آہستہ آہستہ چلتا ہوا کھڑکی کے قریب آیا۔ فریدی کا مخاطب ایک ادھیڑ عمر کا بھاری بھرکم آدمی تھا جس کا سر انڈے کے چھلکے کی طرح صاف اور نچلا جبڑا اتنا بھاری تھا کہ غیر متناسب معلوم ہوتا تھا۔ آنکھیں چھوٹی چھوٹی تھیں۔ نہ جانے ان میں کیا بات تھی کہ حمید کو ہاتھی کی آنکھیں یاد آ گئیں۔ سفید قمیض اور پتلون میں وہ بڑا بارعب معلوم ہو رہا تھا۔ گفتگو کرتے وقت اس کی ٹھوڑی کچھ اس انداز سے ہل رہی تھی کہ حمید کا ذہن ایک ایسے بھیڑیئے کے تصور سے خالی نہ رہ سکا جو اپنے شکار کی بوٹیاں نوچ رہا ہو۔ فریدی اسے ساتھ لے کر اپنے عجائبات کے کمرے میں چلا گیا۔

حمید متحیر تھا کہ وہ کون ہے۔ اُس نے اسے کہیں نہ کہیں دیکھا ضرور تھا۔ لیکن اسے اچھی طرح یقین تھا کہ اس نے اسے فریدی کے ساتھ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ بھی آہستہ آہستہ عجائبات کے کمرے کی طرف بڑھا۔ فریدی اس نووارد کو بعض قدیم اور تاریخی چیزیں دکھا دکھا کر ان پر

تبصرہ کر رہا تھا۔

حمید نے دیکھا کہ نووارد بھی کبھی کبھی اظہار خیال کر دیتا ہے۔ وہ ہر چیز کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ حمید نے محسوس کیا کہ فریدی اسے خاص طور پر قدیم کتبوں اور مخطوطات کے نمونے دکھا رہا ہے۔

"میں ان چیزوں پر عاشق ہوں۔" فریدی نے اسے کہا۔ "اور جہاں کہیں بھی مجھے کوئی پرانا کتبہ دکھائی دیتا ہے اسے خرید لینے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتا ہوں۔"

"اچھا شوق ہے۔" نووارد نے سر ہلا کر کہا۔ "خیر میری تو عمر ہی اس دشت کی سیاحی میں گزری ہے لیکن اتنے نمونے خود میرے پاس بھی نہیں ہیں۔"

"خیر بہر حال۔" فریدی اسے سگار پیش کرتا ہوا بولا۔ "مجھے امید ہے کہ ایک مشترک شوق رکھنے کی بناء پر ایک دوسرے سے آئندہ بھی ملتے رہیں گے۔"

"ضرور ضرور....!" نووارد مسکرا کر بولا۔ "یہ حقیقت ہے کہ مجھے آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی ہے۔"

وہ دروازے کی طرف آ رہے تھے۔ اسلئے حمید سامنے سے ہٹ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

فریدی اسے رخصت کرنے کے لئے پھاٹک تک آیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ حمید سے کہہ رہا تھا۔

"تم نے بہت اچھا کیا کہ اس کے سامنے نہیں آئے۔"

"کیوں....؟ وہ کون تھا۔"

"یونیورسٹی کے شعبہ تواریخ کا صدر ڈاکٹر بھٹناگر۔"

"تو آپ اسی کتبے کے چکر میں ہیں۔"

"ہاں! یدھ گڑھی کی کھدائی اسی کی نگرانی میں ہوئی تھی۔"

"وہ کتبہ....!"

"یونیورسٹی کے میوزیم میں موجود نہیں ہے۔ ڈاکٹر بھٹناگر کا کہنا ہے کہ اس قسم کا کوئی کتبہ برآمد نہیں ہوا۔"

"وہ تو میں پہلے ہی جانتا تھا...." حمید مسکرا کر بولا۔

"تم غلط جانتے تھے۔" فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد کھڑکی کے باہر دیکھتا ہوا بولا۔ "جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ کھانا مئے پول میں کھائیں گے۔"

"کوئی خاص بات۔" حمید اسے معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگا۔

"ہو سکتا ہے کوئی خاص بات ہی ہو جائے۔ جلدی کرو۔"

"دوڑ دھوپ نہیں کروں گا۔" حمید نے کہا۔ "یہ ابھی سے بتائے دیتا ہوں کہ ایک آ راؤنڈ رمبا کے بھی ہوں گے۔"

"چلو چلو....!" فریدی بیزاری سے بولا۔

حمید ایک فلمی گیت گاتا ہوا دوسرے کمرے میں جانے لگا۔

"ٹھہرو....!" فریدی نے کہا۔

حمید رک گیا۔

"آئندہ اس قسم کے گیت نہیں گاؤ گے۔"

"خدا کی قسم آپ نے میری زندگی تلخ کر رکھی ہے۔"

"بکو مت.... جاؤ....!"

بُرے پھنسے

مئے پول ہوٹل میں خاصی رونق تھی۔ آٹھ بج چکے تھے۔ ڈرائننگ ہال میں بھی بال روم موسیقی سنائی دے رہی تھی لیکن ابھی شاید رقص نہیں شروع ہوا تھا۔

حمید نے اندر داخل ہوتے ہی اپنے مخصوص انداز میں دانت کٹکٹائے اور چاروں طر دیکھنے لگا۔ کاؤنٹر پر آج کوئی دوسری کلرک لڑکی بیٹھی تھی۔ اس سے پہلے کبھی اس نے اسے نہیں دیکھا تھا۔

"یہ کوئی نئی معلوم ہوتی ہے۔" حمید نے فریدی سے کہا۔

فریدی اس کی بات پر دھیان دیئے بغیر کیبنوں کی طرف بڑھنے لگا۔ حمید چل تو رہا کے پیچھے.... لیکن ذہن بال روم کی موسیقی میں الجھا ہوا تھا۔

فریدی نے ایک کیبن کا پردہ ہٹایا لیکن دوسرے ہی لمحے میں چونک کر پیچھے ہٹ گیا۔ پردہ بدستور ہٹا ہوا تھا۔ فریدی کے چونکنے پر حمید نے بھی اندر کی طرف دیکھا۔ داہنے کنارے پر رکھی ہوئی کرسی پر ایک آدمی بیٹھا چھت کی طرف دیکھ رہا تھا۔ آنکھیں پھیلی ہوئی تھیں اور ہونٹ ذرا سے کھل گئے تھے۔

"آپ کی تعریف....!" حمید نے تمسخرانہ انداز میں فریدی سے پوچھا۔

فریدی پر خیال انداز میں اس کی آنکھوں کی طرف دیکھنے لگا۔ حمید نے اس کے چہرے پر الجھن کے آثار محسوس کیے۔

"کیا بات ہے۔"

"کچھ نہیں! تم یہیں اسی جگہ ٹھہرو۔" فریدی نے کہا اور کاؤنٹر کی طرف بڑھا۔ اس نے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا کر نمبر ملائے اور بولنے لگا۔

"ہیلو.... کوتوالی.... کون.... جگدیش کو بلاؤ۔" تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔

"جگدیش! میں فریدی بول رہا ہوں۔ مئے پول ہوٹل کے کیبن نمبر چودہ میں ایک لاش ملی ہے.... فوراً آؤ۔"

لاش کا نام سن کر قریب بیٹھی ہوئی لڑکی اچھل پڑی۔

"چپ چپ! ہلڑ مت مچانا۔" فریدی نے اس سے آہستہ کہا۔ "میں پولیس کا آدمی ہوں۔"

کلرک بُری طرح بدحواس ہو گئی تھی۔ بار بار اس کی نظریں کیبن نمبر چودہ کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔

"جب تک پولیس نہ آجائے تم یہاں کسی سے کچھ نہیں کہو گی۔" فریدی نے اس سے کہا اور پھر کیبن کے قریب لوٹ آیا۔

"آخر بات کیا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"لاش....!"

"کہاں لاش....!"

"آہستہ بولو! اندر۔" اس نے کیبن کی طرف اشارہ کیا۔

"ارے.... تو.... تو....!"

"شامت.... میں جارہاہوں۔"

"ٹھہرو.... اس کی موت غیر متوقع ضرور ہے لیکن وہ خود....!"

"کیا آپ اسے جانتے ہیں۔"

"ہاں.... وہ اس کتبے سے واقف تھا۔"

"ارے.... تو.... اس کا یہ مطلب....!"

"ہاں میں اسی سے ملنے کے لئے یہاں آیا تھا۔"

"کس طرح.... کیسے۔"

"پھر بتاؤں گا۔ جگدیش وغیرہ شاید اب آہی رہے ہوں گے۔"

"کیا مصیبت ہے۔" حمید بھنبھنایا۔ "جہاں کسی معاملے میں ہاتھ دیا.... کشت و خون شروع ہو گیا۔"

فریدی کوئی جواب دیئے بغیر کیبن کے اندر چلا گیا۔ حمید باہر ہی ٹھہرا رہا۔

دس پندرہ منٹ کے بعد پولیس کی لاری مئے پول ہوٹل کے سامنے رکی۔ انسپکٹر جگدیش دو تین کانسٹیبلوں کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر بڑے ناخوشگوار قسم کے تاثرات پائے جا رہے تھے۔ شاید وہ اس حادثے کی غیر متوقع اطلاع پر دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ سب سے پہلے اس کی نظر حمید پر پڑی جو کیبن نمبر چودہ کے سامنے کھڑا تھا۔ حمید نے مسکرا کر اسے آنکھ ماری اور وہ تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا اس کے قریب پہنچا۔

"کہئے؟ فریدی صاحب کہاں ہیں۔"

"اوپر منیجر کے کمرے میں۔" حمید نے کہا اور پھر کیبن کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"ترقی کا ایک اور موقع۔"

"چھوڑیئے بھی! میں تو اب عاجز آ گیا ہوں۔" جگدیش نے منہ بنا کر کہا اور پردہ اٹھا کر کیبن کے اندر چلا گیا۔ اس کے پیچھے ہوٹل کا منیجر اور فریدی بھی پہنچ گئے۔ حمید کی ڈیوٹی کانسٹیبلوں نے سنبھال لی اور وہ بھی اندر چلا گیا۔

مرنے والا ابھی تک اسی حالت میں بیٹھا تھا۔ اس کی کھلی ہوئی آنکھوں اور سکڑے ہوئے ہونٹوں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا جیسے مرنے سے قبل اسے کسی گہرے تحیر میں ڈوبنا پڑا ہو اور اسی

حالت میں اس کی موت واقع ہو گئی ہو۔

"غالباً آپ اس وقت بہت زیادہ مشغول ہوں گے۔" فریدی نے منیجر سے کہا، جو بہت زیادہ گھبرایا ہوا نظر آ رہا تھا۔ وہ اس کا مطلب سمجھ کر باہر چلا گیا۔

"میں یہاں کھانا کھانے کی غرض سے آیا تھا۔" فریدی نے جگدیش سے کہا۔ "اتفاقاً اسی کیبن کی طرف گھوم پڑا۔"

"لیکن یہ مرا کیسے۔" جگدیش نے پرتشویش لہجے میں کہا۔

"بھئی میں اس کے ساتھ تو تھا نہیں۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "یہ بات پوسٹ مارٹم کے ذریعہ معلوم ہی ہو جائے گی۔"

"تو میں یہاں اس کے متعلق تفتیش شروع کر دوں اور رپورٹ میں یہ لکھ دوں کہ لاش کی اطلاع مجھے آپ سے ملی تھی۔"

"ضرور.... ضرور....!"

جگدیش کی ہچکچاہٹ بتا رہی تھی کہ وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتا ہے۔ لیکن فریدی نے اسے اس کا موقع ہی نہ دیا۔ وہ حمید کا ہاتھ پکڑ کر ہوٹل کے باہر نکل آیا۔

"کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ قتل ہے یا خودکشی۔" حمید نے کہا۔ "فطری موت.... یا قوم نظر کی شاعری قسم کی کوئی ناقابل فہم حرکت.... آخر اسے کیا سمجھا جائے۔"

"قتل....!"

"لیکن قتل کا طریقہ سمجھ نہ آیا۔" حمید نے کہا۔ "اور شاید یہ پہلا موقع ہے کہ آپ نے اتنے پراسرار قتل میں کوئی دلچسپی نہ لی۔"

"طریقہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے معلوم ہو جائے گا۔" فریدی نے کہا۔

"اور قتل کی وجہ سے میں اچھی طرح واقف ہوں۔ مرنے والے کا صورت آشنا بھی پہلے ہی سے تھا۔"

"اور پھر بھی آپ اسے اتنی لاپروائی سے ٹال گئے۔ آخر وہ تھا کون؟"

"یونیورسٹی کے شعبہ تواریخ کا ایک لیکچرار.... آثار قدیمہ کی چھان بین کرنے والی پارٹی کا ایک رکن۔"

"قتل کی وجہ کے متعلق آپ کیا کہہ رہے تھے۔"

"وہ مجھے اس کتبے کے متعلق اہم بات بتانے والا تھا۔"

فریدی نے ہاتھ اٹھا کر ایک ٹیکسی رکوائی اور پھر وہ اس میں بیٹھ کر آر لکچھو کی طرف روانہ ہو گئے۔

"لیکن آپ نے جگدیش سے یہ باتیں کیوں چھپائیں۔" حمید بولا۔

"اس کی ضرورت تھی۔ بہر حال قاتل ہر وقت ہماری مٹھی میں ہے۔"

"کیا....!" حمید چونک کر بولا۔ "آپ قاتل سے بھی واقف ہیں۔"

"قطعی....!"

"تو اسے پکڑ کیوں نہیں لیتے۔"

"ہمارے پاس فی الحال اس کے خلاف کوئی واضح ثبوت موجود نہیں ہے۔"

"وہ دوسرا آدمی آپ کو کہاں مل گیا تھا۔"

"وہیں یونیورسٹی کے تواریخی عجائب خانے میں۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ "اس وقت وہیں موجود تھا جب میں ڈاکٹر بھٹناگر سے اس کتبے کے متعلق گفتگو کر رہا تھا۔"

فریدی خاموش ہو کر سگار کے کش لینے لگا۔

"پھر....؟" حمید نے پوچھا۔

"میں نے ڈاکٹر بھٹناگر کو اپنے شوق کے متعلق بتایا اور اسے دعوت دی کہ وہ کسی دن میرے جمع کئے ہوئے نمونے بھی دیکھے اور وہ اسی وقت اس کے لئے تیار ہو گیا۔"

فریدی پھر خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر تک چپ رہا پھر بولا۔ "جب ہم دونوں باہر آرہے تھے مرنے والے نے پیچھے سے ایک چھوٹا سا پرچہ مجھے تھما دیا۔"

"اور اسی پرچے میں یہ لکھا ہوا تھا کہ آپ اس سے مئے پول ہوٹل میں ملیں۔" حمید نے کہا

"اف فوہ.... یار سچ مچ تم بڑے ذہین ہوتے جارہے ہو۔" فریدی بولا۔

"کیا آپ اس وقت یہ نہیں سمجھے تھے کہ بھٹناگر کو اس پرچے کا علم ہو گیا ہے۔"

"حقیقتاً میں دھوکا کھا گیا۔" فریدی مضمحل آواز میں بولا۔

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ اس کتبے کے راز سے ڈاکٹر بھٹناگر کے علاوہ کچھ اور لوگ؟

واقف ہیں۔"

"یقیناً....!" فریدی نے کہا۔ "شاید تم اس بات سے نہیں واقف کہ آثار قدیمہ کی چھان بین کرنے والی اس پارٹی کا واحد مشغلہ دفینوں کی تلاش ہے۔ آثار قدیمہ کی چھان بین تو محض ایک بہانہ ہے۔"

"اوہ! لیکن آپ کی یہ ساری معلومات نئی نہیں معلوم ہوتیں۔"

"ٹھیک ہے! پہلے محض شبہ تھا لیکن اب یقین ہو چکا ہے۔" فریدی نے کہا اور کھڑکی پر ہاتھ ٹیک کر باہر کی طرف دیکھنے لگا۔

"ارے یہ ٹیکسی کدھر جارہی ہے۔" دفعتاً وہ چونک کر سیدھا ہو گیا۔ حمید بھی ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ وہ دراصل باتوں میں اس درجہ محو ہو گئے تھے کہ انہیں اس کا دھیان بھی نہیں رہا کہ وہ کہاں کے لئے روانہ ہوئے تھے اور ٹیکسی کدھر جارہی ہے۔ اچانک ڈرائیور کے قریب بیٹھے ہوئے آدمی کے ہاتھ میں کوئی چیز چمکی اور وہ ان کی طرف مڑ کر بیٹھ گیا۔ اعشاریہ تین آٹھ کا ریوالور اس کے ہاتھ میں دبا ہوا تھا۔ پہلے وہ دونوں اسے کلینر سمجھے ہوئے تھے کیونکہ ان کی پوشش کچھ اس قسم کی تھی۔ اب انہوں نے اس کا چہرہ دیکھا، جو حد درجہ خوفناک تھا اور چمکیلی آنکھوں سے سفاکی ظاہر ہو رہی تھی۔

فریدی ایک تلخ مسکراہٹ کے ساتھ سیٹ کی پشت سے ٹک گیا۔

ٹیکسی شہر کے باہر ایک ویران سڑک پر کھڑی کر دی گئی۔

"باہر آؤ....!" ریوالور والا گرج کر بولا۔

حمید نے کچھ کہنا چاہا لیکن فریدی نے اس کا ہاتھ دبا دیا۔

دونوں چپ چاپ نیچے اتر آئے۔

"ان کی تلاشی لو۔" ریوالور والے نے ڈرائیور سے کہا اور فریدی اور حمید نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے، اتفاق سے اس وقت ان دونوں میں سے کسی کے پاس ریوالور نہیں تھا۔

"کوئی خطرناک چیز....!" ریوالور والے نے ڈرائیور سے پوچھا جو ان کی جامہ تلاشی لے کر الگ ہٹ گیا تھا۔

"نہیں کچھ نہیں۔" ڈرائیور نے جواب دیا۔

"چلو بیٹھو.....!" اس نے ریوالور کی نال سے ٹیکسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"آر لکچو ہوٹل.....!" فریدی ٹیکسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔

ریوالور والے کے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی۔

ٹیکسی پھر چل پڑی۔

"میں کہتا ہوں.... آر لکچو ہوٹل! کیا تم بہرے ہوگئے ہو۔" فریدی ڈرائیور کا شانہ جھنجھوڑتے ہوئے بولا۔

"چپ چاپ بیٹھے رہو۔" ریوالور والے نے آہستہ سے کہا۔

"چپ چاپ ہیں پیارے بھائی۔" حمید دانت پر دانت جما کر بولا۔ "بھوک کے مارے آواز ہی نہیں نکل رہی ہے ورنہ اس وقت تمہیں شیام کلیان سناتا۔ معرکے کی چیز ہے۔"

"ڈرائیور....." فریدی چیخا۔

"جانے بھی دیجئے۔" حمید اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ "اگر بے چارے کے کان کے پردے پھٹ گئے تو اس کے بال بچوں کے حلق پھٹ جائیں گے۔"

"تم ہو کون۔" فریدی نے تلخ لہجے میں کہا۔ "لیکن میں تم سے ہرگز یہ نہ پوچھوں گا کہ تم نے یہ سب کس لئے کیا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" ریوالور والا مسکرا کر بولا۔ "جتنی بہادری چاہو دکھالو..... پھر موقع نہ ملے گا۔"

"کیا سمجھے۔" حمید نے فریدی کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔ "بھائی ولی اللہ معلوم ہوتے ہیں۔ ہمارے کھانے پینے کا انتظام پہلے ہی کر لیا ہوگا۔"

"ضرور ضرور.....!" ریوالور والا مسکرا کر بولا اور پھر ریوالور کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا۔ "اس غذا کے متعلق کیا خیال ہے۔"

"بہت کم لوگ اسے پسند کرتے ہیں۔" حمید نے کہا۔ "ویسے چیز شاندار ہے..... ذرا دینا تو۔"

"پیچھے ہٹو.....!" ریوالور والا درشت لہجے میں بولا۔

"بڑے بھائی بُرا مان گئے۔" حمید نے بچوں کی طرح منہ بنا کر پوچھا۔

فریدی انتہائی بے تعلقانہ انداز میں ان کی گفتگو سن رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس ریوالور کو نقلی سمجھتا ہو۔ ایک جگہ ٹیکسی پھر رکی اور ان سے نیچے اترنے کو کہا گیا۔ حمید اٹھ ہی رہا تھا

کہ فریدی نے اس کا ہاتھ دبا دیا اور وہ پھر بیٹھ گیا۔ ٹیکسی اب بھی ایک ویرانے میں کھڑی ہوئی تھی اور نہ جانے کدھر سے دو تین آدمی اور آگئے۔

"کھینچ کر باہر نکال لو۔" ریوالور والا گرجا۔

دوسرے آدمیوں نے ٹیکسی کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ ڈرائیور ابھی تک اپنی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ حمید کو تو انہوں نے جلد ہی باہر کھینچ لیا لیکن فریدی ابھی تک اڑا بیٹھا تھا۔ تین تین آدمی اسے کھینچ رہے تھے لیکن وہ اپنی جگہ سے جنبش نہیں کر رہا تھا۔ شامت اعمال ان میں سے ایک نے اس کے منہ پر گھونسا مارا۔ دوسرے ہی لمحے میں اس کی گردن فریدی کے ہاتھ میں تھی اور وہ دروازوں کے پاٹوں میں دبے ہوئے کتے کی طرح چیخ رہا تھا۔

"میں سچ کہتا ہوں گولی مار دوں گا۔" ریوالور والے نے باہر سے کہا۔

"ابے تو اس میں کہنے سننے کی کیا بات ہے۔" حمید نے جھلا کر کہا۔ "مار بھی دے۔"

"سسکا سسکا کر ماروں گا۔" اس نے جواب دیا۔

"خیر معلوم ہوا کہ تم بھی اپنے دن پورے کر چکے ہو۔" حمید دانت پیس کر بولا۔

"شٹ اپ.....!"

"یو شٹ اپ ڈرٹی ڈاگ.....!" حمید حلق کے بل چیخا۔

ریوالور والے نے حمید کے منہ پر الٹا ہاتھ رسید کر دیا۔ حالانکہ حمید دو گرانڈیل آدمیوں کی گرفت میں بُری طرح جکڑا ہوا تھا لیکن ریوالور والے کا تھپڑ پڑتے ہی گویا اس کے جسم میں بجلیاں کوند گئیں اور یک لخت اس طرح تڑپا کہ وہ دونوں اسے نہ سنبھال سکے۔ ساتھ ریوالور والا بھی زمین پر آرہا۔ حمید نے بس اتنا محسوس کیا کہ اس پر بھی کوئی جھپٹ پڑا۔

"خبردار.....!" فریدی کی گرج دار آواز سنائی دی۔ "اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ اور تم ڈرائیور کے بچے باہر نکلو..... نکلو.....!"

"ہرا.....!" حمید کی للکار دور تک سناٹے میں لہراتی چلی گئی۔

"حمید ٹیکسی اسٹارٹ کرو۔" فریدی نے کہا۔ "خبردار اگر کوئی اپنی جگہ سے ہلا تو شوٹ کر دوں گا۔ ہاتھ اٹھائے رکھو۔"

حمید اچھل کر ڈرائیور کی سیٹ پر جا بیٹھا۔ فریدی ان آدمیوں کی طرف ریوالور کی نال کئے

ہوئے آہستہ آہستہ ٹیکسی کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ اچانک کسی طرف سے فائر ہونے شروع ہو گئے۔

فریدی جھپٹ کر ٹیکسی کی آڑ میں ہو گیا اور اس کے ہاتھ میں دبے ہوئے ریوالور سے بھی شعلے نکلنے لگے۔

"حمید.... نکل چلو۔" فریدی نے چیخ کر کہا اور ٹیکسی چل پڑی۔ حمید نے ٹیکسی بڑی پھرتی سے گھمائی تھی اور اب اسے اچھی خاصی رفتار سے لئے جا رہا تھا۔ اس وقت اس کے سامنے ایک طویل سڑک تھی اور کانوں میں گولیوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔

تھوڑی دور چل کر اس نے پچھلی سیٹ پر نظر ڈالی اور بے اختیار اچھل پڑا۔ اگر فوراً ہی اسٹیئرنگ نہ سنبھال لیتا تو ایک درخت سے گاڑی ضرور ٹکرا جاتی۔ پچھلی سیٹ خالی تھی۔ حمید نے بوکھلا کر ٹیکسی روک دی۔ آخر فریدی کہاں گیا، کیا وہ بدحواسی میں اسے وہیں چھوڑ آیا۔ اپنی جان بچانے کے لئے یہ تک نہ دیکھا کہ فریدی بھی بیٹھ چکا ہے یا نہیں۔ اس وقت دل چاہ رہا تھا کہ اپنے ہاتھوں ہی سے اپنا گلا گھونٹ لے۔

وہ ٹیکسی سے اتر آیا اور یہ سوچ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے کہ دور اسے کسی کار کی ہیڈ لائیٹس دکھائی دیں۔ دفعتاً ایک سوال تیزی سے اس کے ذہن میں گونج اٹھا۔ کیا وہ لوگ اس کا تعاقب کر رہے ہیں اور پھر دوسرے ہی لمحے میں جھپٹ کر وہ جھاڑیوں کے پیچھے جا چکا تھا۔

اس کا اندازہ صحیح نکلا۔ کار ٹیکسی کے قریب آ کر رک گئی۔ کئی آدمی اتر کر خالی ٹیکسی کا جائزہ لینے لگے۔

"تلاش کرو۔" ان میں سے ایک چیخا۔ "جھاڑیوں میں گھسو۔"

حمید پنجوں کے بل نشیب میں دوڑنے لگا۔ چاروں طرف تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ جھینگروں اور مینڈکوں کی آوازیں سناٹے کو جھنجھوڑ رہی تھیں۔ اچانک حمید کا پیر پانی میں پڑا اور وہ لامحدود گہرائیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

آگ

دوسرے دن صبح حمید اپنی پلنگ پر پڑا رات کے واقعات پر غور کر رہا تھا۔ اسے اپنی الجھن کا وہ

اچھی طرح یاد تھا جب وہ نادانستگی میں ایک گہرے تالاب میں جا گرا تھا۔ اس وقت وہ سوچ رہا تھا کہ اگر اسے تیرنا نہ آتا ہوتا تو اس کا کیا حشر ہوتا اور اگر اسے اس درخت کی شاخ نہ مل جاتی تو وہ کنارے ہی پہنچ کر ڈوب گیا ہوتا۔ وہ بھی دلدل میں کمر تک تو یونہی دھنس گیا تھا۔ کتنی خوفناک دلدل تھی جس کے سہارے وہ پھر سے دنیا دیکھ سکا۔ ورنہ نہ کہیں جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا اور احباب بیچارے پلاؤ کے لئے منہ دیکھ کر رہ جاتے۔

فریدی نہ جانے کہاں غائب ہو گیا تھا۔ کیا ان لوگوں نے اسے پکڑ لیا؟ حمید خود کو نفرین کر رہا تھا۔ اس نے شروع ہی سے اپنا اطمینان کیوں نہیں کر لیا تھا۔ اگر اسے اس وقت یہ معلوم ہو گیا ہوتا کہ فریدی ٹیکسی میں نہیں بیٹھ سکا تو کبھی اس طرح نہ بھاگتا۔

اس کے خیالات کی رو اچانک بدھ راج گڑھی کی طرف مڑ گئی اور اسے فریدی کے قول کی صداقت پر کچھ کچھ یقین آنے لگا۔ اس پر اسرار کتبے کی جس پر مہمل اشعار لکھے ہوئے تھے اہمیت ظاہر ہونے لگی تھی۔ اس کتبے کے لئے شعبہ تواریخ کے ایک لیکچرار کا قتل ہو گیا۔ اسے اور فریدی کو پکڑنے کی کوشش کی گئی۔ وہ سوچنے لگا کہ کیا حقیقتاً تخت عقرب جیسے کسی حیرت انگیز تخت کا وجود ہے۔ پھر اسے وہ مہمل اشعار یاد آ گئے اور ساتھ ہی ہنسی بھی آ گئی۔ اس مصرع پر تو اس کا دماغ ہی چل نکلا۔

بچھو پر الو بیٹھے گا

اور اس نے انہیں اوزان میں مصرعے فٹ کرنے شروع کر دیئے

الو پر گدھا بیٹھے گا
گدھے پر مرغی بیٹھے گی
مرغی پر بلی بیٹھے گی
بلی ککڑوں کوں بولے گی

وہ غسل خانے سے آ کر ناشتے کی میز پر بیٹھ گیا۔ لیکن اس وقت اس کا دل کسی بات میں نہیں لگ رہا تھا۔ اس کے ذہن میں بس ایک ہی سوال گونج رہا تھا کہ فریدی پر کیا گزری ہو گی۔ ناشتے سے فارغ ہو کر وہ صبح کا اخبار دیکھنے کے لئے لائبریری کی طرف جا ہی رہا تھا کہ نوکر نے ایک تار لا کر اسے دیا۔ حمید کا دل دھڑکنے لگا اور لفافہ چاک کرتے کرتے اس کے ذہن نے لاتعداد سوال

کرڈالے۔ تار فریدی کے نام تھا۔ لیکن تار دینے والے کا نام پڑھ کر حمید کے ہونٹ سکڑ گئے۔
سوچنے لگا کہ اب کیا مصیبت آگئی۔ اس نے ایک بار پھر تار کا مضمون پڑھا۔

"فوراً آؤ.... ایک نئی مصیبت.... صولت مرزا....!"

حمید سوچنے لگا کہ یہ نئی مصیبت کیا ہو سکتی ہے۔ کیا وہ بھوت جمیلہ کو اٹھالے گئے۔ لیکن پچھ
رات کے واقعات کے بعد سے وہ انہیں بھوت سمجھنے پر پس و پیش کر رہا تھا اور پھر ان مہمل اشع
میں بھی تو کسی نقارے کا ذکر تھا۔ ان بھوتوں کو بھی کسی نقارے کی تلاش تھی۔ ان سب باتوں
باوجود بھی کم از کم جمیلہ کی بیماری کا معاملہ اس کی سمجھ سے باہر تھا۔ لیکن فریدی اسے ایک قسم
بیماری ہی قرار دے رہا تھا۔ خیر چلئے بیماری ہی سہی۔ لیکن وہ کتا جو یدھ راج گڑھی میں سینکڑ
سال سے روتا چلا آرہا ہے اور عموماً بارش ہی کے زمانے میں روتا ہے اور جب بھی روتا ہے قریب
کی ندی میں اتنا زبردست سیلاب آتا ہے کہ کنارے بسے ہوئے گاؤں ڈوب جاتے ہیں۔ آخر کو
منطق اس کا جواز کس طرح پیش کرے گا۔ اسے کس طرح انسانی کارنامہ قرار دے گا۔

کچھ دیر قبل حمید ان سارے معاملات سے بُری طرح بیزار تھا اور کسی نہ کسی طرح اپنی جا
بچا کر نکل جانا چاہتا تھا۔ لیکن فریدی کا اس طرح غائب ہو جانا اس کی کاہلی کے لئے سم قاتل ثابت
ہوا۔ حمید کو یقین تھا کہ وہ یدھ راج نگر ہی کے واقعات کے سلسلے میں غائب ہوا ہے۔ لہٰذا اب
اس معاملے کو کسی طرح نہیں ٹال سکتا تھا۔ خواہ خود اس کی جان ہی کو خطرہ کیوں نہ ہو۔

اس نے فوراً ہی ایک ملازم کو تار کا جواب لکھ کر دیا اور خود ٹیلی فون پر دفتر کے کسی آدمی سے
گفتگو کرنے لگا۔

صولت مرزا کو وہ اپنی روانگی کے متعلق تار دے چکا تھا۔ اگر فریدی کا خیال نہ ہوتا تو وہ کبھی
ایسا نہ کرتا۔ لیکن وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ فریدی اس معاملے میں بہت زیادہ دلچسپی لے رہا ہے اور
اسی لئے شاید اس پر کوئی اچانک مصیبت نازل ہوئی ہے اگر وہ یدھ راج نگر نہ گیا تو ممکن ہے کہ اس
کے لئے زندگی بھر افسوس کرنا پڑے۔ ہو سکتا ہے کہ فریدی سچ مچ جال میں پھنس گیا ہو۔

اسی رات کو وہ یدھ راج نگر پہنچ گیا۔ صولت مرزا بذات خود اسٹیشن پر موجود تھا۔ لیکن بہت
زیادہ پریشان نظر آرہا تھا۔

"فریدی نہیں آئے۔" اس نے سب سے پہلے سوال کیا۔

"وہ پھر بتاؤں گا.... آپ یہ بتایئے کہ بات کیا ہے۔"

"آؤ چلو باہر گاڑی کھڑی ہے بتاؤں گا.... عجیب قسم کی مصیبتیں نازل ہو رہی ہیں۔"

وہ دونوں اسٹیشن کے باہر آکر کار میں بیٹھ گئے۔

"کل رات کو اصطبل میں آگ لگ گئی تھی۔" صولت مرزا نے کہا۔

"کس طرح۔"

"خدا بہتر جانتا ہے جمیلہ بُری طرح جل گئی ہے۔ خدا اس کے حال پر رحم کرے۔"

"جل گئیں....!" حمید چونک کر بولا۔ "وہ کس طرح جل گئیں۔"

"پچھلی رات کو پھر اس پر دورہ پڑا تھا اور وہ پُراسرار آدمی پھر دکھائی دیئے تھے۔"

"اوہ....!"

"وہ اسے پہلے کی طرح اصطبل میں لے گئے اور پھر تقریباً ایک گھنٹے کے بعد اصطبل میں
آگ لگ گئی۔ بدقت تمام جمیلہ کو اندر سے نکالا جا سکا۔ وہ تو کہو کسی گھوڑے کے پیروں تلے
روندی نہیں گئی۔"

"اور وہ آدمی....!" حمید نے بے تابانہ انداز میں پوچھا۔

"وہ نہ جانے کہاں غائب ہو گئے تھے۔"

حمید سوچ میں پڑ گیا.... پھر تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"اس کے علاوہ کوئی اور بات۔"

"اور کچھ نہیں۔"

گھر پہنچ کر حمید نے جمیلہ کو دیکھا جو واقعی بُری طرح جل گئی تھی۔ اس کا سارا جسم پٹیوں سے
ڈھکا ہوا تھا لیکن اس کا سارا چہرہ قطعی محفوظ تھا۔ تین چار نرسیں اس کمرے میں موجود تھیں اور
پورے گھر پر قبرستان کی سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

کھانا کھا لینے کے بعد حمید صولت مرزا کو ساتھ لے کر اصطبل کی طرف گیا جو اب راکھ کا
ڈھیر معلوم ہو رہا تھا۔ کہیں ادھ جلی دیواریں کھڑی تھیں جن کی جڑوں تک سیاہی دوڑ گئی تھی۔

"وہاں سے لوٹ کر وہ تمباکو نوشی کے کمرے میں آبیٹھے۔"

"ڈاکٹر نے کیا بتایا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"اس نے تو کافی اطمینان دلایا ہے۔ اس کے خیال کے مطابق آگ کا اثر اندرونی اعضاء پر نہیں ہے۔"

"تو پھر یقیناً کوئی گھبرانے کی بات نہیں۔" حمید نے کہا۔

"ہاں تم نے فریدی کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔" صولت مرزا نے پوچھا۔

اتنے میں نوکر کافی کی ٹرے لایا اور صولت مرزا کافی انڈیلنے لگا۔

لیکن وہ ابھی تک جواب طلب نظروں سے حمید کی طرف دیکھ رہا تھا۔

حمید نے فریدی کے متعلق مختصر سب کچھ بتا دیا۔

"ارے تو کیا حقیقتاً اس کتبے یا ان اشعار میں کوئی خاص بات تھی۔" صولت مرزا نے کہا۔ "تو اب ایک دوسری الجھن! نہ جانے فریدی پر کیا گزری ہو۔"

"خیر اسے تو چھوڑیئے۔ مجھے اس کی ذرہ برابر فکر نہیں ہے۔" حمید نے کہا۔ "ہم لوگ موت سے نہیں ڈرتے۔ میں آپ سے اس نقارے کے متعلق پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"نقارہ! کیسا نقارہ۔"

"وہی نقارہ جس کی تلاش میں وہ پراسرار آدمی اصطبل کے چکر لگاتے تھے۔"

صولت مرزا کوئی جواب دینے جا رہا تھا کہ ارسلانوس آگیا۔ وہ اس وقت بہت زیادہ سنجیدہ نظر آرہا تھا۔ چہرے پر وحشت کے آثار نہیں تھے۔ سر پر بالوں کا گلدستہ نما جھنکاڑ بھی نہیں تھا۔ آج نہ جانے کیوں اس نے اپنے بال بڑے سلیقے سے سنوار رکھے تھے۔ داڑھی میں بے ترتیبی نہیں تھی۔

"جمیلہ کیسی ہے۔" اس نے پوچھا اور پھر حمید پر نظر پڑتے ہی بولا۔

"اوہ آپ....!"

اس نے حمید کی طرف ہاتھ بڑھایا اور دوسرے ہی لمحے میں حمید کے ہاتھ کی ہڈیاں کڑکڑا گئیں۔

"وہ محمد کمال آفندی کہاں ہیں۔" اس نے حمید سے پوچھا۔

"احمد کمال فریدی کہئے۔" حمید نے ٹوکا۔

"وہی وہی....!" ارسلانوس مسکرا کر بولا۔ "نہ جانے کیوں مجھے ان کا یہی نام یاد رہتا ہے۔ ہاں بھئی صولت جمیلہ کا کیا حال ہے۔"

"پہلے سے کچھ بہتر۔" صولت مرزا نے کہا۔

حمید نے محسوس کیا کہ ارسلانوس دوسری طرف منہ پھیر کر مسکرایا ہے۔ صولت مرزا کے چہرے پر بیزاری کے اثرات پھیل گئے تھے۔ وہ چند لمحوں کے بعد کوئی عذر کر کے اندر چلا گیا۔ حمید ارسلانوس کے پاس آبیٹھا۔

"آپ جمیلہ کی کیفیت سن کر مسکرائے کیوں تھے۔" حمید نے درشت لہجے میں پوچھا۔

"دیکھو فرزند! میں تمہیں ایک بار پھر سمجھائے دیتا ہوں کہ مجھ سے ایسی لہجے میں گفتگو نہ کیا کرو۔"

"تو اصطبل میں تم نے ہی آگ لگائی تھی۔"

"کیا بکواس ہے۔" ارسلانوس بگڑ کر بولا۔ "میں جانتا ہوں کہ تم لوگوں کا تعلق محکمہ سراغ رسانی سے ہے لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ تم شریفوں کی توہین کرتے پھرو۔ اگر تم صولت کے مہمان نہ ہوتے تو میں تمہیں اس بدتمیزی کا مزا چکھا دیتا۔"

"خیر.... میں صولت مرزا کو اس معنی خیز مسکراہٹ سے آگاہ کر دوں گا۔ شاید انہوں نے دیکھا نہیں تھا۔"

"تم نے پھر وہی بکواس کی۔"

"اچھا تمیز سے گفتگو کیجئے۔" حمید نے بگڑ کر کہا۔

"بیٹا اگر جان کی خیریت چاہتے ہو تو جتنی جلدی ہو سکے اس گھر سے نکل بھاگو۔" ارسلانوس نے کہا۔

"کیوں....؟" حمید چونک کر بولا۔

"صولت نے جو کھیل شروع کر رکھا ہے اس کے دوران میں تم لوگوں کا وجود برداشت نہیں کر سکوں گا۔"

"کیسا کھیل....!"

"وہی کھیل جو اس نے میرے بیٹے کے ساتھ کھیلا تھا۔"

"بھلا میں کیا جانوں۔"

"اچھا تو آؤ میری ساتھ۔" ارسلانوس اس کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔

وہ اسے عقبی پارک میں لے آیا جہاں بت نصب تھے۔

"صولت مرزا بڑا لالچی آدمی ہے۔ وہ کبھی نہ چاہے گا اس کی دولت کسی دوسرے گھر جائے۔ جمیلہ تین لاکھ روپیوں کی بلاشرکت غیرے مالک ہے۔ اوہ میرا بچہ..... میرا بیٹا بھی... م کی ہوس کا شکار ہوا۔" ارسلانوس کی آواز بھرا گئی اور وہ چہرہ چھپا کر بچوں کی طرح سسکیاں لینے لگا۔

وہ بھوت

حمید کو اپنی عقل خبط ہوتی معلوم ہونے لگی۔ وہ تو یہ سمجھ کر آیا تھا کہ شاید ارسلانوس سے دو ہاتھ بھی کرنے پڑیں۔ لیکن یہاں تو معاملہ ہی الٹا تھا۔ وہ کسی بوڑھی بھیڑ کی طرح پھسپھسا لگا تھا۔ حمید الجھن میں پڑ گیا کہ وہ اسے کن الفاظ میں تسلیاں دے۔ پاگل آدمی ٹھہرا۔ اگر دلا پر بھوں بھوں رونا شروع کر دیا تو وہ کیا کرے گا۔ بہت ممکن ہے کہ وہ خود اسی کو رونے پر مجبور کر دے۔

"لوگ میرے دکھ سے واقف نہیں۔" ارسلانوس سسکیاں روک کر بولا۔ "وہ صرف سے ہی نفرت کرنا جانتے ہیں۔ مجھے پاگل سمجھتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ میں خود اپنے لئے ہو گیا ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں۔ کہاں جاؤں۔"

"فلسفہ چیز ہی ایسی ہے۔" حمید نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

"فلسفہ.....!" ارسلانوس ٹھنڈی سانس بھر کر بولا۔ "کاش فلسفے ہی نے میری زندگی پر ڈالا ہوتا۔"

"پھر کیا بات ہے۔" حمید اسے گھورتا ہوا بولا۔

"کچھ نہیں.....!" ارسلانوس نے کہا اور جانے کے لئے مڑ گیا۔

دفعتاً کہیں دور ایک ساتھ تین چار فائر ہوئے تو وہ چلتے چلتے رک گیا۔ تھوڑے وقفے کے بعد پھر فائر ہوئے اور اس کے بعد ہوتے ہی رہے۔

ارسلانوس بے تحاشہ پھاٹک کی طرف دوڑنے لگا۔ حمید نے آواز دے کر اسے روکنا چاہا لیکن بے سود۔ پھر اس کے پیچھے دوڑا لیکن پھاٹک کے باہر جاتے ہی ارسلانوس اس کی نظروں سے غائب ہو گیا۔ وہ چیخ چیخ کر اسے آوازیں دے رہا تھا۔ مگر جواب ندارد۔ فائر کی آوازیں ابھی تک سنائی دے رہی تھیں۔

حمید بھاگ کر اندر آیا۔ صولت مرزا اور اس کے کچھ نوکر پھاٹک کی طرف آ رہے تھے۔

"کہاں گئے تھے آپ.....!" صولت مرزا نے حمید سے پوچھا۔

"ارسلانوس کے پیچھے۔ وہ نہ جانے کیوں فائروں کی آوازوں پر بے تحاشہ دوڑتا ہوا کسی طرف نکل گیا۔"

"یہ فائر کہاں اور کیوں ہو رہے ہیں۔"

"میں خود ہی الجھن میں ہوں۔" صولت مرزا نے کہا۔ "آپ بیٹھئے۔ میں ابھی..... دیکھ کر آتا ہوں۔"

"میں بھی چل رہا ہوں۔" حمید نے کہا اور ان کے ساتھ ہو لیا۔

وہ تھوڑی ہی دور گئے ہوں گے کہ کچھ لوگ انہیں اپنی طرف دوڑ کر آتے دکھائی دیئے۔

"کون ہے۔" صولت مرزا نے بلند آواز میں پوچھا۔

"ارے..... سرکار.....!" کسی نے کہا اور وہ سب ان کے قریب آ گئے اور پھر ان میں سے ایک ہانپتا ہوا بولا۔ "سرکار گڑھی میں گولیاں چل رہی ہیں۔"

"کون ہے۔"

"نہ جانے سرکار..... بہت سے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔"

"تو تم کہاں جا رہے ہو۔"

"آپ ہی کے پاس سرکار..... تھانیدار صاحب نے بھیجا ہے۔"

"کیوں.....؟"

"انہوں نے کہا ہے کہ اپنی سب بندوقیں لے کر یا تو خود آ جایئے یا بھجوا دیجئے۔"

صولت مرزا نے کچھ نوکر گھر کی طرف دوڑائے۔ چند لمحوں کے بعد وہ بندوقیں اور میگزین لے کر آ گئے۔ پھر انہوں نے یدھ راج گڑھی کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر تک فائروں کی آوازیں سنائی دیتی رہیں پھر سکون ہو گیا۔

"لیکن یہ سب یک بیک ہوا کیسے۔" صولت مرزا نے ایک آدمی سے پوچھا۔

"نہ جانے سرکار! بس اچانک گولی چلی پھر تھانیدار صاحب دو تین سپاہیوں کے ساتھ آ گئے۔ لیکن گڑھی میں جانے کی ہمت نہ پڑی۔ تھانے میں اس وقت دو رائفلیں تھیں اس لئے انہوں نے

مجھے آپ کے پاس بھیج دیا۔"

وہ گڑھی کے قریب پہنچ گئے۔ لیکن فائر کی آوازیں نہیں سنائی دیں۔ مجمع دور کھڑا تھا لوگوں کے پاس لالٹینیں اور پٹرومیکس بھی تھے۔ لیکن شاید گڑھی کے اندر جانے کی ہمت پڑ رہی تھی۔ سب انسپکٹر بھی دو تین سپاہیوں کے ساتھ موجود تھا۔

"کہئے صاحب۔" صولت مرزا نے اسے مخاطب کیا۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا نواب صاحب۔" سب انسپکٹر بے چارگی کے ساتھ بولا۔ "ان ل کا خیال ہے کہ کچھ آسیب واسیب۔"

"لاحول ولا قوۃ....!" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ "پچھلی رات والی جنگ کے بعد سے ا خیالات کچھ ڈانواں ڈول سے ہو گئے تھے اور پھر اس وقت اسے مجمع پر کچھ رعب بھی توڑنا تھ

"تو پھر چلئے اندر....!" صولت مرزا نے کہا۔

"یہ ذرا خطرناک ہے۔" سب انسپکٹر نے کہا۔ "معلوم نہیں وہ کہاں چھپے ہوں۔"

"کون.... آسیب....!" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"یہ فریدی صاحب کے ساتھی تو نہیں۔" سب انسپکٹر نے صولت مرزا سے پوچھا۔

"ہاں.... لیکن.... تو پھر کیا کیجئے گا۔"

"میرے خیال سے تو اب صبح ہی پر رکھا جائے۔" سب انسپکٹر بولا۔

"چہ خوب....!" حمید نے صولت مرزا کے نوکر کے ہاتھ سے رائفل لیتے ہوئے کہا نے میگزین میں کارتوس ڈالے اور رائفل اٹھا کر دو تین ہوائی فائر کر دیئے۔

لیکن جواب میں کوئی فائر نہیں ہوا۔ تھوڑی وقفے کے بعد اس نے پھر ایک فائر کیا۔ بدستور خاموشی رہی۔

"آیئے....!" حمید آگے بڑھتا ہوا بولا۔ اس کے ایک ہاتھ میں رائفل تھی اور دو میں ٹارچ۔ اسے بڑھتے دیکھ کر صولت مرزا بھی بڑھا۔ پھر سب انسپکٹر اور صولت م بندوقیں دوسرے لوگوں میں تقسیم کر دی گئیں۔

وہ سب گڑھی میں داخل ہو گئے۔ نہایت احتیاط اور ہوشیاری سے وہ چاروں طرف دیکھ رہے تھے۔ لیکن یہاں چاروں طرف ایک اتھاہ سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ صرف چلنے سے پیروں ت

آئی ہوئی روڑیوں کی کڑکڑاہٹ سنائی دے رہی تھی۔

کئی جگہ انہیں خون کے بڑے بڑے دھبے دکھائی دیئے۔ انہیں کسی لاش کے ملنے کی بھی توقع تھی۔ لیکن پوری گڑھی کا چکر لگا لینے کے باوجود بھی کوئی لاش نہ ملی۔

تھوڑی دیر بعد لوگ اپنے اپنے گھروں کی طرف لوٹ گئے۔ صرف سب انسپکٹر صولت مرزا حمید اور چند کانسٹیبل رہ گئے۔ پھر صولت مرزا بھی جمیلہ کی علالت کا عذر کر کے جانے لگا۔ اس پر حمید نے اسے الگ لے جا کر کہا۔

"آج رات ان پُراسرار آدمیوں کا خیال رکھئے گا۔ دیکھئے وہ آج آتے ہیں یا نہیں۔"

"تو کیا تم یہیں ٹھہرو گے۔" صولت مرزا نے پوچھا۔

"جی ہاں....!"

"آخر کیوں؟"

"اپنے لئے خطرے کی بو سونگھ رہا ہوں آج رات کو میں چھت کے نیچے رہنا مناسب نہیں سمجھتا۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"فی الحال کچھ نہ بتا سکوں گا۔"

"خیر بھئی آج رات تو یوں بھی نیند آ جائے گی۔ اچھا تو میں چلا لیکن تمہارے لئے فکرمند ضرور رہوں گا۔"

صولت مرزا کے چلے جانے کے بعد حمید پھر سب انسپکٹر کے پاس لوٹ آیا۔

"آپ نہیں گئے۔" سب انسپکٹر نے پوچھا۔

"میں آپ کے ساتھ رہ کر تفتیش میں حصہ لینے کا ارادہ رکھتا ہوں۔"

"شکریہ شکریہ۔ اگر فریدی صاحب بھی ہوتے تو کتنا اچھا تھا۔ آخر وہ کہاں رہ گئے۔"

"وہ شہر میں ہیں۔"

تھوڑی دیر تک وہ دونوں اس کے متعلق خیال آرائی کرتے رہے پھر سب انسپکٹر نے تفتیش شروع کر دی۔ اس سلسلے میں قصبے کے گھر گھر کی کنڈی کھٹکھٹائی گئی۔ راہگیروں کو روک کر ان سے سوالات کئے گئے۔ دو ایک چھوٹے زمیندار جو سب انسپکٹر سے پرخاش رکھتے تھے حوالات پہنچائے گئے۔

حمید نے جب بھی اعتراض کا منہ کھولا تو اسے یہی جواب ملا۔ "آپ ان حرام زادوں کو نہیں

جانتے۔ اگر کوئی ہو سکتا ہے تو یہی ہو سکتے ہیں۔"

تقریباً تین بجے اس چرخے سے نجات ملی۔ پہلے تو اس نے سوچا کہ بقیہ رات تھانے ہی میں بسر کرے لیکن پھر یہ ارادہ ملتوی کر دینا پڑا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اب صبح تک ان بے گناہ گرفتار شدگان کا کچومر نکال دیا جائے گا۔ اگر وہ وہاں رہا تو اس زیادتی کو برداشت نہ کر سکے گا۔ ناچار وہ صولت مرزا کی حویلی کی طرف چل پڑا۔ حقیقتاً وہ اس وقت وہاں نہیں جانا چاہتا تھا۔ ارسلانوس کے جملے اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔

بے خیالی میں وہ سامنے والے پھاٹک سے جانے کے بجائے عقبی پارک کی طرف مڑ گیا۔ اصطبل کے قریب پہنچ کر وہ ٹھٹک گیا۔ جلے ہوئے اصطبل کے ملبے پر ایک آدمی جھکا ہوا نظر آیا۔ اس نے انہیں آدمیوں کا سا قدیم رومن لباس پہن رکھا تھا جنہیں حمید بھوت سمجھا تھا۔ اس کے چہرے پر بھی زرد روشنی پھیلی ہوئی تھی اور چہرہ کچھ جانا پہچانا سا معلوم ہو رہا تھا۔ حمید ذہن پر زور دینے لگا کہ اس نے اسے کہاں دیکھا ہے۔ ان پانچوں کے چہرے تو اسے اچھی طرح یاد تھے۔ وہ ان میں سے نہیں تھا۔ دفعتاً حمید چونک پڑا۔ اس کی صورت تو اس بت سے ملتی جلتی تھی جسے جیل زفورس کہہ کر مخاطب کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ تو کیا؟ وہ حقیقتاً بھوت ہے۔ حمید کے جسم سے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ چھوٹ پڑا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا مہندی کی باڑھ میں چھپ گیا۔ وہ پُراسرار آدمی اپنے نیزے سے ایک جگہ اصطبل کا ملبہ ہٹا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور پھر وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ حمید نے محسوس کیا کہ وہ ملبے کے ڈھیر سے اتر کر اس کی طرف بڑھ رہا ہے۔ حمید کا ہاتھ بے اختیار جیب کی طرف گیا لیکن پھر اس کے جسم میں مایوسی کی لہر دوڑ گئی۔ ریوالور تو اس کے سوٹ کیس میں بند تھا۔

"میں نے تمہیں دیکھ لیا ہے۔" وہ مہندی کی باڑھ کے قریب آ کر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "چپ چاپ کھڑے ہو جاؤ۔ ورنہ یہ نیزہ تمہاری ہڈیوں میں اترتا چلا جائے گا۔"

حمید کھڑا ہو گیا لیکن اس کے سارے جسم میں کپکپی طاری تھی۔

"میں تمہیں شہید کر کے بھوت بنانا چاہتا ہوں۔" اس نے سفاکانہ انداز میں کہا۔

حمید خاموش رہا۔ پھر وہ پُراسرار آدمی بے اختیار ہنس پڑا اور ساتھ ہی حمید ارے کہہ کر اچھلا ہے تو ایک ہی جست میں مہندی کی باڑھ پار کر گیا۔ ہنسی کا انداز فریدی کا سا تھا۔

"خدا کی قسم اسی بل بوتے پر سراغ رسانی کا دعویٰ رکھتے ہو۔"

"اگر میرا ہارٹ فیل ہو جاتا تو۔" حمید نے بگڑ کر کہا۔

"تو میں کسی کنوارے گدھے سے تمہاری شادی کر دیتا۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "میرے یار تو سچ مچ لونڈیوں سے بھی بدتر ہیں۔"

دفعتاً فریدی کے چہرے پر پھیلی ہوئی زرد روشنی غائب ہو گئی۔

"یہ کس طرح ہوا۔" حمید بے ساختہ پوچھ بیٹھا۔

"نہایت آسانی سے۔" فریدی نے کہا۔ "میرے سر پر رکھے ہوئے خود میں اندر کی طرف ننھے ننھے تین بلب لگے ہوئے ہیں جن کا تعلق میری جیب میں رکھی ہوئی ایک معمولی سی بیٹری سے ہے جب چاہتا ہوں انہیں جلا دیتا ہوں اور جب چاہتا ہوں بجھا دیتا ہوں۔"

"لاحول ولا قوۃ۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ "لیکن آپ نے اتنی جلدی یہ سامان کہاں سے مہیا کر لیا۔"

"سب ڈاکٹر بھٹناگر کی عنایت ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "آؤ آؤ ادھر.... جھاڑیوں کی اوٹ میں آ جاؤ۔"

"کل رات کہاں رہ گئے تھے۔" حمید نے پوچھا اور فریدی ہنسنے لگا۔

"تم شاید سمجھے ہو گے کہ مجھے پکڑ لیا گیا۔" اس نے کہا۔ "بات یہ نہیں تھی۔ اس وقت کی چال بڑی کار آمد ثابت ہوئی۔ وہ اندھیرے میں یہی سمجھے کہ میں بھی اسی ٹیکسی پر بیٹھ کر نکل گیا ہوں۔ اس طرح مجھے ڈاکٹر بھٹناگر کے مکان میں گھسنے کا موقع مل گیا۔ وہ لوگ تو بے چارے رات بھر مجھے تلاش کرتے رہے۔ ڈاکٹر بھٹناگر کے مکان کی تلاشی لینے پر مجھے خود بھی یقین ہو گیا کہ اس کے متعلق میرا اندازہ قطعی درست تھا۔ وہ پانچوں پُراسرار آدمی اسی کے گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ لباس جو میں نے پہن رکھا ہے اسی کے گھر سے چرا کر لایا ہوں۔"

"لیکن وہ پانچوں تو کل رات کو یہاں اسی لباس میں موجود تھے۔" حمید نے کہا۔

"میں جانتا ہوں۔ بھٹناگر کے یہاں صرف پانچ آدمیوں کے لئے لباس نہیں ہے۔ اس کے علاوہ بھی وہاں کئی جوڑے وردیاں اور ہیں۔ ہاں تو وہ کل رات کو نقارہ یہاں سے نکال لے گئے۔"

"یعنی اصطبل سے....؟" حمید نے متحیرانہ انداز میں سوال کیا۔

"ہاں.... اپنی عقلوں پر تو پتھر پڑ گئے تھے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں اپنی
حماقت بھی زندگی بھر یاد رکھوں گا۔ وہ نقارہ دراصل یہاں گھوڑوں کے دانہ کھانے کے ہودے کے
طور پر استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ خود صولت مرزا بھی اس کی حقیقت یا اہمیت سے آگاہ نہیں تھا۔ کل
وہ لوگ اسے کھود کر نکال لے گئے اور ساتھ ہی وہ اصطبل میں آگ بھی لگا گئے۔"

"آخر تھا کیا اس نقارے میں....!"

"اس راستے کا نقشہ جو ہمیں تخت عقرب تک لے جاتا۔"

"یہ آپ کو کس طرح معلوم ہوا۔"

"قیاس...!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "آج وہ یدھ راج گڑھی میں راستہ تلاش کر رہے تھے۔"

"تو کیا وہ ساری اودھم....!"

"میں نے ہی مچائی تھی۔" فریدی نے اس کا جملہ پورا کر دیا۔ "ان کے کئی آدمی ہلاک اور
زخمی ہوئے ہیں۔"

"مگر لاشیں....!"

"وہ اٹھالے گئے ہوں گے۔ اگر ایسا نہ کرتے تو ان کا راز ظاہر ہو جاتا۔"

حمید تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

"آخر انہوں نے نقارے کی تلاش کے لئے یہ سوانگ کیوں بھرا تھا۔"

"یہ ان کی زبردست چال تھی۔" فریدی پرخیال انداز میں بولا۔ "اس معاملے میں ڈا
بھٹناگر کی ذہانت کا قائل ہو جانا پڑتا ہے۔ یدھ راج گڑھی کی کھدائی کے دوران میں صولت م
ہی کے یہاں ٹھہرا تھا۔ غالباً وہ جمیلہ کے مرض سے واقف ہو گیا تھا۔ اس کی نظر خصوصاً اس با
پر زیادہ تھی کہ جمیلہ دورے کی حالت میں قدیم روم اور یونان کی باتیں کیا کرتی ہے خود کو قد
مصر کی باشندہ سمجھتی ہے۔ لہٰذا اس نے اسی حوالے سے قدیم رومن سپاہیوں کی اختراع کی تا
دیکھنے والے اسے آسیبی سمجھ کر ان سے دور ہی رہیں اور وہ اپنا کام کر گزریں۔"

"اور آپ.... آپ اس لباس میں کیوں آئے۔"

"اپنا بھی وہی مقصد تھا اگر اس لباس میں نہ آتا تو ممکن ہے کہ مجھے گولی ہی مار دی جاتی۔"

"کون گولی مارتا۔"

"صولت مرزا....!"

"کیوں؟"

"شاید نیند نے تمہاری سوچنے کی قوت سلب کر لی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"ارے میاں.... کل اس کی لڑکی اسی اصطبل میں بُری طرح جل چکی ہے۔ بھلا آج رات کو
اس کے قریب آنے والا زندہ رہ سکتا تھا۔ صولت مرزا نے مجھے اس لباس میں یہاں دیکھا تھا اور
چپ چاپ دم دبا کر بھاگ گیا تھا۔ ممکن ہے وہ اب بھی کسی کھڑکی یا روشندان سے جھانک رہا ہو۔"

حمید فریدی کو اپنی اور ارسلانوس کی گفتگو کے متعلق بتاتا ہوا بولا۔ "ایک بات سمجھ میں نہیں
آتی کہ ارسلانوس گولیوں کی آوازیں سن کر بے تحاشہ بھاگا کیوں تھا۔"

"وحشت....!" فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔

"ارسلانوس کی شخصیت بھی کچھ مشتبہ سی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ صولت مرزا کے
پیچھے کیوں پڑا ہوا ہے۔"

"ایک بہت ہی معمولی وجہ تو اس کا مرحوم بیٹا ہے۔" حمید نے کہا۔ "صولت مرزا کی کسی
حرکت کی بناء پر گھل گھل کر مر گیا۔"

"یہ ارسلانوس کا بیان ہے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن تم اس کی حقیقت سے واقف نہیں۔
اس کے لڑکے کی پرورش دراصل صولت مرزا ہی کے یہاں ہوئی تھی۔ ارسلانوس اپنی بیوی کے
مرنے کے بعد سے لڑکے کی طرف سے بھی لاپرواہ ہو گیا تھا۔ حتیٰ کہ وہ ایک بار سخت بیمار تھا۔ اس
کے سارے جسم پر زخم ہو گئے تھے اور ان میں کیڑے بج بجایا کرتے تھے۔ ارسلانوس نے اسے گھر
سے نکال کر گلی میں ڈلوا دیا تھا۔ اگر صولت مرزا نہ ہوتا تو کیڑے اس کی ہڈیاں تک چاٹ جاتے۔"

"بھئی یہاں تو میری عقل ہی خبط ہو گئی ہے۔" حمید اکتا کر بولا۔

"پہلے بھی نہیں تھی۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ تھوڑی دیر خاموش رہا پھر کہنے لگا۔ "ایک
بات سمجھ میں نہیں آتی وہ یہ کہ ڈاکٹر بھٹناگر کو اس نقارے کا علم کیونکر ہوا جب کہ خود مرزا بھی
اس کے وجود سے لاعلم تھا۔ اسے یہ کس طرح معلوم ہوا کہ نقارہ صولت ہی کے یہاں کہیں پر
موجود ہے۔"

حمید نے کوئی جواب نہیں دیا لیکن تھوڑی ہی دیر بعد چونک کر کہنے لگا۔

"ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔"

"کیا....؟"

"جمیلہ کو آپ قطعی معصوم قرار دیتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ وہ کسی مقصد کے لئے استعمال کی جاتی رہی ہے۔ خود کسی بات سے واقف نہیں۔ اگر یہ حقیقت ہے تو یہ بتایئے کہ اس کا فاؤنٹین پن بدھ راج گڑھی تک کیسے پہنچا۔"

"ہاں یہ سوال بھی غور طلب ہے۔" فریدی نے کہا۔ "میں تو اسے بھول ہی گیا تھا۔ خیر جو کچھ بھی ہے جلد ہی سامنے آجائے گا۔"

"تو آپ چلے کہاں؟" حمید نے کہا۔

"جہاں اب تک تھا.... تمہیں ہدایات ملتی رہیں گی۔ میرے متعلق صولت مرزا کو کچھ نہ بتانا۔"

اور پھر وہ کچھ دور چل کر تاریکی میں غائب ہوگیا۔

خون ریز جنگ

فریدی نے ان پانچ آدمیوں کا بھی راز ظاہر کردیا۔ نقارے کے متعلق بھی اس کا قیاس درست ہوسکتا ہے۔ جمیلہ کی ذہنی بیماری بھی حقیقت رکھ سکتی ہے لیکن وہ اس کتے کی آواز کو کس طرح آدمی کا کارنامہ ثابت کرسکے گا۔ جب کہ وہ سینکڑوں سال سے سنی جارہی ہے۔

صبح سے صولت مرزا سے کسی خاص موضوع پر گفتگو نہیں ہوئی تھی۔ اس نے اسے صرف اتنا ہی بتایا تھا کہ پچھلی رات کو بھی اصطبل کے قریب ان میں سے ایک آدمی دکھائی دیا تھا اور اس کی شکل پارک میں نصب شدہ بتوں میں سے ایک سے ملتی جلتی تھی۔ صولت مرزا جمیلہ کی وجہ سے بہت زیادہ پریشان تھا۔ جمیلہ کی حالت پہلے سے بہتر ضرور تھی لیکن وہ ہر وقت کراہتی اور چیختی رہتی تھی۔ جلنے کے بعد سے وہ اب تک سو نہیں سکی تھی۔ دو ایک بار صرف غشی کے دورے پڑے تھے۔ وہ بھی زیادہ دیر تک کے لئے نہیں۔ جلنے کے بعد سے اب تک اس نے ہزار دو ہزار سال پرانی باتیں نہیں کی تھیں اور وہ ہر ایک کو پہچان بھی رہی تھی۔ بار بار ہر ایک سے پوچھتی تھی کہ وہ آخر جلی کیسے؟ کہاں اور کب جلی۔

حمید دن بھر اونگھتا رہا۔ دو ایک بار شکیلہ سے بھی مڈبھیڑ ہوئی اور حمید نے اسے مخاطب کرنے کی بھی کوشش کی لیکن وہ کچھ بولی نہیں یا شاید جمیلہ کی وجہ سے اس کی ساری شوخی ختم ہوگئی تھی۔ عقیلہ کے بچے بھی خاموش تھے۔

تقریباً تین بجے شام کو ایک لڑکے نے حمید کو لفافہ دیا جس پر اسی کا نام تحریر تھا۔ حمید نے اس کے ہاتھ پر ایک سکہ رکھ کر اسے رخصت کردیا۔ یہ خط فریدی کا تھا۔ اس نے شام کو بدھ راج گڑھی کے قریب کے جنگل میں بلایا تھا۔ اس کے علاوہ خط میں کچھ اور نہیں تھا۔

حمید ایک نئی الجھن میں پڑ گیا۔ فریدی شاید ہمیشہ کی طرح اس بار بھی تنہا ہی کام کرنا چاہتا تھا۔ لیکن یہ معاملہ تنہا نپٹنے کا نہیں تھا۔ معلوم نہیں ڈاکٹر بھنٹاگر کا گروہ کتنا مضبوط ہو۔ وہ دو آدمی ان کا کیا بگاڑ لیں گے۔ بہرحال اسے جانا ہی تھا۔ سوچتے سوچتے اسے رات والی جنگ کا خیال آگیا کل تو فریدی بالکل تنہا تھا۔ وہ ان سے اکیلا ہی بھڑ گیا تھا اور اسے یہ دعویٰ بھی تھا کہ اس نے ان میں سے کئی ایک کو ختم کردیا ہے۔

چھ بجتے ہی وہ جنگل کی طرف روانہ ہوگیا۔ اس نے اپنا ریوالور لے لیا تھا اور کافی تعداد میں کارتوس بھی۔ اسے دیر تک نہیں بھٹکنا پڑا۔ وہ ایک اونچے اور گھنے درخت کے نیچے سے گزر رہا تھا کہ اسے اوپر سے ہلکی ہلکی سیٹی کی آواز سنائی دی۔ اس نے چونک کر اوپر دیکھا۔ فریدی گھنی شاخوں سے سر نکالے جھانک رہا تھا۔ اس نے حمید کو اوپر آنے کا اشارہ کیا اور حمید بھنا کر رہ گیا۔

"اس وقت آپ جیسے بلند مقاموں تک میری رسائی ناممکن ہے۔ میں آپ کے جنگل خانے تک نہیں پہنچ سکتا۔"

"چپ....!" فریدی ہونٹ پر انگلی رکھ کر بولا اور پھر اشارے سے اوپر چڑھنے کو کہا۔

مجبوراً حمید نے جوتے اتار کر پتلون کی جیب میں ٹھونسے اور درخت پر چڑھنے لگا۔

دفعتاً فریدی نے گلے میں لٹکی ہوئی دوربین آنکھوں سے لگائی اور مغرب کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر آہستہ آہستہ سر گھماتا ہوا بدھ راج گڑھی کی سمت پلٹا۔ تھوڑی دیر تک دیکھتا رہا پھر دوربین چھوڑ کر حمید سے مخاطب ہوگیا۔

"وہ آج بھی باز نہیں آئیں گے۔ ڈھائی تین من سونا کم نہیں ہوتا اور پھر اسی کے ساتھ ہی ساتھ قیمتی جواہرات بھی جو اس تخت میں جڑے ہوئے ہیں۔"

"مجھے تو یہ اب بھی بنڈل ہی معلوم ہوتا ہے۔" حمید نے کہا۔

"خیر.... خیر.... ذرا اسے دیکھو۔" فریدی نے جیب سے کاغذ کا ایک ٹکڑا نکال کر حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

ابھی تھوڑی بہت روشنی باقی تھی۔ حمید نے کاغذ پر نظریں جمادیں۔ اس پر سرخ روشنائی سے بچھو کا ڈنگ بنا ہوا تھا اور کچھ ہندسے بنے ہوئے تھے۔ کچھ تیروں کے نشانات تھے۔ ڈنگ کے چاروں طرف سمتوں کے نام لکھے ہوئے تھے۔ حمید نے فریدی کی طرف دیکھا جو دوربین سے یدھ راج گڑھی کا جائزہ لینے میں مشغول ہو گیا تھا۔

"کیا یہ ڈراؤنے خوابوں کا تعویذ ہے۔" حمید نے مسکرا کر پوچھا۔

"نہیں بیٹے۔" فریدی نے مڑے بغیر جواب دیا۔ "کیا تمہیں ان مہمل اشعار کا وہ مصرعہ یاد نہیں رہا۔"

"کون سا....!"

"نقارے میں ڈنگ لگا ہے۔"

"ہاں تو پھر....!"

"یہ وہی ڈنگ ہے جو نقارے میں لگا ہوا تھا۔"

"آپ کو ملا کہاں سے۔"

"کیا تم اس کاغذ پر خون بھری انگلیوں کے نشانات نہیں دیکھ رہے ہو۔"

"دیکھ رہا ہوں۔"

"یہ کل رات کو انہیں میں سے کسی کے پاس تھا۔" فریدی نے کہا۔ وہ ابھی تک یدھ راج گڑھی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً حمید کی طرف مڑ کر دوربین اس کے ہاتھ میں دیتا ہوا بولا۔

"ذرا دیکھنا تو یہ کون ہے؟"

حمید نے دوربین لے کر آنکھوں سے لگائی۔ یدھ راج گڑھی میں ایک آدمی دکھائی دیا جو ٹوٹی ہوئی دیواروں کی آڑ میں چھپتا پھر رہا تھا۔

"یہ تو ارسلانوس معلوم ہوتا ہے۔ مگر یہ یہاں کیا کر رہا ہے۔" حمید نے کہا۔

"فی الحال ارسلانوس کو بھول جاؤ۔ ان لوگوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا۔"

آہستہ آہستہ اندھیرا پھیلتا جارہا تھا اور جنگل مختلف قسم کی آوازوں سے گونج اٹھا تھا۔

"کچھ معلوم ہے کہ وہ ہیں کتنے۔" حمید نے پوچھا۔

"اس کی پرواہ مت کرو۔" فریدی نے کہا۔ "ہمارے پاس چھ عدد بہترین قسم کے بندوقچی ہیں۔"

"ان کے نام سنو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کیپٹن ابراہیم جلیس، میجر شفیق الرحمٰن، کرنل کنہیا لال کپور، سارجنٹ میجر شوکت اور انسپکٹر جاوید۔"

"لیکن یہ سب ہیں کہاں۔"

"درختوں پر۔" فریدی نے کہا۔ "انہیں آج ہی اپنے ساتھ لے آیا ہوں۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد ادھر اُدھر کی باتیں شروع ہو گئیں۔ لیکن حمید کا ذہن ارسلانوس میں الجھا ہوا تھا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد فریدی نے اسے ٹہوکا دیا۔ حمید چونک کر سامنے کی طرف دیکھنے لگا۔ یدھ راج گڑھی میں کہیں کہیں پر روشنی کے ہلکے ہلکے متحرک دھبے نظر آرہے تھے۔

"لیکن ایک بات تو سنئے۔" حمید نے کہا۔ "ممکن ہے کہ آج یہاں کی پولیس مداخلت کر بیٹھے۔"

"کوئی ہرج نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "میرے پاس ڈاکٹر بھٹناگر کا وارنٹ ہے۔ اس پر ایک قتل کا بھی الزام ہے۔"

"یہ روشنیاں۔" حمید نے کہا۔

"شاید انہوں نے راستے کی تلاش شروع کر دی ہے۔" فریدی نے کہا اور ہولے ہولے سیٹی بجانے لگا۔ قریب کے دو تین درختوں پر سرسراہٹ سنائی دی۔

"آؤ اب اتر چلو۔" فریدی نے کہا۔

حمید نے اترتے ہی ان چھ آدمیوں کو دیکھا۔ وہ انہیں اچھی طرح جانتا تھا۔ کیونکہ وہ فریدی کے گہرے دوستوں میں سے تھے۔

وہ جھاڑیوں اور ٹیلوں کی آڑ لیتے ہوئے یدھ راج گڑھی کی طرف بڑھنے لگے۔ پھر گڑھی کے قریب پہنچ کر انہوں نے زمین پر لیٹ کر سینوں کے بل رینگنا شروع کر دیا۔

گڑھی میں پندرہ بیس آدمی دکھائی دیئے جنہوں نے قدیم رومن سپاہیوں جیسا لباس پہن

رکھا تھا اور ان کے چہروں پر ہلکی زرد روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ ان میں دو تین جھکے ہوئے ٹارچ کی روشنی میں زمین دیکھ رہے تھے۔ فریدی کے ساتھیوں میں سے کسی نے حیرت کا اظہار نہ کیا۔ حمید سوچنے لگا کہ شاید فریدی انہیں پہلے ہی سب کچھ بتا چکا ہے۔

جھکے ہوئے آدمیوں میں سے ایک سیدھا کھڑا ہو گیا۔ حمید نے اسے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا۔ یہ ڈاکٹر بھٹناگر تھا۔ اس نے جھکے ہوئے آدمیوں سے کچھ کہا اور وہ بھی سیدھے ہو گئے۔

"کیا یہ لوگ کل اسی لباس میں تھے۔" حمید نے فریدی سے آہستہ سے پوچھا۔

"نہیں! آج انہوں نے ضرورتاً ایسا کیا ہے۔ اگر کل گولیاں نہ چلی ہوتیں تو شاید یہ اتنی احتیاط نہ کرتے۔"

"تو اب کیا کہتے ہو۔" ساتھیوں میں سے ایک نے پوچھا۔

"ابھی ٹھہرو.....!" فریدی نے کہا۔

بھٹناگر کا ایک ساتھی اپنے آدمیوں سے ہٹ کر ایک منارے کی طرف گیا۔ پھر وہاں سے الٹے پاؤں لوٹ آیا۔ لیکن واپسی میں کسی قدر اہتمام تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ قدم گن رہا ہو۔ اتنی دیر میں فریدی اور اس کے ساتھی ٹوٹی ہوئی دیواروں کی اوٹ میں رینگتے ہوئے ان کے قریب پہنچ چکے تھے۔

"پچیس قدم یہاں پورے ہوتے ہیں۔" بھٹناگر کے ساتھی نے کہا۔

بھٹناگر اس کے قریب آ گیا اور جھک کر ٹارچ کی روشنی میں کچھ دیکھنے لگا۔

"مگر یہاں بھی ویسا نشان نہیں دکھائی دیتا۔" بھٹناگر نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "اگر یہاں کبھی اس قسم کی عمارت تھی تو کم از کم اس کے آثار تو ہونے ہی چاہئے تھے۔"

"کہیں ہم اُلو نہیں بن گئے۔" کسی نے کہا۔

"یقیناً اُلو ہی معلوم ہوتے ہو۔" فریدی بلند آواز میں بولا۔ "خبردار اگر کوئی ہلا تو کھوپڑی اڑی۔"

آناً فاناً ان کے چہروں کی روشنیاں غائب ہو گئیں اور وہ سب پھرتی سے زمین پر لیٹ گئے۔ فریدی اور اس کے ساتھی بلندی پر ضرور تھے لیکن اب انہیں وہ لوگ صاف نہیں دکھائی دیتے تھے۔ ان کے ساتھیوں میں سے ایک نے سر ابھارا ہی تھا کہ ایک فائر ہوا۔ مگر نہ جانے وہ کیسے بچ گیا۔

"فائرنگ شروع کر دو۔" فریدی نے کہا اور ادھر سے بھی گولیاں چلنے لگیں۔ حمید نے بھی

ریوالور نکال لیا تھا۔ دونوں طرف سے بے تحاشہ گولیاں چل رہی تھیں۔ بھٹناگر کی طرف دو تین چیخیں بھی سنی گئیں۔

"یوں نہیں۔" فریدی بولا۔ "ایک ایک آدمی دائرے کی شکل میں کھسکتا چلے۔ وہ لوگ ایسے میں اوپر چڑھنے کی ہمت نہیں کریں گے۔"

سب نے آہستہ آہستہ کھسکنا شروع کر دیا۔ لیکن ان کے ریوالور برابر آگ اگلتے جا رہے تھے۔ دوسری طرف پھر ایک چیخ سنائی دی۔ گڑھی کے باہر بھی شور سنائی دے رہا تھا اور باہر بھی ایک آدھ فائر سنائی دیئے۔ شاید باہر والے حمید کے پچھلی رات کے تجربے کو دہرا رہے تھے۔

ادھر بھٹناگر کی طرف کے ایک آدمی نے اوپر آنے کی کوشش کی اور حمید کے ریوالور نے اسے پھر نیچے پہنچا دیا۔

"فضول ہے ڈاکٹر بھٹناگر۔" فریدی نے زور سے کہا۔ "اب بھی بہتر ہے کہ باز آ جاؤ۔"

دوسری طرف سے فائر بند ہو گئے اور فریدی کے ساتھیوں نے گولیاں چلانا بند کر دیا۔

"بولو کیا کہتے ہو۔" فریدی نے پھر آواز دی لیکن جواب ندارد۔ فریدی نے ایک فائر بھی کیا لیکن اس کا بھی جواب نہیں دیا گیا۔ فریدی نے دو تین فائر اور کئے.... لیکن بے سود۔

آخر انسپکٹر جاوید نے ٹارچ روشن کی۔ نیچے آٹھ زخمی یا مردے دکھائی دیئے۔ فریدی تیزی سے نشیب میں اتر گیا۔ اس کے پیچھے بقیہ لوگ بھی تھے اور پھر کئی ٹارچوں کی روشنیاں قرب و جوار میں پھیلنے لگیں۔ لیکن بھٹناگر اور اس کے بقیہ ساتھیوں کا کوئی پتہ نہ تھا۔

"اچھا میاں جاوید صاحب سیٹی ہو گی تمہارے پاس۔" فریدی نے کہا۔ "ہونی تو چاہئے کیوں کہ اتفاق سے تم اس وقت وردی میں ہو۔"

"کیا کرو گے سیٹی۔" انسپکٹر جاوید نے جیب سے پولیس کی سیٹی نکالتے ہوئے کہا۔

"عقل کے ناخن لو یار۔" فریدی نے کہا۔ "مقامی پولیس کے آدمی باہر موجود ہوں گے۔ اگر انہوں نے اندر گھس کر ہم پر بے تحاشہ گولیاں برسانی شروع کر دیں تو کیا کرو گے۔ اچھا چلو.... بجاؤ خطرے کی سیٹی۔"

انسپکٹر جاوید نے خطرے کی سیٹی بجائی۔ باہر سے جواب آیا اور پھر تھوڑی ہی دیر بعد بھاری بھرکم جوتوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ فریدی نے ٹارچ سے اشارہ کیا اور مقامی پولیس کے

جوان دوڑ کر ان کی طرف آئے۔ وہ سب مسلح تھے۔ شاید آج احتیاطاً دوسرے تھانے سے بھی کچھ سپاہی بلوا لئے گئے تھے۔

"ارے آپ....؟" سب انسپکٹر فریدی کو دیکھ کر چیخا اور پھر متحیرانہ انداز میں زمین پر پڑے ہوئے آدمیوں کو دیکھنے لگا۔

"ہمیں کچھ اور آدمیوں کی تلاش ہے جو اس وقت بھی یہیں کہیں موجود ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"مگر یہ ہیں کون....؟" سب انسپکٹر نے پوچھا۔

"قاتل.... سازشی اور خطرناک قسم کے مجرم۔ ان کے وارنٹ میرے پاس موجود ہیں۔ انہیں اٹھوا کر لے جایئے۔ ہم دوسروں کی تلاش میں ہیں اور یہ قصبے والوں کی بھیڑ یہاں سے ہٹوا دیجئے۔ کوئی گڑھی کے اندر نہ آنے پائے۔"

سب انسپکٹر زمین پر پڑے ہوئے آدمیوں کو اٹھوانے کا انتظام کرنے لگا اور یہ لوگ دوسروں کو ڈھونڈھنے میں مشغول ہوگئے۔

تختِ عقرب

"آخر گئے کہاں۔" کیپٹن حامد پر تشویش لہجے میں بولا۔ "اگر اوپر چڑھتے تو صاف دکھائی دے جاتے۔ ایک نے چڑھنے کی کوشش کی تھی ہم میں سے کسی کی گولی کا نشانہ بن گیا تھا۔"

"اوپر تو نہیں گئے۔" فریدی نے پرخیال انداز میں کہا۔

"تو پھر زمین میں گھس گئے ہوں گے۔" حمید طنزیہ لہجے میں بولا۔

"تمہارا خیال درست بھی ہوسکتا ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

وہ تھوڑی ہی دور چلے ہوں گے کہ انہیں گری ہوئی عمارتوں کے ملبے کے درمیان ایک تنگ سا راستہ دکھائی دیا جس کے دونوں طرف کے ڈھیر چھ سات فٹ سے کم بلند نہیں تھے۔ وہ اس میں گھس پڑے۔

"غالباً وہ اسی راستے سے فرار ہوئے ہیں۔" فریدی مایوسانہ انداز میں بولا۔

"ساری محنت برباد ہوگئی۔ بہت زیادہ دور اندیشی بھی اچھی نہیں ہوتی۔ اگر میں سیٹی وغیرہ

ی چکر میں نہ پڑا ہوتا تو وہ نکل کر جا نہیں سکتے تھے۔"

"پھر بھی۔" انسپکٹر جاوید بولا۔ "وہ بچ کر کہاں جائیں گے۔ میرے خیال سے تو اب تم وہ کام شروع کردو جس کے لئے دردِ سر مول لی ہے۔ فی الحال راستہ صاف ہوگیا ہے۔"

"اس نقشے کی مدد سے تو ہم عمر بھر وہاں نہ پہنچ سکیں گے۔" فریدی نے کہا۔

"کیونکہ شاید ظاہری نشانات مٹ چکے ہیں۔ میں نے اس نقشے کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ بھٹناگر کا ساتھی مینار سے پچیس قدم تک بالکل ٹھیک چلا تھا۔ اس جگہ بچھو کے ڈنگ کی شکل کی کسی عمارت کے آثار ضرور ہونے چاہئیں۔ لیکن ایسا نہیں ہے، ہاں ایک دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ ٹھیک اسی جگہ کھدائی کی جائے۔ اگر یہ صحیح ہے تو اس تخت کو کسی تہہ خانے ہی میں ہونا چاہئے۔"

وہ لوگ ابھی تک اس تنگ راستے میں چل رہے تھے۔ دفعتاً کچھ دور پر انہیں ایک سایہ سا دکھائی دیا اور پھر فوراً ہی غائب ہوگیا۔ ان کی ٹارچوں کی روشنی دور تک پھیلتی چلی گئی۔ لیکن پوری راہ سنسان پڑی تھی۔ جس جگہ سایہ دکھائی دیا تھا وہاں پہنچ کر فریدی رک گیا۔ اس کی نظریں چاروں طرف دوڑ رہی تھیں۔ قریب ہی اسے ایک غار دکھائی دیا جس کے دہانے پر جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ فریدی نے جھاڑیوں کو ہاتھ سے ہٹا کر اندر روشنی ڈالی۔ یہ ایک بڑا سا غار تھا جس کا دوسرا سرا دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اندر سیلن کی بدبو پھیلی ہوئی تھی.... اور زمین گیلی تھی۔ فریدی اپنے ساتھیوں کی طرف مڑا۔

"یہاں دیکھو! پیروں کے یہ نشانات بالکل تازہ معلوم ہوتے ہیں۔" اس نے کہا۔

"ہاں ہیں تو....!" حمید نے کہا۔ "اور کئی آدمیوں کے معلوم ہوتے ہیں۔"

"تو آؤ.... پھر انتظار کس بات کا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "مگر ڈاکٹر بھٹناگر ہاتھ آگیا تو ممکن ہے کہ ہم وہ راستہ بھی پاجائیں ورنہ ویسے تو کوئی امید نہیں ہے۔"

وہ سب غار میں اتر گئے۔ فریدی آگے آگے چل رہا تھا۔ کچھ دور تک زمین بالکل بھیگی ہوئی تھی۔ اندر گھستے ہی ان پر مچھروں نے یلغار کردی تھی۔ حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے کئی ایک اس کی ناک کے راستے پیٹ میں بھی اتر گئے ہوں۔ اتنے مچھروں کی بھنبھناہٹ اس کے دماغ کی چولیں ہلائے دے رہی تھیں۔ وہ اپنے منہ پر تھپڑ لگاتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔

جیسے جیسے وہ آگے بڑھتے گئے غار تنگ ہوتا گیا اور پھر کچھ اور آگے چل کر صرف اتنا بڑا

سوراخ رہ گیا جس سے صرف ایک آدمی لیٹ کر گزر سکتا تھا۔ فریدی نے جھک کر اس میں ٹارچ کی روشنی ڈالی اور پھر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔

"تم سب ایک بار اس کی زیارت کر لو۔" وہ کپکپائی ہوئی آواز میں بولا۔

سب سے پہلے حمید جھکا اور وہ بھی سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اس کی نظریں جواب طلب انداز میں فریدی کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ باری باری سب نے دیکھا اور بت بن کر رہ گئے۔

"کیا خیال ہے؟" فریدی پھر بولا۔

"تو کیا وہ دروازہ....!" حمید اس سے آگے نہ کہہ سکا۔ اس کا دل بڑی شدت سے دھڑکنے لگا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا واقعی انہیں تختِ عقرب مل ہی جائے گا۔ اس نے اس سوراخ سے چند قدم کے فاصلے پر ایک دروازہ دیکھا تھا۔

"دیکھو.... دیکھو۔" فریدی سوراخ پر جھکتا ہوا بولا۔ "یہ سوراخ بھی قدرتی نہیں معلوم ہوتا۔ اس کے گرد جمی ہوئی کائی یہ بتاتی تھی کہ یہ سوراخ خاص طور پر بنایا گیا ہے اور پھر یہاں کائی کا کیا کام۔ جب کہ یہاں پانی کی ایک بوند بھی نہ پہنچ پاتی ہو گی۔ ذرا یہ قرب و جوار کی زمین دیکھو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہاں کبھی پانی پڑا ہی نہیں۔ پھر یہاں اس دہانے میں کائی کہاں سے آئی۔ اس کا تو یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ اس کی سینچائی کی جاتی ہے۔"

"ممکن ہے اوپر کا پانی رس رس کر یہاں تک پہنچتا ہو۔" حمید نے کہا۔

"اگر یہ بات ہوتی تو ہمارے اوپر کا حصہ بھی نم ہوتا۔ لیکن وہ بالکل ہی خشک پڑا ہے۔ خیر تو اب کیا ارادہ ہے۔" حمید بے صبری سے بولا۔

"میں ہی شروعات کرتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

اور پھر وہ دیکھتے ہی دیکھتے زمین پر لیٹ کر سوراخ کے اندر رینگ گیا۔ یکے بعد دیگرے دوسروں نے بھی اس کی تقلید کی۔

"اوہو....!" فریدی ایک پتھر کے ٹکڑے پر جھکا ہوا اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے اسے سوراخ پر رکھ دیا۔ بالکل ایسا معلوم ہوا جیسے کسی چیز پر ڈھکن لگا دیا گیا ہو۔ اس نے اسے پھر ہٹا لیا۔

"یہ دیکھو اس میں بھی ایک طرف ویسی ہی کائی لگی ہوئی ہے تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ یہ سچ مچ اس سوراخ کا ڈھکن ہے۔ اگر اسے اس میں لگا دیا جائے تو دوسری طرف سے راستہ قطعی مسدود

معلوم ہو گا۔ بھئی داد دینی پڑتی ہے اس کاریگری کی۔"

وہ بولتے بولتے خود بخود چونک پڑا اور پھر کہنے لگا۔ "تو کیا بھبٹا گر سے بھی پہلے کوئی اس تہہ خانے پر قبضہ کر چکا ہے۔"

"اسے چھوڑو.... اب یہ بتاؤ کہ کیا کیا جائے؟" انسپکٹر جاوید نے کہا۔

فریدی پتھر کو چھوڑ کر دروازے کی طرف متوجہ ہو گیا جس کی درازوں سے ہلکی ہلکی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ فریدی آگے بڑھ کر درازوں سے جھانکنے لگا اور پھر فوراً ہی پیچھے ہٹ آیا۔ اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

"میں تم لوگوں کو ہرگز اندر نہ جھانکنے دوں گا۔ ورنہ تم لوگ بھاگ نکلو گے۔"

"کیوں؟ کیوں؟" سب لوگ آگے بڑھے۔

"نہیں ابھی ٹھہرو۔" فریدی نے کہا اور دروازے کو اپنی طرف کھینچنے لگا۔ لیکن وہ دوسری طرف سے بند تھا۔ اس نے کافی زور صرف کیا لیکن دروازہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

"تڑوانا پڑے گا۔" فریدی نے پر خیال انداز میں کہا۔

حمید مضطربانہ انداز میں آگے بڑھا۔ اس نے دروازے کی درز سے آنکھ لگا دی۔ دوسرے لمحے میں وہ چیخ کر فریدی پر آ رہا۔

"کیوں.... بس مر گئے.... منع کیا تھا۔" فریدی نے اسے الگ ہٹاتے ہوئے کہا۔

"بیٹے حمید صاحب یہ وہی باؤلی ہے جس کی مجھے تلاش تھی.... جہاں میں نے چند گھنٹے گزارے تھے۔ لیکن اس وقت مجھے یہ دروازہ نہیں دکھائی دیا تھا۔ کیا دیکھا؟ میں نے بھی اس وقت یہی دیکھا تھا۔"

کرنل کپور بھی جھپٹ کر دروازے کے قریب آیا۔ لیکن اس کا بھی وہی حشر ہوا جو حمید کا ہوا تھا۔

"کیا بات ہے بھئی۔" کیپٹن جلیس نے اپنے کلاک ٹاور جیسے جسم کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"نہیں نہیں! ادھر مت جاؤ۔" کرنل کپور نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"آخر کیوں؟"

"انسانی کھوپڑیاں خلاء میں ناچ رہی ہیں ان میں چراغ جل رہے ہیں۔"

"ارے باپ....!" کیپٹن ابراہیم جلیس نے بوکھلا کر کہا اور گھبراہٹ میں اونٹ کی طرح

بلبلانے لگا۔

"چھوڑ یار....!" شفیق الرحمٰن نے اپنے مخصوص لہجے میں کہا۔ "روشن دماغوں کی کھوپڑیاں ہوں گی۔"

باری باری سب نے اندر جھانکا اور سب کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ خصوصاً بیچارے جلیس کی بلبلاہٹ اور زیادہ بڑھ گئی۔

"یار جلیس....!" فریدی اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "تم ایک بار ٹارزن سے لڑ جاؤ۔ تمہاری ساری کلیجی خود بخود سیدھی ہو جائیں گی۔"

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی بلبلاہٹ بدستور جاری رہی۔

"اس دروازے کو توڑنا چاہئے۔" فریدی نے کہا۔

"تت.... توڑنا.... کیا کہہ رہے ہیں.... حضرت....!" جلیس نے کانپتے ہوئے کہا۔

"یار میں تمہیں بڑا بہادر سمجھتا تھا۔"

فریدی نے بدقت تمام انہیں راضی کیا اور جلیس کے علاوہ وہ سب مل کر زور لگانے لگے دفعتاً اندر کسی وحشی درندے کی غراہٹ سنائی دی اور وہ سب گھبرا کر پیچھے ہٹ گئے۔

"تم لوگ نہ جانے کس ریگستانی مٹی کے بنے ہو۔" فریدی نے جھلا کر کہا۔ "ارے بابا! سب کے پاس ریوالور ہیں۔ وہ ہمارا کچھ نہیں کر سکتا۔"

"ملنگ.... کون؟" جلیس پھر ہکلایا۔

"یار تم چپ ہی رہو۔" فریدی ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

غراہٹ برابر سنائی دے رہی تھی اور وہ سب بُری طرح کانپ رہے تھے۔

خصوصاً حمید اور جلیس کی تو جان ہی نکل رہی تھی۔

"آخر تم اسے کیا سمجھتے ہو۔" فریدی نے کہا۔

"بھھ.... بھوت....!" کیپٹن حامد نے کہا۔

"بکواس۔ اگر وہ بھوت ہے تو اندر ہی سے کیوں غرا رہا ہے۔ باہر کیوں نہیں نکلتا۔ اگر وہ واقعی بھوت ہوتا تو اب تک تمہاری گردنیں کس طرح سلامت رہتیں۔"

"مگر.... مگر....؟" حمید نے کچھ کہنا شروع کیا۔

"آپ تو براہِ کرم خاموش ہی رہئے.... چغد کہیں کے۔"

فریدی انہیں بڑی دیر تک سمجھاتا رہا اور پھر کسی نہ کسی طرح انہیں دروازہ توڑنے پر راضی کر لیا۔

بدقت تمام ایک تختہ نکل سکا۔ اتنا ہی کافی تھا۔ فریدی نے اندر ہاتھ ڈال کر کنڈی گرا دی اور دونوں پٹ کھول دیئے۔ غراہٹ کی آواز اور زیادہ تیز ہو گئی تھی۔ فریدی نے اندر داخل ہوتے ہی خلاء میں ناچتی ہوئی کھوپڑیوں پر فائر کئے۔ سب کی سب.... چٹاخ چٹاخ ٹوٹ کر بکھر گئیں اور باؤلی میں اندھیرا پھیل گیا۔ سب نے ٹارچیں روشن کر لیں۔ انہیں آٹھ دس آدمی زمین پر اوندھے پڑے دکھائی دیئے جن کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے۔ یہ ڈاکٹر بھٹناگر کے آدمی تھے اور غالباً وہ بھی انہیں میں رہا ہوگا۔

فریدی نے اس طرف روشنی ڈالی جدھر سے غراہٹ کی آواز آ رہی تھی اور حمید بے اختیار چیخ پڑا۔

"ارے یہ تو ارسلانوس ہے۔"

"ہاں ہاں.... میں ہی ہوں۔" اوپر کے دریچے سے آواز آئی۔ "اور اب تم لوگ یہاں سے زندہ بچ کر نہیں جا سکتے۔"

فریدی نے قہقہہ لگایا۔ دوسرے ہی لمحے میں ایک فائر ہوا اور گولی سنسناتی ہوئی اس کے کان کے پاس سے نکل گئی۔ اس نے فائر کر دیا۔ پھر باؤلی کی تنگ فضا پے در پے فائروں سے گونج اٹھی۔ فریدی آہستہ آہستہ زینوں کی طرف رینگ رہا تھا۔ تھوڑی دیر کی جدوجہد کے بعد وہ اوپر پہنچ گیا۔ ارسلانوس کے ریوالور سے نکلتے ہوئے شعلوں نے اس کی رہنمائی کی اور اس کے قریب پہنچ کر اس پر ٹوٹ پڑا۔ اندھیرے میں دونوں ایک دوسرے سے گتھے ہوئے زور آزمائی کر رہے تھے۔

"کیا پکڑ لیا۔" نیچے سے کسی نے پوچھا۔

آواز سن کر فریدی اس طرح چونکا کہ اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور ارسلانوس صاف نکل گیا۔ فریدی اندھیرے میں اس کے دوڑنے کی آواز پر اس کا تعاقب کرنے لگا۔ پھر اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی دروازہ بند کیا گیا ہو۔ اتنی دیر میں اس کے ساتھی بھی اوپر آ گئے تھے۔ ٹارچ کی روشنی میں ایک دروازہ دکھائی دیا۔ انہوں نے زور لگا کر اسے کھولنا چاہا مگر ان کی کوشش بے کار

گئی۔ دروازہ بہت مضبوط تھا۔

"بھٹناگر کے ساتھیوں میں سے ایک کی کمر میں کلہاڑی لٹکی ہوئی ہے۔" فریدی نے کہا اور حمید دوڑتا ہوا نیچے چلا گیا۔

پھر چند لمحوں کے بعد وہ دروازہ کلہاڑی کی ضربوں سے ہل رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے اسے بھی توڑ گرایا اور ساتھ ہی اندر سے ایک فائر ہوا اور فریدی کا ساتھی چیخ کر پیچھے لڑھک گیا۔ بقیہ لوگ ادھر اُدھر ہو گئے۔ فائروں کا سلسلہ پھر شروع ہو گیا تھا۔

"ارسلانوس ریوالور پھینک دو۔" فریدی نے چیخ کر کہا۔

"نہیں.... ہرگز نہیں۔ تخت میرا.... میرا ہے۔ میرے جیتے جی کوئی نہیں لے سکتا۔"

وہ برابر فائر کرتا رہا اور ادھر سے بھی فائر ہوتے رہے۔ دفعتاً اندر چیخ سنائی دی۔

"ہو.... اف.... باخ.... میرا ہے.... یہ میرا ہے.... کوئی نہیں لے سکتا۔"

"باخ.... خاہ.... میرا باخ....!"

اندر سے گولی چلنی بند ہو گئی تھی۔

فریدی نے اندر ٹارچ کی روشنی ڈالی اور اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ تخت عقرب روشنی میں دمک رہا تھا اور اس میں جڑے ہوئے ہیرے جگمگا رہے تھے۔ ارسلانوس نے اسے اس طرح دبوچ رکھا تھا جیسے وہ انتہائی محبت سے کسی بچے کو پیار کر رہا ہو اور اس کے خون کی بوندیں تخت سے زمین پر رس رہی تھیں۔

گولی اس کے سینے میں لگی ہوئی تھی۔

"میرا.... ہائے....!" وہ ایک بار پھر تڑپا اور زمین پر آ رہا۔ اس کا منہ پھیل گیا تھا اور آنکھیں حلقوں سے نکل پڑی تھیں۔

دفعتاً فریدی کو اس ساتھی کا خیال آیا جس کے گولی لگی تھی۔ وہ تیزی سے پلٹا اور گرے ہوئے ساتھی پر جھک پڑا۔ یہ کیپٹن حامد تھا۔ گولی اس کی ران میں لگی تھی اور وہ بے ہوش تھا۔ فریدی زخم کا جائزہ لینے لگا۔ اس کے خیال کے مطابق ہڈی نہیں ٹوٹی تھی۔ گولی نے صرف گوشت کو چھیدا تھا۔

تھوڑی دیر بعد انسپکٹر جاوید باہر سے مدد لے آیا اور وہ سوراخ کھود کھود کر بڑھایا گیا جس سے وہ اندر آئے تھے۔ بھٹناگر اور اس کے بے ہوش ساتھی وہاں سے اٹھوائے گئے۔ کیپٹن حامد کو بھی

نکالا گیا۔ وہ ابھی تک بے ہوش تھا۔ ارسلانوس کی لاش اٹھوائی گئی۔ نہ جانے کیوں اس کی موت کے بعد حمید کے دل میں اس کے لئے ہمدردی پیدا ہو گئی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس کی موت کا ین وہ کافی عرصے تک نہ بھلا سکے گا۔ اس کے خیال کے مطابق ارسلانوس بُرا آدمی نہیں تھا۔ ے اس بے پناہ دولت نے پاگل بنا دیا تھا۔ اگر وہ چاہتا تو انہیں اسی رات کو مار ڈالتا جب وہ پہلی بار رمی میں داخل ہوئے تھے۔

فریدی بھی مضطربانہ انداز میں ٹہل رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ٹارچ تھی اور وہ اس کی روشنی یں باڈلی کا جائزہ لے رہا تھا۔

"وہ دیکھو....!" اس نے حمید کو مخاطب کیا۔ "اوپر باریک باریک تار نظر آ رہے ہیں وہ لوپڑیاں انہیں تاروں پر ناچا کرتی تھیں۔ شاید ارسلانوس نے بھولے بھٹکے آدمیوں کو ڈرانے کے لئے یہ سارا انتظام کیا تھا تاکہ یہاں کے آسیبی قصوں کی شہرت ہو اور لوگ ادھر آنا ہی چھوڑ دیں۔ غالباً ہمیں بھی وہ اسی لئے یہاں اٹھا لایا تھا۔"

حمید کچھ نہیں بولا۔ وہ ارسلانوس کی موت کے متعلق سوچ رہا تھا۔ ارسلانوس کی موت جیسے شاید وہ کبھی نہ بھلا سکے۔ اس نے اس سے پہلے بھی سینکڑوں موتیں دیکھی تھیں کئی خود اس کی گولی کا نشانہ بنے تھے لیکن وہ کسی کی موت سے اتنا متاثر نہیں ہوا تھا۔

پردہ اٹھتا ہے

دوسرے دن دوپہر کو صولت مرزا کی حویلی کے وسیع ہال میں ضلع کے سارے بڑے بڑے حکام جمع تھے۔ تخت عقرب درمیان میں رکھا ہوا تھا۔ اس کی متعلق اندازہ لگایا تھا کہ وہ تین چار من سے کسی طرح کم نہ ہو گا اور اس میں لگے ہوئے جواہرات کی قیمت کے متعلق کوئی خیال آرائی بھی نہ کر سکا تھا۔

ہال میں بیٹھے ہوئے لوگ فریدی کی تقریر بڑے غور سے سن رہے تھے۔ وہ شروع سے ساری داستان بیان کر رہا تھا۔ دفعتاً اس نے ایک سوال کیا۔

"کیا ارسلانوس اس تخت پر عرصے سے قابض تھا۔"

اس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ سب خاموش تھے۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے اپنی جیب سے ایک کتاب نکالی۔

"یقیناً وہ اس پر عرصے سے قابض تھا۔" اس نے کہا۔ "اس کا ثبوت اس ڈائری سے ملتا ہے۔ یہ ارسلانوس کی ڈائری ہے۔ میں آپ کو اس کے بعض خاص خاص حصے سناتا ہوں۔"

۲۶ر مئی ۱۹۲۸ء مجھے حیرت ہے کہ میں آج خوشی سے مر کیوں نہ گیا۔ میں نے تختِ عقرب تک کا راستہ پالیا ہے۔ وہ تخت مجھے مل گیا ہے جسے میں جنوں اور پریوں کی کہانی کا کوئی تخت سمجھتا تھا۔ میرے خدا اتنی دولت اب میں بہت بڑا آدمی ہوں۔ ملک کا دولت مند ترین آدمی۔ میں نے وہ راستہ بند کر دیا ہے جس کے ذریعے سے تختِ عقرب تک پہنچا ہوں اور اوپر کے سارے نشانات بھی مٹا دیئے ہیں۔ ایک دوسرا راستہ بنانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

فریدی خاموش ہو گیا۔ پھر تھوڑے وقفے کے بعد بولا۔ "اب اس کے پاگل پن کی وجہ بھی سنئے۔

"لکھتا ہے۔ اوہ میرے خدا میں کیا کروں۔ اسے کہاں لے جاؤں۔ اس تخت نے میری راتوں کی نیند حرام کر دی ہے۔ دن کا سکون چھین لیا ہے۔ میں اسے کیا کروں۔ میں پاگل ہو جاؤں گا۔"

فریدی نے بہت سارے ورق الٹ ڈالنے کے بعد پھر مجمع کی طرف دیکھا اور آہستہ سے بولا۔ "اب اس وقت کی تحریریں سنئے۔ جب سے میں اس المیئے میں داخل ہوتا ہوں میں تو اسے المیہ ہی کہوں گا۔ مجھے مرنے مرانے سے گہری ہمدردی ہے.... سنئے۔"

گئی رات دو آدمی اس شیطانی کتے کو اس منارے سے نکالنے کی کوشش کر رہے تھے۔ مجھے ان کی حماقت پر ہنسی آئی اور ان کی دلیری پر عش عش کرتا رہ گیا۔ مجھے خوف ہوا کہ کہیں وہ تختِ عقرب کی تلاش میں نہ ہوں۔ اتفاقاً ان پر ایک دیوار آگری اور میں انہیں تہہ خانے میں اٹھا لایا۔ پھر میں نے انہیں ڈرانے کی اسکیم بنائی تاکہ وہ پھر ادھر کا رخ نہ کریں۔ میں نے تین چار انسانی کھوپڑیوں کو جو مجھے اسی تہہ خانے میں ملی تھیں پتلے پتلے تاروں پر نچانا شروع کیا۔ ان میں قندیلیں بھی روشن کر دیں۔ ایک آدمی کو ہوش آیا۔ وہ واقعی بہت دلیر معلوم ہوتا ہے۔ اس کے چہرے سے ذرہ برابر بھی ہراس نہیں ظاہر ہو رہا تھا۔ اس نے ریوالور سے ان کھوپڑیوں پر گولی بھی چلانا چاہی۔ میں نے ایک چمگادڑ اس کے ہاتھ پر کھینچ مارا۔ ریوالور زمین پر گر پڑا۔ جسے میں نے تار میں پھنسا کر اوپر کھینچ لیا۔ لیکن وہ پھر بھی خائف نہ ہوا۔"

"کیا وہ تم تھے؟" کئی آوازیں آئیں۔

"خدا بہتر جانتا ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اب آگے سنئے۔ ارسلانوس نے اس شیطانی چرخے میں نواب صاحب اور ان کی صاحبزادی کو بھی پھانسنے کی کوشش کی تھی۔ اس کے متعلق بھی اس نے تحریر کیا ہے۔"

"لکھتا ہے....! میں نے انسپکٹر فریدی کو بیوقوف بنانے کے لئے ایک دوسری چال چلی ہے۔ خدا کرے یہ دھوکا کھا جائے۔ اگر یہ داؤ اس پر چل گیا تو وہ اسے سو فیصدی آسیبی معاملہ سمجھ کر اس سے ہاتھ کھینچ لے گا۔ اس کے لئے میں جمیلہ کا فاؤنٹین پن چرا کر یدھ راج گڑھی کے اسی ڈھیر پر ڈال آیا ہوں جس میں فریدی اور حمید دب گئے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ کم از کم دن میں تو ادھر ضرور ہی آئیں گے۔"

پھر فریدی نے فاؤنٹین کا قصہ بتاتے ہوئے کہا۔ "اس کی آخری تحریر بھی سن لیجئے۔ لکھا ہے کل رات کو دیر تک یدھ راج گڑھی میں گولیاں چلتی رہیں۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فریدی وغیرہ کے علاوہ بھی کوئی اور تختِ عقرب کے چکر میں ہے۔ یہ بہت بُرا ہوا۔ کیا اب یہ تخت میرے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ کیا وہ اب میرا نہ رہے گا جسے میں نے رات رات بھر جاگ کر حاصل کیا ہے۔ خدا وہ وقت نہ لائے۔ وہ میرے لئے قیامت کی گھڑی ہوگی۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔

"ہم لوگ آپ کے اس کارنامے پر مبارک باد پیش کرتے ہیں۔" کمشنر نے اٹھ کر کہا۔

"شکریہ۔" فریدی جھک کر بولا۔ "لیکن ابھی میرا کام ختم نہیں ہوا۔ تخت نشینی ایک ضمنی دریافت تھی۔ میں تو اس کتے کی آواز کا راز جاننے کی فکر میں تھا۔"

"ہمیں آپ کی صلاحیتوں سے امید ہے کہ آپ اس میں بھی کامیاب ہوں گے۔" کمشنر نے کہا۔

شام ہوتے ہوتے تختِ عقرب ملٹری کے پہرے میں وہاں سے اٹھوا کر ایک فوجی لاری میں رکھوایا گیا اور اسے سرکاری خزانے کے لئے روانہ کر دیا گیا۔ شاہی نقارہ ڈاکٹر بھٹناگر کے قبضے سے برآمد کیا گیا۔ سچ مچ اس پر بچھو کے ڈنگ کی تصویر کندہ تھی اور اس میں نقشہ بنا ہوا تھا۔

اسی رات کو کھانے کی میز پر فریدی صولت مرزا کو مہمل اشعار کا مطلب سمجھا رہا تھا۔

"نقارے میں ڈنگ کا مطلب تو آپ سمجھ ہی گئے۔ اب آگے چلئے۔ بچھو پر الو بیٹھے گا۔ معاف

کیجئے گا۔ یہ اشارہ مجھے آپ ہی کے خاندان کے افراد کی طرف معلوم ہوتا ہے اور اس کتبے کا تعلق بھی آپ ہی کے کسی بزرگ سے رہا ہوگا۔ جبھی انہوں نے اُلو کا لفظ استعمال کیا ہے کہ اس کا یہ مطلب ہوا کہ یدھ راج کے بعد سے ارسلانوس پہلا آدمی نہیں تھا جس نے اس تخت کو اپنی ملکیت سمجھا ہو۔ آپ کے خاندان کے بھی کچھ بزرگوں کی رسائی اس تک ہوگئی تھی۔ ورنہ یدھ راج کے زمانے میں اُلو کا کیا تذکرہ اور پھر ان اشعار کی زبان میر و سودا کے زمانے سے بہت پہلے کی نہیں معلوم ہوتی۔ یدھ راج تو.... اکبر کے زمانے میں تھا۔"

فریدی کچھ دیر خاموش رہ کر بولا۔ "اب صرف دو مسئلے اور رہ گئے ہیں۔ پہلا تو کتے کی آواز اور دوسرا یہ کہ ڈاکٹر بھٹناگر کو اصطبل میں نقارے کی موجودگی کا علم کیونکر ہوا۔"

"ہوگا بھئی.... مارو گولی۔" صولت مرزا اکتا کر بولا۔ "کم بختوں نے جمیلہ کی تو جان ہی لے لی۔"

"اب کیا حال ہے کچھ بولتی ہے یا نہیں۔"

"صرف دو باتیں کہتی ہے ان کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ کبھی پوچھتی ہے کہ میں کس طرح جلی اور کبھی کہتی ہے کہ میں وہی ڈرامہ دیکھوں گی جو میں نے انگلینڈ میں دیکھا تھا۔"

بس یہی دو باتیں۔

"کیسا ڈرامہ....!" فریدی چونک کر بولا۔

"ارے بھئی کیا بتاؤں۔ اس کے اس کہنے پر مجھے یاد پڑتا ہے کہ شاید اس پر اسی ڈرامے کے دیکھنے کے بعد دورہ پڑا تھا۔"

"ڈرامے کی نوعیت یاد ہے آپ کو۔" فریدی نے دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"نوعیت کیا؟ نام ہی یاد ہے۔ انطونی اور قلوپطرہ ڈرامہ تھا۔"

"مصر قدیم کے افراد....!" فریدی زیر لب بڑبڑایا۔ پھر صولت مرزا کی طرف دیکھ کر بولا۔

"تو وہ دورہ کس طرح پڑا تھا۔"

"جمیلہ ڈرامہ شروع ہونے سے پہلے ہی سو گئی تھی۔ جب ڈرامہ شروع ہوا تو میں نے اسے جگا دیا۔ وہ چپ چاپ بیٹھی دیکھتی رہی۔ ڈرامہ ختم ہونے کے بعد مجھے یہ شک گزرا تھا کہ جمیلہ جاگ تو رہی ہے مگر شاید اپنے ہوش میں نہیں ہے۔"

"اوہ.... سو فیصدی یہی بات رہی ہوگی۔" فریدی نے کہا۔ "اچھا اس سے پہلے بھی کبھی

انہوں نے اس ڈرامے کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔"

"میری یاد داشت میں تو کبھی نہیں۔" صولت مرزا بولا۔ "جب سے جلی ہے تبھی سے رٹ رہی ہے۔"

"ہوں.... اچھا کیا اس ڈرامے میں بھی آگ لگنے کا کوئی منظر تھا۔"

"اب تو اتنا مجھے یاد نہیں۔"

"ضرور رہا ہوگا۔" فریدی نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔ صولت مرزا استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"دیکھئے.... اس قسم کی ذہنی بیماریوں کا سبب معلوم ہو جانے پر مریض خود بخود ٹھیک ہو جاتا ہے۔ جمیلہ صاحبہ کو وہ سچویشن یاد آ گئی ہے جہاں سے ان کی بیماری کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔ مجھے تو یقین ہے کہ اب ان پر دورے نہ پڑیں گے اور اگر اب بھی دورے پڑتے رہیں تو آپ انہیں ضرور کسی سائیکو انیلیسٹ کو دکھا دیجئے گا۔ مرض کے شروعات کے وقت کی سچویشن تو اب آپ کو یاد آ ہی گئی ہے۔ محض اسی نکتے سے وہ ان کا نفسیاتی تجزیہ کر کے مرض دور کر دے گا۔"

فریدی کی گفتگو سے صولت مرزا کے چہرے پر اطمینان کے آثار نظر آنے لگے۔

دوسرے دن صبح فریدی اور حمید یدھ راج گڑھی کی طرف روانہ ہوگئے۔ ان کے ساتھ دو مزدور بھی تھے۔ فریدی اس منارے کو کھلوانے کا اجازت نامہ پہلے ہی حاصل کر چکا تھا۔ مزدوروں نے ایک گھنٹے کے اندر ہی اندر دروازے میں چنی ہوئی اینٹیں الگ کر دیں۔ وہ دونوں اندر داخل ہوئے۔ ابابیلوں کے بیٹ کی بدبو پھیلی ہوئی تھی۔ ان کے داخل ہوتے ہی دو تین چمگادڑیں نکل کر اجالے میں چکرانے لگیں۔ وہ چکردار زینے طے کرتے ہوئے اوپر جانے لگے۔ حمید دل ہی دل پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ اس معاملے میں اسے ذرہ برابر بھی شبہ نہیں تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ انسانی کارنامہ نہیں ہے۔ آخری سیڑھیوں پر پہنچ کر فریدی روشندان سے باہر کی طرف دیکھنے لگا۔ اس نے قریب قریب ہر روشندان سے باہر جھانکا اور پھر اچانک ایک روشندان پر اس کی نظریں جم گئیں۔ پھر ایسا معلوم ہوا جیسے وہ دوسرے روشندانوں سے اس کا موازنہ کر رہا ہو۔

"لاحول ولا قوۃ....!" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ "کھودا پہاڑ نکلا چوہا۔ آؤ واپس چلیں۔ اس وقت تو بس کوفت ہوگئی۔ میں تو سمجھا تھا کہ کوئی نہ سمجھ میں آنے والا معاملہ ہوگا۔ کیا دھرا ہے

اس میں۔"

"آخر کیا بات ہے؟"

"بہت سامنے کی بات ہے پیارے۔" فریدی نے کہا۔ "مگر ٹھہرو اس طرح شاید تمہاری سمجھ میں نہ آئے۔ لہٰذا کسی مزدور سے ایک آدھ بالٹی.... پانی منگوالو۔"

"کیا مطلب....!"

"او حمید کے بچے کبھی کبھی مطلب پوچھے بغیر بھی کوئی کام کر ڈالا کرو۔"

حمید نیچے اترنے لگا۔ اس وقت پھر بارش کے آثار معلوم ہو رہے تھے۔ مغرب سے سیاہ اور بوجھل گھٹائیں اٹھ رہی تھیں۔ ہوا بھی تیز ہو گئی تھی۔ حمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے منارہ ہل رہا ہو۔ نیچے صولت مرزا اور اس کے دوست بھی کھڑے ہوئے تھے۔

"کیوں بھئی کیا رہا۔" صولت مرزا نے پوچھا۔

"فی الحال ایک بالٹی پانی ہونا چاہیئے۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"پانی.... پانی کیا ہوگا۔"

"کتا پیاسا ہے۔"

"کتا....!"

"جی ہاں اوپر تشریف لے جائیے۔"

صولت مرزا کے ساتھ اس کا ایک نوکر بھی تھا جو اس کے اشارے پر پانی لینے کے لئے چلا گیا اور وہ لوگ منارے پر چڑھنے لگے۔ فریدی دیوار سے ٹکا ہوا سگار پی رہا تھا۔ انہیں دیکھ کر مسکرانے لگا۔

"آخر تم نہ مانے۔" صولت مرزا نے کہا۔

"بھلا مانتا کیسے، جب کہ یہ ساری مشقت میں نے اسی لئے برداشت کی تھی۔ مگر حقیقت تو یہ ہے کہ یہاں پہنچ کر مجھے بڑی مایوسی ہوئی ہے۔"

"کیوں؟ مایوسی کیوں؟"

"اسلئے کہ ایک بہت ذرا سی بات سینکڑوں برس سے لوگوں کے خوف کا باعث بنی ہوئی ہے۔"

"آخر کیا....؟"

"ذرا پانی آجانے دیجئے۔"

تھوڑی دیر بعد پانی آ گیا اور فریدی نے روشندان پر چھینٹے دینے شروع کر دیئے۔

"یہ بھی ٹھیک نہیں۔" فریدی نے کہا اور بالٹی روشندان کے اوپر بنی ہوئی ایک کارنس پر رکھ دی اور پھر اس نے اپنی جیب سے رومال نکالا اور اسے بھگو کر اس کا ایک سرا بالٹی میں ڈال دیا اور دوسرا روشندان پر لٹکا دیا۔ اس سے روشندان پر پانی ٹپکنے لگا۔

"اب بھی کافی دیر لگے گی۔" فریدی نے کہا۔ "آیئے میں آپ کو وہ باؤلی دکھاؤں جہاں تخت طرب رکھا ہوا تھا۔"

حمید کو اس نے وہیں روک کر روشندان کو تر کرتے رہنے کے لئے کہا اور مرزا وغیرہ کو لے کر نیچے اتر گیا۔

وہ تقریباً تین چار گھنٹے تک باؤلی میں رہے۔ انہوں نے وہ راستہ تلاش کر لیا جسے ارسلانوس نے بند کر دیا تھا۔

جب وہ گڑھی سے نکل رہے تھے تو انہوں نے کتے کے رونے کی آواز سنی۔ فریدی بے اختیار ہنسنے لگا۔ لیکن دوسرے لوگ بدحواس ہو گئے۔

"گھبرایئے نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں نے اس بھوت کو بھی پکڑ لیا ہے۔ آیئے میرے ساتھ۔"

مینار کے قریب پہنچ کر فریدی نے دیکھا کہ حمید مینار سے بہت دور کھڑا طرح طرح کے منہ بنا رہا ہے۔

کتا رہ رہ کر رو رہا تھا۔

"کیوں حمید کیا بات ہے۔" فریدی نے ہنس کر پوچھا۔

"کیا شیطان کے کان بہرے ہو گئے ہیں۔" حمید جھلا کر بولا۔

"خیر.... خیر.... آؤ میرے ساتھ...." فریدی اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔

تقریباً سب ہی اوپر جاتے ہوئے ہچکچا رہے تھے۔ بدقت تمام وہ انہیں اوپر لے گیا۔ بالائی منزل بالکل خالی تھی۔ لیکن کتے کے رونے کی آواز بدستور جاری تھی اور یہاں یہ اتنی تیز تھی کہ ان کے کان پھٹے جا رہے تھے۔

"یہاں ادھر روشندان میں دیکھئے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "یہاں اس لکڑی کے فریم کی ضرورت تھی۔ اس کے بغیر بھی روشندان بنایا جاسکتا تھا اور پھر دیکھئے کہ اس میں سوراخ کی ضرورت تھی۔ روشندان کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ایک دو انچ قطر رکھنے والا سوراخ بنا دیا جائے ہاں تو اب دیکھئے لکڑی کے بھیگنے کی وجہ سے یہ سوراخ پہلے سے زیادہ تنگ ہو گیا ہے اور سامنے والے بڑے روشندان سے آنے والے ہوا کے جھونکے جب اس سوراخ سے گزرتے ہیں تو آواز پیدا ہوتی ہے جب یہ خشک ہو کر کشادہ ہو جاتا ہے تو یہ آواز نہیں پیدا ہوتی۔"

"مگر اس طرح آواز کیسے.....!" ایک صاحب نے کہا۔

"کبھی بانسری بجائی ہے آپ نے۔" فریدی نے کہا۔ "بانسری کی آواز کا دارومدار بھی سوراخوں پر ہوتا ہے۔ ہاں تو نواب صاحب یہ دراصل ایک اشارہ تھا جسے لوگوں نے آسیبی خلل سمجھ لیا۔ یہ اشارہ اس بات کا تھا کہ اب اس قریب کی ندی میں سیلاب آنے والا ہے۔ یعنی اتنی بارش جس سے بھیگ کر یہ سوراخ اس قدر تنگ ہو جائے کہ اس قسم کی آوازیں نکلنے لگیں۔ ندی میں سیلاب کی اطلاع لانے کے لئے یہ آواز کافی ہوسکتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ یدھ راج کے زمانے میں لوگ اس سے واقف رہے ہوں گے اور اس کی پہلی آواز پر گاؤں خالی کرنا شروع کر دیتے رہے ہوں گے۔"

سب لوگ پر سکوت انداز میں فریدی کی باتیں سن رہے تھے۔ اس کے خاموش ہو جانے پر کوئی نہ بولا۔

"آج بھی یہ کتا رو رہا ہے۔" فریدی آنکھ مار کر بولا۔ "لیکن آج سیلاب نہیں آئے گا۔ ویسے گاؤں والوں میں ہلچل ضرور پیدا ہو گئی ہو گی اور وہ بھاگ بھی رہے ہوں گے۔"

"بھئی خدا کی قسم! تم سے بڑا بھوت بھی آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا۔" صولت مرزا نے مسکرا کر کہا۔

"آیئے اب چلیں۔" فریدی نے کہا۔ "ورنہ بے چارے گاؤں والے خواہ مخواہ پریشان ہوں گے؟"

راستے میں فریدی حمید کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "کیوں حمید صاحب کیا خیال ہے۔"

"اب شاید آپ میری منہ سے بھی اپنی تعریف سننا چاہتے ہیں۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔

"حالانکہ نواب صاحب نے بڑے مناسب الفاظ میں آپ کی تعریف کر دی ہے۔"

سب ہنسنے لگے۔ گاؤں میں انتشار پھیل گیا تھا۔ صولت مرزا نے فوراً ہی ندی کے کنارے بسے ہوئے لوگوں میں آدمی دوڑا دیئے تھے جو لوگوں کو سب کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔

جب تک کھڑکی بھیگی رہی کتے کے رونے کی آوازیں بھی سنائی دیتی رہیں۔

اسی شام کو اطلاع ملی کہ ڈاکٹر بھٹناگر نے نہ جانے کس طرح حوالات میں خودکشی کر لی، اس طرح فریدی اپنے ایک سوال کے جواب سے محروم رہ گیا۔ وہ یہ کہ ڈاکٹر بھٹناگر کو اصطبل میں نقارے کی موجودگی کا علم کیونکر ہوا تھا۔

رات کو کھانے کی میز پر شکیلہ فریدی سے کہہ رہی تھی۔ "ان واقعات کی رپورٹ کی ایک کاپی اپنے دستخط سمیت مجھے بھی بھجوایئے گا۔"

"خدا کے لئے اب آپ اپنی شادی کر لیجئے۔" حمید نے آہستہ سے فریدی کے کان میں کہا اور فریدی دانت پیس کر رہ گیا۔ اگر صولت مرزا وغیرہ موجود نہ ہوتے تو وہ حمید کی پیٹھ پر ایک زوردار گھونسہ ضرور رسید کر دیتا۔ بہرحال وہ سب حمید کو استفہامیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے اور فریدی دل ہی دل میں تاؤ کھا رہا تھا۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 22

خون کا دریا

(مکمل ناول)

کیچڑ میں پھول

پچھلے پہر کی نکھری ہوئی چاندنی جنگل کے سرسبز سینے پر محیط تھی۔ چاروں طرف ایک لامتناہی سکوت پھیلا ہوا تھا۔ ہولے ہولے چلنے والی خنک ہوا ایسی لگ رہی تھی جیسے سوئے ہوئے جنگل کی خواب آور اور بوجھل سانسیں۔ دفعتاً تار جام والی سڑک پر کسی کار کی ہیڈ لائیٹس کی روشنی دکھائی دی اور پھر سناٹے میں انجن کی ہلکی آواز انتشار پھیلانے لگی۔ انسپکٹر فریدی کی خوبصورت کیڈی لاک سڑک کے سپاٹ سینے پر پھسلتی چلی جا رہی تھی۔ وہ اس وقت تار جام سے واپس آ رہا تھا۔ سرجنٹ حمید اس کے برابر بیٹھا جھکولے کھا رہا تھا۔ اس وقت ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ گوشت کا ایک لوتھڑا ہو اور جس کا ایک ہلکی سی جنبش پر بھی ہل جانا یقینی ہو۔ ایک آدھ بار تو اس کا سر اسٹیئرنگ سے بھی ٹکرا گیا تھا۔ فریدی اسے بار بار سنبھال لیتا تھا۔

حمید نشے میں تھا۔ اسے بُری طرح پلا دی گئی تھی۔ اگر فریدی نے موقع پر بر وقت پہنچ کر مداخلت نہ کی ہوتی تو شاید وہ اسے پلاتے پلاتے مار ہی ڈالتے۔ فریدی نے اسے ایک اہم کام کے سلسلے میں تار جام بھیجا تھا۔ وہاں چند پولیس انسپکٹروں نے تفریحات میں پھانس لیا۔ حمید عادتاً شرابی نہیں تھا لیکن انہوں نے ایسے حالات پیدا کر دیئے تھے کہ اسے مجبوراً پینی ہی پڑی۔ شروع میں اس نے سوچا تھا کہ وہ ایک آدھ پیگ سے زیادہ نہ پیئے گا مگر وہ پھر ایک اناڑی کی طرح ڈوبتا ہی چلا گیا۔ اگر فریدی وہاں نہ پہنچ گیا ہوتا تو معلوم نہیں وہ لوگ مذاق ہی مذاق میں اس کی کیا درگت

بنادیتے۔ اس کا وہاں اس طرح پہنچ جانا محض اتفاق ہی پر مبنی نہ تھا۔ نہ اسے اس معاملے کے متعلق کوئی دوسری خاص بات یاد آتی اور نہ وہ وہاں پہنچتا، بہر حال وہ کسی طرح حمید کو اٹھالایا۔ پہلے اس نے اسے پچھلی سیٹ پر ڈال دیا۔ لیکن حمید نشے کی حالت میں اول فول بکتا ہوا اچھل کر اس کے قریب آ بیٹھا۔

اور جب کیڈی کے انجن سے ہلکی ہلکی آواز نکلنے لگی تو دفعتاً فریدی نے اسے کچے راستے پر موڑ لیا۔ یہ علاقہ اس کا اچھی طرح دیکھا بھالا ہوا تھا۔ اسے یاد آ گیا کہ قریب ہی ایک تالاب ہے جہاں سے وہ موٹر کے لئے پانی لے سکے گا۔

کار رک گئی اور حمید ایک جھٹکے کے ساتھ فریدی پر آ رہا۔

"ہیں ہیں ہیں۔" وہ اس کی گردن سے لپٹا ہوا منمنایا۔

"میری جان۔"

"ادھر ہٹو.....!" فریدی نے اسے دھکا دیا۔

"میں تمہارے لئے سونے کا تاج.... محل.... بنوادوں گا۔" حمید فریدی کے اوپر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔ "مگر میری جان.... پہلے تم مر کر.... بھی تو دکھاؤ۔"

"چپ رہو۔" فریدی نے اس کی گردن دبوچ کر کہا۔

"مار ڈالو۔" حمید نے گھگھیا کر کہا۔ "میرا باپ بھی یتیم تھا.... اور میں بھی لاوارث ہوں۔"

پھر اس نے اس طرح منہ بنایا جیسے دھاڑیں مار مار کر رونے لگے گا۔

"دیکھو.... سور.... اب اگر تم نے بکواس کی تو۔"

"ہمیں ڈانٹتی ہیں.... آں.!"

"ابے میں عورت ہوں۔" فریدی نے چیخ کر پوچھا اور حمید کی ناک دبادی۔

"نہیں تم دیوی ہو۔" حمید نے ہچکیاں لیتے ہوئے کہا۔ "میں تمہیں پوجتا ہوں۔ تم فرشتوں سے.... زیادہ تگڑی.... اور قلوپطرہ کی طرح حاتم طائی ہو۔"

فریدی نے پھر اس کی پیٹھ پر ایک دھول جڑدی اور پٹرول کے خالی ٹین لے کر نشیب میں اترنے لگا۔

تالاب کے مرتعش سینے پر چاند کی کرنیں مچل رہی تھیں۔ فریدی چلتے چلتے رک گیا۔ اسے

ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے دودھیا چاندنی اس کی نندا سی آنکھوں کی راہ سے روح کی گہرائیوں میں اترتی چلی جا رہی ہو۔ نیند کے مارے دماغ کا سناٹا جنگل کے سکوت سے ہم آہنگ سا ہوتا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ ایک عجیب سی مدہوشی اس کے ذہن پر مسلط ہوتی جا رہی تھی۔ اس نے پٹرول کے دونوں ٹین زمین پر رکھ دیئے اور ایک بڑے سے پتھر پر بیٹھ کر سگار سلگانے لگا۔

نیند کی حالت میں بعض اوقات بڑے بڑے عجیب خیالات ذہن کے ڈھکے چھپے گوشوں سے شعور میں رینگ آتے ہیں۔ فریدی کا اونگھتا ہوا دماغ بھی کچھ بے تکے خیالات کی آماج گاہ بن گیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ وہ جس پتھر پر بیٹھا ہوا ہے وہ ایک زوردار دھماکے کے ساتھ پھٹ بھی سکتا ہے۔ اس خیال سے پلٹی ہوئی کچھ یادیں بھی شعور کی سطح پر ابھر آئیں۔ ان میں ایک گدے دار کرسی بھی تھی جس کے گدے میں ایک ٹائم بم چھپادیا گیا تھا اور جس نے ایک آدمی کے پرخچے اڑا دیئے تھے۔ اسے دوا کی وہ بوتل یاد آئی جس میں کسی نے پھٹ جانے والا آتش گیر مادہ بھر دیا تھا ایک ایسی ربڑ کی گڑیا یاد آئی جس میں ایک مہلک دوا بھری ہوئی تھی اور جس نے ایک پورے خاندان کا صفایا کر دیا تھا۔ اس کا ذہن بھٹک ہی رہا تھا کہ اسے پے در پے ہارن کی آواز سنائی دینے لگی۔ وہ جھلا کر کھڑا ہو گیا۔ سچ مچ حمید پر آج بڑا تاؤ آیا تھا۔ پھر یہ معلوم ہونے پر کہ وہ ایک چکر میں پھنس کر اپنی یہ حالت بنا بیٹھا تھا۔ اس کا غصہ تو رفع ہو گیا تھا لیکن ابھی قدرے جھلاہٹ باقی تھی۔ جو اب پھر آہستہ آہستہ غصہ میں تبدیل ہوتی جا رہی تھی۔

وہ پٹرول کے ٹین وہیں چھوڑ کر پھر کار کی طرف لوٹ گیا۔ حمید بے تحاشہ ہارن بجاتا جا رہا تھا۔

"ارے کم بخت کیا اب بیٹری کا بھی صفایا کر دے گا۔" فریدی اسے جھنجھوڑ کر بولا۔

"ارے تم آ گئیں.... میری جان.... یہ اونٹ چلتا کیوں نہیں۔" حمید نے بچوں کی طرح ٹھنک کر کہا۔

فریدی نے اسے اگلی نشست سے اٹھا کر پچھلی سیٹ پر ڈال دیا۔

"بہت تگڑی ہو مری جان۔" حمید بڑبڑایا۔

"لیکن میں اپنے باپ کی دم کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ.... تمہارے لئے ہاتھی دانت کا تاج محل ضرور بنواؤں گا۔"

فریدی تھوڑی دیر تک سوچتا رہا۔ پھر اس نے حمید کی ٹائی کھول کر اس کے ہاتھ باندھ دیئے

اور اپنی ٹائی سے پیر۔

"ارے.... ارے!" حمید روہانسا ہو کر بولا۔ "یہ اچھی محبت باندھتی ہیں.... آں۔"

"شٹ اپ....!" فریدی نے کہا اور حمید باقاعدہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

فریدی نے چاہا کہ اس کا گلا دبا دے۔

وہ اسے چیختا چلاتا اور بڑبڑاتا چھوڑ کر پھر تالاب کی طرف اتر گیا۔ پٹرول کے خالی ٹین اٹھائے اور انہیں پانی سے بھرنے لگا۔

دونوں ٹین کا پانی موٹر میں ڈال کر پھر تالاب کی طرف بڑھا۔

اسے آج کے منحوس دن پر بھی غصہ آ رہا تھا۔ حمید کی اس حماقت کی بناء پر وہ غصے میں رات کا کھانا بھی بھول گیا تھا۔ تقریباً نو بجے وہ تارجام پہنچا تھا اور پھر حمید کو ڈھونڈتا ہوا اس ہوٹل کی طرف جا نکلا تھا جہاں وہ اور اس کے دوست رنگ رلیاں منا رہے تھے۔ پھر وہ حمید کو کار پر لاد کر فوراً ہی وہاں سے چل پڑا تھا۔

اس نے بھرتے ہوئے ٹین زمین پر رکھ دیئے اور سیدھا کھڑا ہو کر سگار سلگانے لگا۔ نہ جانے کیوں اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ تھوڑی دیر اور ٹھہرے۔ اس نیند کے باوجود بھی وہ وہاں ٹھہرنا چاہتا تھا جو فرصت کے لمحات میں اسے سب سے زیادہ عزیز ہوا کرتی تھی۔ اس کی نظریں تالاب کی چمکدار سطح سے چلتی ہوئی افق میں جا ڈوبیں۔ جہاں دو سیاہ ٹکڑے ابھر رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد چونک کر اس نے ٹین اٹھائے اور چلنے کیلئے مڑا ہی تھا کہ چند قدم کے فاصلے پر داہنی طرف کی جھاڑیوں میں سرسراہٹ سنائی دی۔ اگر ساتھ ہی اسے ایک سایہ بھی نہ دکھائی دیا ہوتا تو شاید وہ اسے کوئی اہمیت دیئے بغیر آگے بڑھ جاتا۔ دوسرے ہی لمحے میں اس نے ٹین پھرتی سے زمین پر رکھ دیئے اور اچھل کر ایک پتھر کی اوٹ میں ہو گیا۔ ہر وہ جرائم پیشہ جس کا اس سے سابقہ پڑ چکا تھا۔ اس کا دشمن تھا لہٰذا ایسے موقع پر اس کا ہوشیار ہو کر احتیاطی تدابیر اختیار کرنا غیر ضروری نہیں تھا۔

وہ کئی سیکنڈ تک پتھر کی اوٹ سے جھانکتا رہا۔ لیکن پھر کوئی دکھائی نہ دیا۔

البتہ جھاڑیاں ہل رہی تھیں۔ وہ عجیب کشمکش میں مبتلا ہو گیا تھا۔ دوسرا اقدم اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اس کا نیند کے بوجھ سے دبا ہوا ذہن پہلے کی نسبت کچھ صاف ہو گیا تھا۔ لیکن ابھی جسم پر کسلمندی طاری تھی۔ بہرحال یہ علامت بھی اس بات کی دلیل تھی کہ وہ خائف نہیں

ہوا۔ ورنہ خوف کی حالت میں تو جسم میں غیر معمولی طور پر پھرتی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ ذہن کی دسترس سے نکل کر اضطراری افعال کا شکار ہونے لگتا تھا۔

دفعتاً اسے حمید کا خیال آیا جسے وہ باندھ کر نشے کی حالت میں چھوڑ آیا تھا۔ اگر واقعی دشمن گھات میں تھا تو حمید کے لئے بھی وہ اتنا ہی مہلک ثابت ہو سکتا تھا جتنا کہ خود اس کے لئے۔

وہ پتھر کی اوٹ سے نکل کر آہستہ آہستہ رینگتا ہوا اوپر کی طرف بڑھنے لگا۔ پورے ڈھلوان میں لمبی لمبی گھاس اُگی ہوئی تھی۔ حالانکہ وہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کے حرکت کرنے سے جھاڑیاں ہل رہی ہیں لیکن وہ اس وقت اور زیادہ احتیاط برت کر حمید کی جان خطرے میں ڈالنا نہیں چاہتا تھا۔

اس دوران میں اس نے سوچا کہ ممکن ہے وہ کوئی جانور رہا ہو۔ لیکن اسے اپنی آنکھوں پر شبہ نہیں ہو سکتا تھا۔ سایہ کسی آدمی کا ہی دکھائی دیا تھا۔ جھاڑیوں سے نکل کر وہ تیزی سے کار کے قریب آیا۔ حمید پچھلی سیٹ پر لیٹا گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ اس کے ہاتھ پیر بدستور بندھے ہوئے تھے البتہ لباس کی بے قاعدگی سے معلوم ہو رہا تھا کہ اس نے سو جانے سے قبل بھی ہاتھ پیر کھولنے کی جدوجہد کی ہے۔

فریدی پر خیال انداز میں اس ڈھلان کی طرف دیکھنے لگا جدھر سے یہاں تک پہنچا تھا۔

دفعتاً اسے ایک چیخ سنائی دی۔ کسی عورت کی چیخ جو تالاب کی طرف سے آئی تھی۔ پھر دوسری چیخ سنائی دی اور ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی پانی پر ہاتھ پیر مار رہا ہو۔

فریدی تیزی سے ڈھلان کی طرف اترنے لگا۔ اس وقت اس کے دل سے کسی قسم کی سازش کا خیال قطعی نکل گیا تھا۔ چیخ پھر سنائی دی اور تالاب کی سطح پر دو ہاتھ نظر آئے، جو بے بسی کے عالم میں ادھر اُدھر جھول رہے تھے۔ فریدی نے کوٹ اتار کر الگ پھینکا اور جوتے پہنے ہی تالاب میں چھلانگ لگا دی۔

ڈوبنے والے نے اس کی گردن اپنے بازوؤں میں جکڑ لی۔ فریدی نے کوئی مزاحمت نہ کی کیونکہ اس نے پہلے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ تالاب کی گہرائی زیادہ نہیں اور جب وہ ڈوبنے والے کی سمت سیدھا کھڑا ہوا تو پانی اس کی گردن تک تھا۔ وہ آہستہ آہستہ باہر آیا۔

کوئی عورت اس کی گردن سے بُری طرح چمٹی ہوئی تھی اور اسی حالت میں بے ہوش ہو گئی تھی۔ فریدی نے بدقت تمام اسے اپنے جسم سے الگ کر کے زمین پر لٹا دیا۔ اس کے کپڑے کیچڑ

سے لت پت ہو گئے تھے۔ فریدی نے سب سے پہلے اس کے پیٹ میں پانی نکالنے کی تدبیریں اختیار کیں۔ پھر سگار جلا کر اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

یہ کوئی غیر ملکی عورت معلوم ہوتی تھی۔ اس کی رنگت انگریز یا فرانسیسی عورتوں کی طرح صاف نہیں تھی۔ گورے رنگ میں کچھ کچھ سنہراپن سا تھا۔ بالوں کی رنگت کے متعلق اندازہ لگانا دشوار تھا۔ بہت ممکن ہے کہ وہ اخروٹ جیسی رنگت کے رہے ہوں۔ اس نے ایک ریشمی اسکرٹ پہن رکھا تھا۔ وہ کیچڑ میں آلودہ ہونے کی بناء پر اس کے جسم سے چپک کر رہ گیا تھا۔ فریدی نے اندازہ لگایا کہ وہ لڑکی اب خطرے میں نہیں ہے لہٰذا وہ اسے وہیں چھوڑ کر ان جھاڑیوں کی طرف متوجہ ہو گیا جن میں اسے سایہ دکھائی دیا تھا۔ یہ جھاڑیاں موٹے موٹے تنکوں کی شکل میں کھڑی ہوئی تھیں۔ فریدی کو اس قسم کی وہ جھاڑیاں یاد آ گئیں تھیں جو اس نے اکثر دلدلی خطوں میں دیکھی تھیں۔ اس کا خیال بالکل صحیح نکلا۔ یہاں بھی دلدل ہی تھا اور اس کا سلسلہ براہِ راست تالاب سے جاملا تھا۔ یہاں سے اسے وہ کچی سڑک صاف دکھائی دے رہی تھی جہاں اس نے اپنی کار کھڑی کر رکھی تھی۔ دلدل میں ایسے کچھ نشانات تھے۔

فریدی نے پھر مڑ کر اس کی طرف دیکھا جو ابھی تک بے ہوش پڑی تھی۔ وہ تھوڑی دیر تک کھڑا رہا۔ کچھ سوچتا رہا پھر لڑکی کو اٹھا کر کار تک لایا اور اسے اگلی نشست پر ڈال کر دوبارہ تالاب کی طرف لوٹ گیا۔

کار میں پانی ڈال دینے کے بعد اس نے ٹارچ نکالی اور اپنی کار کے آگے کی زمین پر دیکھنے لگا۔ کسی دوسری کار کے پہیوں کے تازہ نشانات پر ٹارچ کی روشنی دائرہ بنا رہی تھی۔ فریدی پر اطمینان انداز میں سر ہلا کر پیچھے کی طرف لوٹ پڑا۔ اب وہ اس جگہ کھڑا تھا جہاں سے دلدل کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔ وہ تھوڑی دور تک کچھ دیکھتا رہا اور پھر کار کی طرف لوٹ آیا۔ حمید کے ہاتھ پیر کھول کر اسے پھر اگلی نشست پر لے آیا۔

اور بے ہوش لڑکی کو پچھلی سیٹ پر لٹا دیا۔

"ہام.... بچ....!" حمید نے بڑبڑا کر فریدی کا منہ چوم لیا۔

فریدی نے اس کے سر پر ایک ہاتھ رسید کر کے کار اسٹارٹ کر دی۔

اسے قدرت کی ستم ظریفی پر ہنسی آ رہی تھی۔

نہ جانے وہ کون تھی، کہاں کی تھی اور اس گندے تالاب میں کن حالات کے تحت پہنچی اور بھی عجیب اتفاق تھا۔ اگر کار کا پانی کم نہ ہوتا تو تالاب کا خیال بھی اس کے دل میں نہ آتا اور وہ ...ب کر مر جاتی۔

وہ سوچنے لگا.... ممکن ہے خودکشی کی نیت رہی ہو۔ لیکن آخر خودکشی کے لئے اس نے ...ے تالاب کو کیوں منتخب کیا۔ دفعتاً اس کا خیال پھر دلدلی خطے اور اس کے نشانات کی طرف ...ل ہو گیا۔ اگر خودکشی ہی کرنی تھی تو وہ سب سے پہلے دلدل میں کیوں کودی۔ براہِ راست ...ب ہی تک کیوں نہیں چلی گئی۔ دلدل کے نشانات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ پہلے دلدل میں ...ی اور پھر رینگتی ہوئی تالاب میں جا پڑی اور پھر اس دوسری کار کے نشانات.... تو کیا کسی نے ...ے اس کار سے نیچے پھینک دیا۔ فریدی راستے بھر اس گتھی میں الجھا رہا۔

حمید کبھی کبھار چونک کر اول فول بکنے لگتا تھا۔

دوسری صبح حمید کے لئے بڑی تحیر خیز تھی۔ آنکھ کھلتے ہی اس کا ضمیر اسے ملامت کرنے لگا ...یہ بات تو اسے یاد ہی نہیں رہی تھی کہ وہ گھر تک پہنچا کس طرح تھا۔ البتہ پہلے کے واقعات ...ے کے ذہن پر ابھرے آ رہے تھے۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ فریدی کا سامنا کس طرح کرے گا۔

وہ اٹھ کر برآمدے میں آیا۔ غسل خانے کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ اسے فریدی کی آواز ...ائی دی، جو کسی نوکر کو سمجھاتا ہوا ادھر آ رہا تھا۔

حمید بے اختیار اوپری منزل کے زینوں پر چڑھتا چلا گیا۔ ایک کمرے کے قریب سے ...رتے وقت اس نے مڑ کر پیچھے کی طرف دیکھا اور اچانک ٹھٹک گیا۔ اس کی نظریں کھڑکی سے ...ر اس جگہ پہنچیں جہاں ایک خوبصورت لڑکی ہلکے نیلے رنگ کے لبادے میں لپٹی ہوئی سو رہی ...ی۔ وہ بے اختیار پنجوں کے بل چلتا ہوا کھڑکی کے قریب آیا اور چند لمحوں تک اس سوئی ہوئی لڑکی ...دیکھتا رہا۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے مڑ کر پیچھے کی طرف دیکھا۔

اب وہ بڑے اطمینان سے زینے طے کرتا ہوا اتر رہا تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ فریدی اس ...کمرے کے سامنے کھڑا ہے لیکن وہ مخاطب ہوئے بغیر غسل خانے کی طرف جانے لگا۔

"ٹھہریئے نواب صاحب۔" فریدی نے آواز دی۔

حمید رک کر ڈرامائی انداز میں اس کی طرف مڑا۔

"فرمائیے۔"

"فرمائیے کے بچے! تمہاری رات کی حرکت۔"

"اوہو....!" حمید اس کی بات کاٹ کر بولا۔

"بھلا عورت اور شراب میں فرق کیا ہے۔"

"اب یہ بے حیائی.... شرم نہیں آتی۔" فریدی نے کہا۔ "کل رات تم ایک مرے ہوئے کتے کی طرح اوک رہے تھے۔"

"شرم تو مجھے ابھی کچھ دیر قبل آئی تھی۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔

"میں اوپر سے آرہا ہوں۔"

"اچھا تو اسی لئے تم اس سینہ زوری پر آمادہ نظر آرہے ہو۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"اجی ہاں.... میں ابھی تک غلط فہمی میں مبتلا تھا۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"مگر ہے زور آور۔"

"بکومت....!" فریدی نے بے زاری سے کہا۔ "تم نہیں جانتے کہ وہ کن حالات میں یہاں تک پہنچی ہے۔"

"بھلا میں کیا جانوں گا۔" حمید بے حیائی کی ہنسی ہنستا ہوا آنکھ مار کر بولا۔ ابھی آپ مجھے ایک درد بھری کہانی سنا کر فرمائیں گے کہ اگر میں اسے یہاں نہ آتا تو کیا کرتا۔

"پھر بکواس۔"

"لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ میں یہ بھی جانتا ہوں۔" حمید اس کی بات سنی ان سنی کرکے بولا۔ "کہ وہ جس ملک سے تعلق رکھتی ہے وہاں نہ تو یتیم پالے جاتے ہیں اور نہ بیوائیں۔"

"میں کہتا ہوں کہ تم نے شراب کیوں پی تھی۔" فریدی بگڑ کر بولا۔

"میں کہتا ہوں آپ اس گھر میں ایک جوان عورت کو کیوں لائے جہاں مجھ جیسا نیک شریف بچہ رہتا ہو۔"

"میں چانٹا ماروں گا۔"

"حق بات کہنے پر لڈو نہیں ملا کرتے۔" حمید نے اسی کے لہجے میں نقل اتاری۔

فریدی نے جھلا کر حمید کی گردن پکڑ لی اور حمید اس طرح شور مچانے لگا جیسے وہ سچ مچ اس کی گردن دبا رہا ہو۔



"توبہ کرو کہ اب کبھی اتنی نہیں پیو گے۔" فریدی نے کہا۔

"تاؤ نہ دلائیے مجھے۔" حمید ہانپتا ہوا بولا۔ "آپکی اس محبوبہ پر اس سے کچھ رعب نہیں پڑیگا۔"

"پھر وہی.... میں کہتا ہوں آخر۔"

"آخر.... واخر سے کام نہیں چلے گا۔ آپ کو بتانا پڑے گا وہ کون ہے۔"

"میں خود نہیں جانتا۔"

"بہت اچھے.... بہت اچھے۔" حمید نے قہقہہ لگایا۔

"دیکھو گدھے میں تمہارا سر توڑ دوں گا۔" فریدی نے جھلا کر کہا۔

"میرے ٹوٹے ہوئے سر سے بھی یہی صدا آئے گی۔"

"اچھا آؤ.... میرے ساتھ۔" فریدی نے کہا۔

"مگر ٹھہرو....!"

وہ اسے برآمدے میں چھوڑ کر ایک کمرے میں چلا گیا۔ پھر واپسی پر حمید نے اس کے ہاتھ میں چمڑے کا ایک کوڑا دیکھا۔

"اگر وہ میرے لئے قطعی اجنبی نکلی۔" فریدی نے کوڑے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "تو میں تمہاری کھال اتار دوں گا۔"

"کسی قسم کی شرط لگانا قریباً ناجائز ہے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"چلو....!" فریدی اس کی گردن دبوچ کر اسے زینوں پر چڑھانے لگا۔

کمرے کے دروازے کے قریب پہنچ کر وہ رک گئے۔ لڑکی بیدار ہو چکی تھی۔ جیسے ہی فریدی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی اور اس کے چہرے پر خوف کے آثار پیدا ہو گئے۔ پہلے تو وہ ٹکٹکی لگائے فریدی کی آنکھوں میں دیکھتی رہی۔ پھر جیسے ہی اس کے ہاتھ میں دبے ہوئے کوڑے پر نظر پڑی۔ وہ بے اختیار چیخ مار کر مسہری پر گر پڑی۔

"مار ڈالو.... مجھے مار ڈالو۔ وہ اپنا منہ چھپا کر انگلش میں بڑبڑانے لگی۔"

"روز روز کی اذیت سے موت بہتر ہے۔"

پھر وہ اچھل کر کھڑی ہوگئی۔ اس کی آنکھوں میں دو موٹے موٹے قطرے تیر رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ بے اختیار رو پڑی اور فریدی و حمید متحیرانہ انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"تم لوگ مجھے بالکل پاگل بنا دو گے۔" وہ ہچکیاں لے لے کر بولی۔

"مجھے کالے کوسوں لے آئے۔ پھر میری وہ حالت بنائی کہ میں اب خود کو پہچان بھی نہیں سکتی اور اب مجھ سے کہتے ہو۔ میں سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔ مگر مجھے بھی تو بتاؤ۔"

"لڑکی اب تم محفوظ ہاتھوں میں ہو۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

"تم دونوں پاگل ہو یا پھر میں ہی پاگل ہو گئی ہوں اور مجھے کسی پاگل خانے میں چند پاگلوں کے ساتھ بند کر دیا گیا ہے۔"

"یہ پاگل خانہ نہیں۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"بھائی کا دولت خانہ ہے۔" حمید دانت پر دانت جما کر بولا۔

فریدی نے گھور کر اسے دیکھا اور پھر اس اجنبی لڑکی کی طرف مخاطب ہو گیا۔

"کل رات ہم تمہیں ایک تالاب سے نکال کر لائے ہیں۔" فریدی نے اس سے نرم لہجے میں کہا۔

"تالاب سے۔" اس نے کہا اور پرخیال انداز میں فریدی کی طرف دیکھنے لگی۔

"مجھے سب کچھ یاد ہے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "تم نے پھر کسی طرح مجھے پکڑ لیا ہے اور اب میرا امتحان لے رہے ہو۔ میرے منہ سے ایک لفظ بھی تم لوگوں کے خلاف نکلا تو تم بے دردی سے مجھ پر کوڑے برسانا شروع کر دو گے۔"

"یقیناً تم کسی غلط فہمی کا شکار ہو۔" فریدی نے کہا۔

"میں نے تم دونوں کو ان میں کبھی نہیں دیکھا.... لیکن....!"

"کن میں....!" فریدی بات کاٹ کر بولا۔

"میں عاجز آ گئی ہوں، تنگ آ گئی ہوں۔" لڑکی نے کہا۔

اور فریدی نے محسوس کیا، جیسے یک بیک اس کی خونی پیاس بڑھ گئی ہو۔

"تو اٹھاؤ کوڑا۔"

"کہیں یہ پاگل تو نہیں۔" حمید نے آہستہ سے اردو میں کہا۔

"پتہ نہیں۔" فریدی نے کہا اور یک بیک اس کے لہجے کی نرمی غائب ہو گئی۔

اس نے لڑکی کو تیز نظروں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"تم خودکشی کی نیت سے بے تاب ہو کر تالاب میں کودی تھیں۔"

"میں نہیں جانتی۔"

"سنو لڑکی! تم اس وقت ایک پولیس آفیسر سے باتیں کر رہی ہو۔"

وہ بے اختیار ہنس پڑی۔ لیکن اس ہنسی کا زہریلا پن کسی طرح چھپ نہ سکا۔

فریدی اسے عجیب نظروں سے گھور رہا تھا۔

"تم لوگ کیا کیا نہیں بنے۔" اس نے مضمحل آواز میں کہا۔

"تم اس سے پہلے بھی پولیس آفیسر بن کر میری ننگی پیٹھ پر کوڑے برسا چکے ہو۔"

"کیوں سرکار یہ کیا کہہ رہی ہے۔" حمید طنزیہ لہجے میں بولا۔ "کیا آپ کی کچلی ہوئی جنسیت نے تسکین کی کوئی نئی راہ نکالی ہے؟"

"کیوں فضول بک رہے ہو۔" فریدی نے منہ بنا کر کہا اور کوڑا ایک طرف ڈال دیا پھر لڑکی سے بولا۔

"تم نے ابھی تک ناشتہ نہیں کیا۔ مگر ٹھہرو.... ناشتہ یہیں آجائے گا۔"

فریدی نے حمید کو نیچے چلنے کا اشارہ کیا اور خود بھی اس کے ساتھ ساتھ زینوں کی طرف بڑھنے لگا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ کسی چکر میں پھنسی ہوئی تھی۔" فریدی بولا۔ "اور کسی طرح وہاں سے بھاگنے میں کامیاب ہو گئی ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔" حمید نے لاپرواہی سے کہا۔

"مجھے اس قسم کے معمولی کام سے کوئی دلچسپی نہیں اور پھر ابھی تک مجھے آپ کی باتوں پر یقین نہیں آیا ہے۔"

"کن باتوں پر۔"

"یہی کہ وہ آپ کے لئے قطعی اجنبی ہے۔"

"کیا تم نے اس کی باتیں نہیں سنیں۔"

"کان پھاڑ کر سنی ہیں اور اب اس بات پر عش عش کرنے کا ارادہ کر رہا ہوں کہ آپ نے اسے بڑی عمدہ ٹریننگ دی ہے۔"

"پھر بکواس شروع کر دی۔"

"نہیں جناب مجھے کیا مطلب! بہر حال میں بھی اب قطعی آزاد ہوں۔"

"یعنی....!"

"اب یہاں میری دوست بھی آیا کریں گی۔"

"ابے تو کیا وہ میری محبوبہ ہے۔" فریدی جھلا کر بولا۔

"نہیں صاحب وہ آپ کی پیرو مرشد ہے اور آپ قوالی کرنے کیلئے اسے یہاں لائے ہیں۔"

"حمید بکواس بند کرو۔"

"فریدی صاحب مجھے حق کی بات کہنے دیجئے۔"

"جہنم میں جاؤ۔" فریدی نے جھلا کر کہا اور باورچی خانہ کی طرف مڑ گیا۔

حمید چند لمحے وہیں کھڑا رہا۔ پھر تیزی سے اوپری منزل پر جانے کے لئے مڑ گیا۔

وہ بے دھڑک اس کمرے میں داخل ہو گیا جہاں وہ لڑکی دونوں ہاتھوں سے منہ چھپائے بیٹھی تھی۔ حمید اس کے قریب پہنچ کر رک گیا۔

"تم بہت حسین ہو۔"

لڑکی سر اٹھا کر حمید کو گھورنے لگی، پھر تیز آواز میں بولی۔

"کیا تمہیں آرتھر کا انجام یاد نہیں؟"

"کون آرتھر....؟"

"وہی جس نے مجھ سے عشق جتانے کی کوشش کی تھی اور تمہارے چیف نے ایک ہی گھونسے میں اس کے سر کی ہڈیاں چور کر دی تھیں۔"

"تم میرے چیف کو کب سے جانتی ہو۔"

"سنو! میں فضول بکواس میں نہیں پڑنا چاہتی۔" اس نے منہ سکوڑ کر کہا۔

"اب میں اس طرح رہوں گی جس طرح رہنے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ میں تمہیں حکم دیتی ہوں کہ یہاں سے نکل جاؤ اور اپنے اس بلڈاگ کو میرے پاس بھیج دو۔"

"بلڈاگ....!" حمید نے تحیر آمیز انداز میں دہرایا۔

"ہاں ہاں بلڈاگ....!" لڑکی چیخ کر بولی۔

"اب میں اس سے ذرہ برابر بھی خائف نہیں ہوں۔ میں اس پر بھی حکومت کروں گی۔ میں پاگلوں کے ساتھ پاگل ہی بن جاؤں گی۔ مجھے یہ کمرہ پسند ہے۔ میں یہیں رہوں گی۔ میرا سارا سامان آرائش برابر کے کمرے میں سے لے آؤ۔ جلدی کرو۔"

"میں تمہارا نوکر نہیں ہوں۔" حمید بگڑ کر بولا۔

"غلام کے بچے تو کیا ہے، میں اب تمہارے بلڈاگ کو بھی غلام سمجھوں گی، جاتا ہے یا اٹھاؤں کوڑا۔"

"شٹ اپ....!" حمید حلق کے بل چیخا۔ وہ غصہ سے پاگل ہوا جا رہا تھا۔ وہ اتنی شدید توہین برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب فریدی یہ نہیں چاہتا کہ وہ اس کے ساتھ رہے۔ تقریباً دو سال سے دونوں ایک ساتھ ہی رہ رہے تھے۔ پہلے حمید الگ رہتا تھا لیکن فریدی اس سے بے تکلف ہو جانے کے بعد اس کا سامان بھی اپنی ہی کوٹھی میں اٹھوا لایا تھا۔ اتنے دنوں تک وہ دونوں افسر اور ماتحت کی بجائے بھائیوں کی طرح ایک ساتھ رہتے آئے تھے اور اب حمید سوچ رہا تھا کہ فریدی نے اسے گھر سے نکال دینے کے لئے یہ جال بچھایا تھا۔ لیکن اسے اس سے زیادہ کوشش نہیں کرنی پڑے گی، وہ ابھی اور اسی وقت فریدی کا گھر چھوڑ دے گا۔

حمید کچھ سنے بغیر تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔

نیچے فریدی نوکروں کو ناشتے کے لئے کچھ ہدایت دے رہا تھا۔

حمید اس سے مخاطب ہوئے بغیر اپنے کمرے میں چلا آیا۔

"ابھی اور اسی وقت" وہ ایک کرسی پر گرتا ہوا بڑبڑایا۔ لیکن پھر اچانک ایک دوسرا خیال اس کے ذہن میں پیدا ہوا کہ وہ اپنا سامان لے کر جائے گا کہاں۔ جگہ مل جائے گی؟ مکان آج کل کہاں ملتے ہیں۔ خیر کچھ بھی ہو وہ سوچنے لگا۔ سامان یہیں پڑا رہنے دیا جائے۔

لیکن وہ خود اب اس چھت کے نیچے نہیں رہ سکے گا۔ وہ سوچتا رہا۔ پھر دفعتاً اٹھا.... جا
سے پہلے فریدی سے دو باتیں کرنی چاہتا تھا۔ وہ باہر نکلا۔ فریدی اس کے کمرے ہی کی طرف
تھا۔ حمید رک کر اس کی طرف گھورنے لگا۔

"خیریت....!" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"جی ہاں....!" حمید ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"ایک نہیں دو.... ڈھائی تین.... ساڑھے تین....!"

"کیا میں نے کبھی یہ خواہش کی تھی کہ میں آپ کے ساتھ رہوں گا۔"

فریدی پہلے تو مسکرایا لیکن حمید کے تیور دیکھ کر اسے تحیر آمیز نظروں سے گھورنے لگا۔

"کیوں؟ یہ بات پوچھنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی۔"

"آپ نے ناحق کیوں اتنی دردسری مول لی ہے۔" حمید نے سرد لہجے میں کہا۔ "میرے لئے
صرف یہ کہہ دینا کافی ہوتا کہ اب اپنا کہیں اور انتظام کرلو۔"

"اچھا جی....!" فریدی ہنس کر بولا۔ "کیا پھر چڑھالی ہے تم نے۔"

"میں اس وقت قطعی سنجیدہ ہوں۔" حمید نے کہا۔ "میں آپ کو بہت صاف گو سمجھتا ہوں
میں یہ نہیں جانتا تھا کہ آپ میں اخلاقی جرأت کی کمی ہے۔"

"آخر کیا بک رہے ہو۔"

"میں نہیں جانتا تھا کہ آپ میری ایک ذلیل عورت سے توہین کرائیں گے۔"

"کیا مطلب....!"

"کچھ نہیں میں جارہا ہوں اور کوئی مناسب جگہ مل جانے پر اپنا سامان بھی لے جاؤں گا۔"

حمید جانے کے لئے مڑا لیکن فریدی اس کا راستہ روک کر کھڑا ہوگیا۔

"پاگل ہوئے ہو۔ آخر بات کیا ہے؟" اس نے حمید کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"کس نے توہین کی ہے تمہاری۔"

"خدارا اب مجھے روکنے کی کوشش نہ کیجئے۔"

"عجیب آدمی ہو کچھ بتاؤ بھی تو؟"

"اس کی ضرورت نہیں سمجھتا۔" وہ آگے بڑھنے کے لئے اسے ہٹانے لگا۔

"ابے حمید کے بچے! تمہارا دماغ ٹھنڈا کردوں گا۔"

حمید کوئی جواب دیئے بغیر آگے بڑھ گیا۔ قبل اسکے کہ وہ باہر نکلتا فریدی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"شامت آئی ہے تمہاری! کون سور چاہتا ہے کہ تم یہاں نہ رہو۔"

"مجھے بولنے پر مجبور نہ کیجئے۔ میں چاہتا ہوں کہ اب افسری اور ماتحتی ہی کا رشتہ بخوبی
نبھ جائے۔"

"اور تم مجھے اس پر مجبور نہ کرو کہ تمہیں اس وقت کے لئے بند کردوں جب تک کہ تمہارا
دماغ ٹھنڈا نہ ہوجائے۔"

"اس واقعہ کے بعد میں رسمی باتوں کی ضرورت نہیں محسوس کرتا۔" حمید نے کہا۔

"کس واقعہ کے بعد۔"

حمید کوئی جواب دینے کی بجائے فریدی کو گھورنے لگا رہا۔ اسے سو فیصدی یقین ہوگیا تھا کہ
فریدی اسے نکالنا چاہتا ہے۔ اسے لڑکی کا یہ جملہ کہ میں اب تمہیں غلام سمجھوں گی اس کے کانوں
میں اب بھی گونج رہا تھا۔ دفعتاً اسے یاد آیا کہ اس نے فریدی جیسے کو بھی بلڈاگ جیسے خطاب سے
نوازا تھا۔

"آپ خواہ مخواہ اپنا وقت ضائع کررہے ہیں۔" حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "اوپر جایئے وہ
اپنے بلڈاگ کو یاد کررہی ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ اس کی طرح تمہارا دماغ بھی خراب ہوگیا ہے۔"

"نہیں.... اس کی طرح نہیں بلکہ ایک شریف آدمی کی طرح۔" حمید ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"محبوبائیں تو عموماً خردماغ ہوا کرتی ہیں۔"

"پھر وہی محبوبہ محبوبہ کی رٹ....!" فریدی پرخیال انداز میں بولا۔

"اچھا آؤ میرے ساتھ.... شاید تمہیں میرے بیان پر یقین آجائے۔ میں اسے اقدام خودکشی
کے جرم میں پولیس کے حوالے کردیتا، مگر میں سمجھتا ہوں کہ حقیقتاً وہ اقدام خودکشی نہیں تھا۔"

فریدی اسے زبردستی گیراج میں لایا اور کیڈی لاک کی پچھلی سیٹ کی طرف اشارہ کرکے بولا۔

"یہ دیکھو مجھے پاگل کتے نے نہیں کاٹا تھا کہ خواہ مخواہ سیٹ پر کیچڑ پھیلا کر اسے برباد کردیتا۔"

حمید تذبذب میں پڑ گیا۔ واقعی پوری سیٹ ہی برباد ہو کر رہ گئی تھی اور اس کے علاوہ کوئی
چارہ باقی نہیں رہ گیا تھا کہ آئل کلاتھ ہی بدل دیا جائے۔ "پھر وہ آپ کو کس طرح پہچانتی ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ مجھے قطعی نہیں پہچانتی۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن مجھے وہ بات تو بتا
جس پر تم مجھے چھوڑ رہے ہو۔"

حمید کا موڈ ابھی تک ٹھیک نہیں ہوا تھا اور ان باتوں کو دہراتے ہوئے اسے کچھ شرم سی
محسوس ہونے لگی تھی۔

فریدی اسے تذبذب میں دیکھ کر بولا۔

"بتاؤ نا.... یہ معاملہ مجھے سیدھا سادھا معلوم نہیں ہوتا۔" حمید نے برا سا منہ بنا کر اس
اور اپنی گفتگو دہرادی۔

فریدی کے ماتھے پر سلوٹیں آ گئی تھیں۔

"کیا تم اسے پاگل سمجھتے ہو۔" فریدی نے پرخیال انداز میں پوچھا۔ "اگر آپ کا اس سے کوئی
تعلق نہیں ہے تو وہ یقیناً پاگل ہے۔"

"کیوں....؟"

"اس کی بے تکی باتیں۔"

"وہ ایک دلچسپ کیس ہے اور اس کے ذریعہ ہمیں مفید معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔"
فریدی نے کہا۔

"میری طرف سے جائے وہ جہنم میں۔"

"قطعی قطعی....!" فریدی سر ہلا کر بولا۔

"لیکن اب تم جا نہیں رہے ہو۔"

"ابھی تک میرا اطمینان نہیں ہوا۔"

"تم گدھے ہو! تمہیں شرم نہیں آتی۔ میرے متعلق ایسا سوچتے ہو۔ اب اگر تم نے الٹی
بکواس کی تو خدا کی قسم پیٹوں گا۔"

پھر فریدی اسے دھکیلتا ہوا اندر لایا۔ یہاں وہ لڑکی نیچے اتر آئی تھی اور اس نے نوکروں پر
برسنا شروع کر دیا تھا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ اسے توجہ اور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔



کافی شور و غل مچانے کے بعد اس نے فریدی سے پوچھا۔

"وہ سور کا بچہ بلڈاگ کہاں ہے؟ میرے کپڑے کہاں ہیں اور اب تم مجھے کہاں لے آئے ہو؟"

"اب کیا خیال ہے۔" فریدی نے حمید سے پوچھا۔

"پاگل.... قطعی پاگل۔"

"نہیں پیارے۔" اس نے کہا اور پھر لڑکی کو مخاطب کر کے بولا۔

"کپڑوں کا انتظام ہو جائے گا.... تم اپنی ناپ بتاؤ۔"

"مجھے باہر لے چلو.... باہر جاؤں گی۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں.... لیکن اس طرح تم پھر انہیں لوگوں کے ہتھے چڑھ جاؤ گی۔"
ریدی نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔

لڑکی اسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ وہ کچھ متذبذب نظر آنے لگی تھی۔

"خیر چھوڑو ناشتہ تیار ہے۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ "مطمئن رہو.... اب تم پولیس
کی حفاظت میں ہو۔"

وہ سب ڈرائنگ روم میں آئے۔ لڑکی خاموش ہو گئی تھی۔ ناشتہ کے دوران میں اکثر وہ
آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ان دونوں کی طرف دیکھنے لگتی تھی۔

ناشتہ ختم کرنے کے بعد فریدی نے پھر اس قصے کو چھیڑا۔ لڑکی کے انداز سے ایسا معلوم ہوتا
تھا جیسے وہ فریدی کی باتوں پر یقین کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔

"میں کسی بات پر یقین کرنے کے لئے تیار نہیں۔ مجھے خود اپنی بات پر یقین نہیں۔ شاید کسی
دن میں یہ بھی بھول جاؤں کہ میں کون ہوں۔" اس نے کہا۔

"تمہیں یاد دلانے کی صرف ایک ہی صورت باقی رہ گئی ہے۔" فریدی نے پرخیال انداز میں
کہا اور خاموش ہو گیا۔

لڑکی سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"وہ یہ کہ میں تمہیں اقدام خودکشی کے جرم میں پولیس کے حوالے کر دوں۔" فریدی پھر بولا۔

"ارے نہیں نہیں۔" حمید ملتجانہ انداز میں بولا۔ جس کا موڈ اب بالکل ٹھیک ہو چکا تھا۔ تمام فریدی نے اسے یقین دلایا کہ وہ پولیس آفیسر ہے۔ اس سلسلہ میں اسے اپنا شناختی کارڈ دکھانا پڑا۔

پھر تھوڑی دیر بعد وہ لڑکی کہہ رہی تھی۔ "کیا تم اس بات پر یقین کر سکو گے کہ میں خود اپنے لئے اجنبی ہوں۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"اب اگر میرے ماں باپ بھی دیکھیں تو نہ پہچان سکیں۔"

"تمہارے ماں باپ کہاں ہیں؟"

"ہنگری میں۔"

"انہوں نے تمہیں تلاش کرنے کی کوشش تو کی ہوگی؟"

"شاید....!" لڑکی نے گلوگیر آواز میں کہا۔ "انہیں یہ بھی معلوم نہ ہوگا کہ میں کہاں ہوں"

"کیوں....؟"

"مجھے خود بھی معلوم نہیں کہ میں یہاں تک کیسے پہنچی۔"

"یہ کس طرح ممکن ہے۔" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ ایک رات ایک ریستوران میں شومان کے ساتھ کھانا کھا رہی اس کے بعد آنکھیں کھلنے پر میں نے محسوس کیا کہ میں اسٹیمر کے ایک کیبن میں پڑی ہوں۔ میری آنکھ پاگل خانے میں کھلی۔"

"شومان کون تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"میرا ایک دوست....!"

"کوئی پرانا دوست رہا ہوگا۔"

"نہیں.... ہماری دوستی کوئی ایک ماہ سے زیادہ پرانی نہیں تھی۔"

"تم وہاں کیا کرتی تھیں۔"

"شیشے کے برتنوں کے کارخانے میں کام کرتی تھی۔"

"وہ شومان پھر کہیں دکھائی دیا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں....!"

"اور بلڈاگ کون ہے؟"

"بلڈاگ....!" لڑکی سوچ میں پڑ گئی۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد بولی۔

"میں اس کا نام نہیں جانتی لیکن میں نے اتنا خوفناک اور طاقتور آدمی آج تک نہیں دیکھا۔"

"پاگل خانے سے تمہاری کیا مراد ہے۔ میرے خیال سے یہاں اس شہر میں تو کوئی بھی پاگل نہیں ہے۔"

"نہیں ہوگا لیکن میں پاگلوں ہی کے ساتھ تھی۔"

"آخر تم کس بناء پر اسے پاگل خانہ سمجھنے پر مصر ہو۔"

"اگر میں تم سے یہ کہوں کہ تم مجھے اپنی غلام سمجھو اور مجھ سے ویسا ہی برتاؤ کرو پھر اگر تم نہ مانو تو میں کیا کروں گی۔"

"کچھ نہیں....!" فریدی مسکرا کر بولا۔

"لیکن وہ اسی بات پر مجھ پر کوڑے برساتے تھے۔"

"کیا....!" فریدی چونک کر بولا۔

"جب میں انہیں اپنا ملازم سمجھنے کی بجائے پاگل سمجھتی تھی تو وہ مجھے بے دردی سے مارتے تھے۔" لڑکی نے کہا۔

"ان میں کوئی بھی آدمی کم حیثیت کا نہیں معلوم ہوتا تھا.... وہ سب کافی تعلیم یافتہ بھی ہیں بلڈاگ اس نے تو مجھے کہیں کا نہیں رکھا۔"

"یعنی....!"

"اس نے میری شکل ہی تبدیل کر دی۔ پہلی بار چہرے کی پٹیاں کھولنے پر جب آئینہ میرے سامنے لایا گیا تو میرے منہ سے چیخیں نکل گئیں۔ میں بالکل بدل گئی ہوں۔"

"میرے خدا میں اپنے والدین کو کس طرح یقین دلاؤں گی کہ میں ان کی اپنی بیٹی ہوں۔"

"اوہ....!" فریدی کے منہ سے نکلا اور حمید بھی آنکھیں پھاڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"اس بلڈاگ نے میرے چہرے کا آپریشن کیا تھا۔" لڑکی پھر بولی۔

"میرا سارا چہرہ پٹیوں سے ڈھک دیا گیا تھا.... میں پاگل ہو جاؤں گی۔ وہ مجھے مار مار کر

امیروں کے رہن سہن کے طریقے سکھاتے تھے۔ میں ایک غریب لڑکی جو ناشتے میں صرف ایک
اسٹیک کھا کر سارا دن گزار دیتی تھی بڑی بڑی عظیم الشان میزوں پر کھانے کے لئے زبردستی مجبور
کی جاتی ہوں۔ میرے پاس صرف تین اسکرٹ ہوا کرتے تھے۔ دو معمولی تھے اور ایک کچھ اچھا تھا
جسے میں خاص خاص موقعوں پر پہنتی تھی۔ لیکن اب میرے پاس درجنوں اسکرٹ ہیں اور مجھے
دن میں کئی بار لباس تبدیل کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔"

"اور اس کے باوجود بھی تم وہاں سے بھاگ آئیں۔" فریدی نے کہا۔

"میری جگہ تم ہوتے تو کیا کرتے۔"

"یہ سوال دلچسپ ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اگر مجھے وہاں اتنی آسائشیں ہوتیں تو میں
وہاں سے کبھی نہ بھاگتا۔"

"خواہ تمہاری صورت ہی کیوں نہ بدل جاتی۔" اس نے بھولے پن سے پوچھا۔

فریدی اس کا جواب دینے کی بجائے کچھ سوچنے لگا۔

دفعتاً حمید کے ذہن میں ایک شبہے نے سر ابھارا۔ ممکن ہے یہ خود ان ہی لوگوں کے لئے کوئی
جال بچھا رہی ہو۔ اس سے قبل بھی فریدی کے خلاف سازشیں ہو چکی تھیں۔

"وہ لوگ تم پر کوڑے برساتے تھے۔" حمید نے پوچھا۔

"ہاں....!"

"یقین نہیں آتا....! بھلا تم جیسی خوبصورت لڑکی پر کوڑے۔"

"تم یقین نہیں کرو گے۔" وہ جھلا کر کھڑی ہو گئی اور لبادے کے اوپر کے بٹن کھول کر
پشت حمید کی طرف کر دی۔

"دیکھو....!" ساری پیٹھ پر ابھری ہوئی نیلی اور سیاہ دھاریاں تھیں۔ حمید لرز اٹھا۔

"بند کرو.... بند کردو۔" وہ جلدی سے بولا۔

"کل رات بھی انہوں نے مجھے بے تحاشہ پیٹا تھا۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"لیکن کل رات ہی کو میں وہاں سے نکل بھاگی۔ وہ میرا کمرہ مقفل کرنا بھول گئے تھے۔"

"وہ جگہ بتا سکتی ہو۔"

"شاید میں باہر سے اس عمارت کو پہچان بھی نہ سکوں۔" لڑکی نے کہا۔ "کیونکہ مجھے کبھی

نکلنے کا موقع ہی نہیں دیا گیا۔ البتہ اتنا بتا سکتی ہوں کہ وہ عمارت کسی ویرانے میں ہے جس کے
چاروں طرف گھنے جنگل ہیں۔"

"تم اس تالاب تک کس طرح پہنچی تھیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"مجھے کوئی تالاب یاد نہیں۔" لڑکی نے کہا۔ "البتہ اپنے ہوش میں مجھ سے جو حرکتیں ہوئیں
انہیں بتانے کی کوشش کروں گی۔"

وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی۔

پھر بولی۔ "باہر نکلنے کے بعد میں جھاڑیوں کے ایک جھنڈ میں گھس پڑی۔ میرا سارا جسم دکھ
رہا تھا۔ دکھن نہیں بلکہ اسے جلن کہنا چاہئے۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے سارے جسم میں دہکتے
ہوئے انگاروں سے لکیریں کھینچ دی گئی ہوں۔ تھوڑی دیر بعد یہ سوزش اور بڑھ گئی۔ پھر شائد میں
دو تین میل کی مسافت طے کرنے کے بعد گر پڑی۔

"تمہیں سمت کا بھی دھیان نہ ہو گا۔" فریدی نے کہا۔

"قطعی نہیں! اس وقت میرے ذہن میں صرف ایک ہی خیال تھا۔ وہ یہ کہ میں آزاد ہو گئی
ہوں اور ہر قیمت پر مجھے ان سے ہمیشہ کے لئے پیچھا چھڑا لینا ہے۔"

"ہاں.... خیر تو پھر....!"

"جب مجھے دوبارہ ہوش آیا تو میں نے کہیں قریب کار اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی۔ میں نے
جھاڑیوں سے منہ نکال کر دیکھا تو سڑک کے کنارے ایک پرانی وضع کی کار کھڑی تھی اور کوئی اس
کا انجن کھولے اس پر جھکا ہوا تھا۔ مجھ میں چلنے کی سکت بالکل نہ تھی۔ دفعتاً مجھے ایک تدبیر سوجھی۔
اس کار کے پیچھے لگیج کیریئر بھی لگا ہوا تھا جیسے ہی کار رینگی میں جھاڑیوں سے نکل کر لگیج کیریئر پر
بیٹھ گئی۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ میں کہاں جا رہی ہوں۔ مجھے اس کی فکر نہ تھی۔ میں تو جلد سے
جلد ان کی دسترس سے نکل جانے کی کوشش کر رہی تھی۔ تقریباً دو گھنٹے تک میرے ہوش و
حواس بجا رہے لیکن اس کے بعد سر چکرانے لگا۔ اس سے آگے میں نہیں جانتی کیا ہوا؟

"ہوں....!" فریدی پر خیال انداز میں سگار سلگانے لگا۔ پھر اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"ان میں کسی کا حلیہ بتا سکتی ہو۔"

"قریب قریب سبھی کے بتا سکتی ہوں۔ لیکن نام کسی کا نہیں جانتی۔" لڑکی نے کہا۔ "خصوصاً اس

معمر سرجن کی شخصیت تو کبھی نہ بھلا سکوں گی۔ جسے دیکھ کر بے اختیار بلڈاگ کہنے کو جی چاہتا ہے۔"

"وہی جس نے تمہاری شکل بگاڑی تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں اس کا سر چھوٹا ہے اور جبڑے اتنے بھاری ہیں کہ چہرہ سینے پر لٹکا ہوا سا معلوم ہوتا تھا، شانے غیر معمولی طور پر چوڑے ہیں۔" آنکھیں چھوٹی اور سرخ ہیں۔ قد درمیانہ رنگ گندمی، پیشانی کافی کشادہ ہے۔ بال اتنے چھوٹے رکھتا ہے کہ وہ کسی طرف موڑے نہیں جاسکتے اور ہونٹ پتلے ہیں۔"

فریدی نے معنی خیز نظروں سے حمید کی طرف دیکھا جو لاپروائی سے چھت کی طرف دیکھ رہا تھا۔ "اچھا تو تمہیں ٹریننگ کس قسم کی دی جارہی تھی۔" فریدی نے اس سے پوچھا۔

"کیا بتاؤں مجھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی ڈرامے کا ریہرسل ہو رہی ہو۔ ایسے موقعوں پر مجھے نہایت قیمتی لباس پہنایا جاتا تھا اور میرے ساتھ باوردی باڈی گارڈ ہوتے تھے جن کے نیزوں پر سفید جھنڈیاں لگی ہوئی تھیں اور ان جھنڈیوں پر پیلے رنگ کے عقاب بنے ہوئے تھے۔"

"پیلے رنگ کے عقاب....!" فریدی چونک کر سیدھا بیٹھتا ہوا بولا۔

"اس وقت وہ مجھ سے کہا کرتے تھے کہ تمہارا نام بورازیانہ ہے۔"

"اچھا بے بی۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "خیریت اسی میں ہے کہ تم ان کمروں تک محدود رہنا۔ تم کھڑکیوں کے قریب بھی نہیں جاسکتیں اور اگر اس کے خلاف کیا، تو نتیجے کی تم خود ذمہ دار ہوگی۔ یہ کوئی بہت بڑی سازش ہے۔"

"تو کیا اب تمہاری قید میں رہنا پڑے گا۔"

"قید نہیں بلکہ حفاظت میں۔" فریدی نے کہا۔ "اگر ان لوگوں نے تمہیں دیکھ لیا تو مجھے زندگی بھر افسوس کرنا پڑے گا۔"

"میں سمجھی نہیں۔"

"ابھی تک جو کچھ تمہارے ساتھ ہوتا آیا ہے اسے کب سمجھی ہو۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "ڈرو نہیں.... اس گھر میں تم ہر طرح محفوظ رہو گی۔ مجھے اپنے کپڑوں کے سائز دے دو اور اگر ہمارے ملک کا لباس پہننا چاہتی ہو تو اس سے بہتر کچھ نہ ہو گا۔"

"میں نہیں جانتی کہ تمہارے ملک کی عورتیں کیسا لباس پہنتی ہیں۔"

"میں تمہیں تصویروں میں دکھاؤں گا میرے ساتھ آؤ۔"

"کیا تمہارے گھر میں کوئی عورت نہیں۔" لڑکی نے پوچھا۔

"یہ نہ پوچھو....!" حمید گلوگیر آواز میں بولا۔ "ورنہ ہم دونوں پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کردیں گے۔"

"کیوں....!" لڑکی کے لہجے میں تحیر تھا۔

"ہم لوگ اپنی پیدائش سے پہلے ہی بیوہ ہوگئے تھے۔"

لڑکی بے ساختہ ہنس پڑی۔

فریدی اسے ڈرائنگ روم میں لے آیا اور یہاں ایک الماری سے ایک البم نکال کر اسے دیا۔

اس البم میں بہت سی تصویریں تھیں۔ ان میں سے کچھ عورتوں کی بھی تھیں ایک لباس اسے بے حد پسند آیا۔ وہ اسے پہننے پر رضامند ہوگئی۔

تھوڑی دیر بعد فریدی اور حمید نوکروں کو اس لڑکی کے متعلق خاص ہدایت دے کر روانہ ہوگئے۔

"اب کیا کہتے ہو۔" فریدی نے پوچھا۔

"بظاہر تو یہ داستان طلسم ہوشربا سے کم نہیں ویسے خدا جانے۔" حمید نے کہا۔

"لڑکی کچھ بے وقوف سی معلوم ہوتی ہے۔"

"کیوں....!"

"آخر وہ انہیں اپنا غلام کیوں نہیں سمجھتی تھی۔"

فریدی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی نظریں سامنے سڑک پر تھیں اور کیڈی چکنی سڑک پر پھسلتی جارہی تھی۔

دفعتاً اس نے حمید کو مخاطب کیا۔

"میں اس پیلے عقاب کے متعلق سوچ رہا ہوں۔"

"آپ کی سوچ پر کوئی پابندی نہیں۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "آپ ہمیشہ ایسی ہی باتیں سوچتے ہیں جن کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔"

"اچھا خیر تم ہی کوئی ایسی بات سوچو جو اس سے بھی زیادہ اہم ہو۔" فریدی پرخیال انداز میں بولا۔

"میں اس بلڈاگ کے متعلق سوچ رہا ہوں جس کا کوئی وجود نہیں۔"

"وجود نہیں.....!" فریدی سامنے دیکھتا ہوا مسکرایا۔

"جی ہاں.... میں اس لڑکی کے بیان کو ذرہ برابر بھی اہمیت دینے کے لئے تیار نہیں۔" حمید نے کہا۔ "اس نے اقدام خودکشی کیا تھا۔ سزا کے خوف سے داستانیں گڑھ رہی ہے۔ خیر میں یوں بھی آپ کو رائے نہ دیتا کہ آپ اسے پولیس کے حوالے کر دیں۔ چار دن گھر میں رونق ہی رہے گی۔"

"تم نے اس بلڈاگ کو کبھی نہیں دیکھا۔" فریدی نے کہا۔ "حالانکہ وہ یہاں کے مشہور آدمیوں میں سے ہے۔"

"جو حلیہ اس نے بیان کیا ہے ویسا آدمی مجھے آج تک نہیں دکھائی دیا۔"

"خیر دیکھو.....!" فریدی نے کار دفعتاً فٹ پاتھ کے قریب روک دی۔

"ادھر دیکھو.....!"

بائیں طرف والی عمارت میں ایک بورڈ لگا ہوا تھا جس پر ڈاکٹر ضرغام تحریر تھا اور کھڑکی کے اندر حمید کو ایک آدمی دکھائی دیا، جو میز پر جھکا ہوا کچھ لکھنے میں مشغول تھا اور پھر اچانک اس کے دماغ میں لفظ بلڈاگ کی گردان شروع ہو گئی۔"

"میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا تھا۔" حمید نے آہستہ سے کہا اور پھر کار چل پڑی۔



حمید بارہ بجے تک ہائی سرکل نائٹ کلب میں برج کھیلتا رہا۔ فریدی نے اسے ڈاکٹر ضرغام کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کی تاکید کی تھی۔ وہ پانچ بجے شام سے اس کے پیچھے لگا ہوا تھا اور اس دوران میں اس نے کوئی ایسی بات نہیں دیکھی جس کی بناء پر اس پر کسی قسم کا شبہ کیا جا سکے۔ آٹھ بجے وہ اپنے دوستوں کے ساتھ نائٹ کلب میں آیا تھا اور ایک بجے برج چھوڑ کر اٹھ گیا تھا۔ لیکن اس کے دوست وہیں رہ گئے تھے۔ حمید اس کا تعاقب کر رہا تھا اور پھر اسے اس کے گھر پہنچا کر واپس آیا تھا۔ اس نے پھاٹک پر قدم رکھتے ہی برآمدے میں خلاف معمول تاریکی دیکھی تھی۔ ویسے برآمدے میں ہر حالت میں روشنی رہتی تھی۔ پھاٹک کا بلب بھی بجھا ہوا تھا۔

رکھوالی کرنے والے السیشن کتوں نے ہلکی ہلکی آوازیں نکالیں۔

اور حمید انہیں چمکارتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ "کون حمید" برآمدے کے دوسرے کنارے سے فریدی نے اسے آواز دی۔ "اوہ.... آپ یہاں کیا کر رہے ہیں۔"

"لائن فیوز ہو گئی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"ادھر ہی چلے آؤ۔"

"میرے خیال سے رکھوالی کے لئے کتے ہی کافی ہوتے ہیں۔" حمید نے کہا اور ٹٹولتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔

فریدی نے سگار لائٹر جلا کر اوپر اٹھایا۔ وہ ایک آرام کرسی پر لیٹا ہوا تھا۔ حمید اس کے قریب کرسی پر بیٹھ گیا۔

"کیا خبر لائے۔" فریدی نے پوچھا۔

"کچھ نہیں.... مجھے تو ایسی کوئی خاص بات معلوم نہیں ہو سکی جس کی بناء پر کسی قسم کا شبہ کیا جا سکے۔ جسمانی ساخت کے اعتبار سے وہ بے ڈھنگا ضرور ہے خوفناک بھی معلوم ہوتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کا کردار بھی خوفناک ہو۔ دوسری بات۔" حمید نے عقل مندوں کی طرح مخصوص انداز میں سر ہلا کر کہا "جولیا نے صرف اس کا حلیہ کیوں بتایا۔ ان لوگوں کے متعلق وضاحت سے کیوں نہیں بتایا جو اس پر کوڑے برسایا کرتے تھے۔ نفسیاتی نقطہ نظر سے ان کے تو ازبر ہونے چاہئیں۔ کیونکہ اس قسم کے لوگوں کی ہر چیز ذہن سے بُری طرح چپک جاتی ہے، جو ہمارے لئے اذیت ناک ہوں۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جولیا نے ہمیں اُلو بنایا ہے۔"

"وہ کس طرح۔"

"اس سلسلہ میں ایک نقطہ تو عرض کر ہی چکا۔ اب دوسرا ملاحظہ فرمائیے۔ ڈاکٹر ضرغام کی شخصیت ایسی ہے کہ کوئی اسے ایک بار دیکھ کر زندگی بھر نہیں بھلا سکتا۔ میں نے صبح اس کی صرف ایک جھلک دیکھی تھی اور تھوڑی دیر بعد جب اس کا خیال آتا تھا تو اس کی مکمل تصویر میرے ذہن میں اُبھر آتی تھی۔ ممکن ہے جولیا نے اسے پہلے کبھی دیکھا ہو اور آپ کے استفسار پر اس کا حلیہ بھی بتا چکی ہو۔"

"تمہاری یہ دلیل قابل قبول نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "پھر تمہیں وہ نشانات بھی ذہن میں رکھنے چاہئیں جو تم نے اس کی پیٹھ پر دیکھے تھے۔"

"ہو سکتا ہے کہ انکی کوئی اور وجہ ہو۔ آخر آپ اسکی اس کہانی کو حقیقت سمجھنے پر کیوں مصر ہیں"

"اس سے پہلے بھی کبھی تم نے ڈاکٹر ضرغام کو کوئی اہمیت دی تھی۔" فریدی نے اس کی بات کا جواب دینے کی بجائے سوال کیا۔

"میرا خیال ہے کہ اس سے پہلے میں نے اس کا نام بھی نہیں سنا تھا۔" حمید بولا۔

"حالانکہ وہ کئی سال سے یہاں قیام پذیر ہے۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔

"رہا ہوگا۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ حمید کچھ کہنا ہی چاہ رہا تھا یک بیک برآمدے کے بلب روشن ہوگئے۔ حمید نے روشنی میں دیکھا کہ فریدی کے قریب رکھی ہوئی ٹی پائی پر ٹیلی فون بھی موجود ہے۔

"آج سے تین سال قبل ڈاکٹر ضرغام نے ایک طبی رسالے میں ایک مضمون لکھا تھا جس میں مردے کا آپریشن کر کے شکل تبدیل کر دینے کے امکانات پر بحث کی تھی اور یہ بھی لکھا تھا کہ عنقریب تجربات کرنے والا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" حمید ہنس کر بولا۔ "تو آپ نے جولیا کی اس ہوائی پر بھی یقین کر لیا ہے اس کا چہرہ آپریشن کے ذریعہ بگاڑ دیا گیا ہے۔"

"تم اسے ہوائی کہتے ہو؟" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "امریکہ میں اس قسم کے تجربات ہو چکے ہیں۔"

"جی ہاں.... میں نے اکثر امریکی رسائل میں اس قسم کے سرجنوں کے اشتہارات دیکھے ہیں جو پھولی ہوئی ناک اور گدھوں جیسے کانوں کا آپریشن کر کے انہیں حسین بنا دیتے ہیں۔ خیر یہاں تک تو یقین کیا جا سکتا ہے لیکن پورے چہرے کے خدوخال بدل دینا اپنی سمجھ سے باہر ہے اور جولیا کا چہرہ تو بالکل بے داغ ہے کیا یہ آپریشن کرنے والوں کا کمال ہے۔ بہر حال آپ کے پاس اس کے لئے کوئی منطقی دلیل نہیں ہے۔" حمید نے کہا۔

"فی الحال منطقی دلیل کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ کیونکہ ابھی ہمارے پاس اتنا مواد نہیں ہے۔"

"ہوگا صاحب۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

دفعتاً ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔

"ذرا دیکھنا....!" فریدی نے حمید سے کہا اور خود آنکھیں بند کر کے آرام کرسی کی پشت سے

گیا۔

حمید ریسیور اٹھا کر سننے لگا۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی ہلکی سی مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔

ریسیور رکھ کر وہ فریدی کی طرف مڑا۔

"کرن سنگھ تھا۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔ "کہہ رہا تھا کہ ناولٹی سینما سے نکلتے وقت تین برقعہ پوش عورتوں کے نقاب نوچ لئے گئے۔"

"ٹھیک.... بیٹھ جاؤ۔!" فریدی نے کہا اور میز پر رکھے ہوئے کاغذ کے ٹکڑے پر کچھ لکھنے پھر الٹ کر رکھ دیا۔

حمید تحیر آمیز انداز میں اس طرف دیکھ رہا تھا۔ اتنے میں ٹیلی فون کی گھنٹی پھر بجی۔

فریدی نے پھر حمید کو اشارہ کیا اور حمید نے پھر ریسیور اٹھا لیا۔

"وحید ہے۔" حمید حیرت سے آنکھیں پھاڑتے ہوئے بولا۔

"کہہ رہا ہے کہ باتھم روڈ پر دو عورتوں کے نقاب نوچے گئے۔"

فریدی نے کاغذ پر پھر کچھ لکھا اور ریسیور اپنے ہاتھوں میں لے کر بولنے لگا۔

"وحید میں بول رہا ہوں، فریدی.... کیا تم کسی کو پکڑ نہیں سکے۔"

"کیا کہا.... سب پاگل.... اچھا خیر.... تمہیں اور تمہارے آدمیوں کو اب چھٹی ہے۔"

فریدی نے ریسیور رکھ دیا اور بیٹھ کر بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔

"آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔" حمید نے کہا۔

"میرے قائم کردہ نظریئے کی تائید ہو رہی ہے۔"

"یعنی....!"

"یعنی یہ کہ تم نرے گاؤدی ہو۔" فریدی اکتا کر بولا۔ "ارے صاحبزادے جولیا کی تلاش کی جا رہی ہے۔ یہ دیکھو....!" اس نے میز پر رکھا ہوا کاغذ حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "بارہ بجے دوپہر سے اس وقت تک اٹھائیس برقعہ پوش عورتوں کے نقاب نوچے جا چکے ہیں۔"

"کس نے نوچے۔" حمید نے حیرت سے پوچھا۔

"چند مخبوط الحواس آدمیوں نے اور وہ انتہائی کوشش کے باوجود بھی نہیں پکڑے جا سکے۔"

حمید سوچ میں پڑ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کہے، کچھ ہی دیر قبل وہ اس کی

سادگی کا مضحکہ اڑا رہا تھا، اب وہ اتنا بے حیا بھی نہیں تھا کہ ان کو اتفاقات کے زمرے میں [illegible]
کر کے کسی نئی بحث کا آغاز کر دیتا۔ اسے اتفاق تو اس وقت کہا جا سکتا تھا۔ جب شہر میں اس سے [illegible]
بھی اس قسم کی کوئی واردات ہوئی ہوتی۔

شہر کی سڑکوں پر روزانہ خبط الحواس اور مجنوں قسم کے آدمی اسے ہر روز دکھائی دیتے [illegible]
جن کے متعلق اس نے عوام کی زبانی یہ بھی سنا تھا کہ وہ سی آئی ڈی کے آدمی ہیں۔ حالانکہ ان [illegible]
سے ایک بھی اس کے محکمہ سے نہیں تھا۔ بہر حال شہر میں ایسے آدمیوں کی تعداد کم نہیں [illegible]
لیکن آج تک ان سے کوئی خطرناک حرکت سرزد نہیں ہوئی تھی۔ ان کا پاگل پن عموماً گالیوں [illegible]
تک بکواس ہی تک محدود رہتا تھا یا پھر کبھی کبھی ان میں سے ایک آدھ پتھر لئے بچوں کے پیچھے [illegible]
ہوا دکھائی دیتا تھا۔ اکثر وہ بھیک مانگتے وقت راہگیروں سے بھی الجھ جاتے تھے اور پھر اگر معاملہ [illegible]
آدھ کا ہوتا تو کوئی بات بھی تھی۔ وہاں تو ایک دن میں اٹھائیس عورتوں کے نقاب نوچے [illegible]
تھے۔ اسے تو کوئی بچہ بھی کسی غیر معمولی سازش پر محمول کر سکتا تھا۔

حمید نے ہارے ہوئے جواری کی طرح ہاتھ پیر ڈال دیئے۔ فریدی کے ہونٹوں پر [illegible]
زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی۔ "اب کیا کہتے ہو۔"

"فی الحال میں کچھ نہیں کہنا چاہتا۔"

"کہو گے کیا۔" فریدی نے کہا۔

"اگر جولیا ڈاکٹر ضرغام کا حلیہ نہ بیان کرتی تو شاید مجھے بھی یقین نہ آتا۔"

"کیا آپ کے پاس اس کا کوئی خراب ریکارڈ موجود ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں لیکن اس کا وہ مضمون....!"

"آپ بھی مضمون کو لئے پھرتے ہیں۔"

"میں اس مضمون کا تذکرہ نہیں کر رہا ہوں جسکے متعلق ابھی بتایا تھا۔" فریدی نے مسکرا کر [illegible]

"یہ ایک دوسرا مضمون ہے، جو اب سے ڈیڑھ ماہ قبل شائع ہوا تھا۔ اس میں اس نے [illegible]
سال قبل والے مضمون کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا تھا کہ میں تین سال سے انتھک تجربات کے [illegible]
اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ تبدیلی ہیئت کے لئے چہرے کا آپریشن کامیاب نہیں ہوتا۔ اب [illegible]
سال قبل جو میں نے لکھا تھا وہ میری خام خیالی تھی.... امریکی ڈاکٹروں کے کامیاب تجربوں [illegible]

متعلق اس کا خیال ہے کہ وہ زیادہ تر اتفاقات پر مبنی ہیں۔"

"تو پھر....!"

"تو پھر کیا....! سوچنے کی بات ہے کہ تین سال بعد پہلے والے بیان کی تردید کی ضرورت
کیوں محسوس ہوئی۔"

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہوتی جا رہی تھیں اور سر میں
جھائیں جھائیں شروع ہو گئی تھی۔

"چالاک سے چالاک آدمی بھی کوئی نہ کوئی حماقت کر بیٹھتا ہے۔" فریدی پھر بولا۔

"اگر وہ تین سال بعد اپنا تردیدی مضمون نہ چھپواتا تو....!"

"جولیا کہاں ہے۔" حمید اس کی بات کاٹ کر بولا۔

"سو رہی ہے۔"

"تو اسی لئے آپ یہاں بھاگ آئے ہیں۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"کیوں؟ اس سے کیا۔"

"بھلا ایک غیر عورت کیساتھ اکیلے گھر میں.... آپ بڑی بوڑھیوں کو کیا منہ دکھاتے۔"

"کیا بکواس ہے۔"

"اے ہے۔" حمید نے سینے پر ہاتھ مار کر کہا۔ "ذرا دانتوں تلے انگلی بھی دبائی ہوتی۔"

"شٹ اپ....!"

"انشاء اللہ آپ حشر کے دن کنواری لڑکی بنا کر اٹھائے جائیں گے۔"

"کیا لوفروں کی طرح دو پیسے والے جملے بول رہے ہو۔" فریدی ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"میں آپکے دکھوں کی تہہ تک پہنچ گیا ہوں۔" حمید اس کی بات پر دھیان دیئے بغیر بولا۔

فریدی بُرا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"میں آپ کے دل کی گہرائیوں تک اتر گیا ہوں۔" حمید نے مغموم لہجے میں کہا۔

"مت ٹائیں ٹائیں کرو۔"

محبت میں ایک ایسا وقت بھی آتا ہے انسان پر
کہ تاروں کی چمک سے چوٹ لگتی ہے رگ جان پر

"خدا کے لئے مجھے ایسے سڑے بسے شعر مت سنایا کرو۔"

"اصغر گونڈوی کا شعر ہے جناب۔"

"اللہ تعالیٰ کا تو نہیں ہے۔"

"کیوں صاحب کیا خرابی ہے اس شعر میں۔"

"اس قسم کی کیفیت صرف کافی مقدار میں بھنگ پی جانے پر پیدا ہو سکتی ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"ایسی حالت میں ستاروں کی چمک تو کیا ستاروں کے خیال سے بھی رگ چمکنے لگتی ہے۔ آپ اتنے پیارے خیال کا خون کر رہے ہیں۔"

"خیال کیا میں تو تمہارا خون کر دینے کے امکانات پر غور کر رہا ہوں۔"

"آخر آپ عورت کے نام پر بدکتے کیوں ہیں۔"

"یار کیوں بور کر رہے ہو۔" فریدی نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا۔ "نیند نہیں آ رہی تمہیں۔"

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اندر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔

فریدی نے مڑ کر دیکھا۔ جولیا دروازے میں کھڑی پریشان نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ "تم نے میرا کہنا نہیں مانا۔" فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔

"اندر آ جاؤ.... مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" وہ پیچھے ہٹ کر تاریکی میں جاتی ہوئی بولی۔

"کیوں....!" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

وہ دونوں اندر چلے گئے۔

"میں نے ابھی ایک خوفناک خواب دیکھا ہے۔"

"کیا....!" حمید نے پوچھا۔

لیکن وہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئی۔ وہ فریدی کی طرف دیکھ رہی تھی اور فریدی کے انداز سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اس خواب کو سننے کا خواہش مند نہیں ہے۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ حمید نے پھر خواب کے متعلق استفسار کیا۔

"وہ بلڈاگ....!" لڑکی کچھ اور کہنا چاہتی تھی۔ لیکن یک بیک رک گئی۔

"ہاں.... آں....!" فریدی اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"میں نے دیکھا جیسے اس نے گھونسہ مار کر میرے سر کی ہڈیاں چور کر دیں۔"

"اس خواب کی وجہ خوف ہے اور کچھ نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کیا تم خواب کی حقیقت کی قائل نہیں ہو۔"

"کبھی کبھی میں نے ایسے ایسے خواب دیکھے ہیں جو پورے ہو چکے ہیں۔"

"اتفاقات ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن یہ خواب کبھی پورا نہ ہو سکے گا۔ میرا ایک گھونسہ ے سر کی ہڈیاں چور نہیں کر سکتا۔"

"میں اس بلڈاگ کے گھونسے کی بات کر رہی ہوں۔"

"وہی سہی وہ اتنا طاقتور نہیں ہے۔"

"تو کیا تم اسے جانتے ہو۔" لڑکی نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں، وہ اس شہر کا ایک معمولی سا ڈاکٹر ہے۔"

"تب تم اسے نہیں جانتے۔" جولیا مسکرا کر بولی۔ "نہ اس کی طاقت سے واقف ہو۔ کوئی معمولی طاقت والا آدمی ایک گھونسے میں کسی کے سر کے پرخچے نہیں اڑا سکتا؟ آرتھر کا سر میرے سامنے ہی پھٹا تھا اور اس نے میرے سامنے ہی تڑپ تڑپ کر جان دے دی تھی۔"

"آرتھر کون....؟"

"ان ہی میں سے ایک تھا۔"

"مگر تم نے کہا تھا کہ ان میں سے کسی کے نام سے واقف نہیں تھی۔"

"وہ دراصل مجھ سے عشق کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔" جولیا نے سادگی سے کہا۔ "اس سلسلہ میں وہ مجھ سے گھنٹوں باتیں کرتا تھا اور اسی نے مجھے اپنا نام بھی بتایا تھا۔ ایک دن اس خوفناک آدمی نے اسے مجھ سے عشق کا اظہار کرتے ہوئے دیکھ لیا اور اسی جگہ بے چارے آرتھر کو تڑپ تڑپ کر جان دینی پڑی۔"

"آرتھر....!" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا پھر جولیا کو مخاطب کر کے پوچھا۔

"وہی نا جس کے بائیں کان کی لو کٹی ہوئی تھی۔ داہنے نتھنے پر بڑا سا تل تھا۔"

"وہی وہی....!" لڑکی جلدی سے بولی اور فریدی کے چہرے پر نظریں جما دیں۔ فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا۔



دوسرے دن صبح حمید کی طبیعت کسلمند تھی۔ پچھلی رات کافی رات تک جاگتا رہا تھا۔ جولیا سے گفتگو کرنے کے بعد فریدی اٹھ کر سیدھا اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ حمید آرتھر کے متعلق اس سے استفسار کرنا چاہتا تھا۔ اسے یاد آ رہا تھا کہ اس نے اس سے پہلے بھی یہ نام سنا تھا لیکن ذہن پر کافی زور دینے کے باوجود بھی یہ نہ یاد آیا کہ نام کس سلسلہ میں تھا اور پھر اس نام پر فریدی کے چہرے پر تشویش کے آثار بھی دکھائی دیئے تھے۔ آخر کیوں، اور وہ اسے کچھ بتائے بغیر چپ چاپ اٹھ گیا تھا۔ حمید کافی دیر تک الجھتا رہا۔

اور شاید یہ الجھن اور زیادہ بڑھ جاتی مگر ناشتے کی میز پر جولیا کی ہیئت کذائی دیکھ کر اس کی الجھن رفع ہو گئی۔ وہ اس وقت لیڈی ہملٹن کے غرارے اور جمپر میں ملبوس تھی اور دوپٹے کو گردن میں ڈال کر ٹائی کی گرہ لگائے ہوئے تھی۔

"ارے اس طرح نہیں استعمال کیا جاتا۔" حمید نے کہا۔

"اونہہ.....!" فریدی منہ بنا کر بولا۔ "چلنے بھی دو۔"

"پھر کس طرح۔" جولیا نے کہا۔

"ٹھہرو بتاتا ہوں۔" حمید بولا اور اٹھ کر اسے باقاعدہ دوپٹہ اوڑھا دیا اور پھر بڑا سا گھونگھٹ نکال کر اپنی جگہ پر آ بیٹھا۔

وہ چند لمحے تک اسی حالت میں بیٹھی رہی۔ پھر منمناتی ہوئی آواز میں بولی۔

"میں چائے کس طرح پیوں گی۔"

"یہ بھی کچھ مشکل نہیں۔" حمید نے کہا اور چائے کی پیالی گھونگھٹ میں لے جا کر اس کے ہونٹوں سے لگا دی۔

فریدی حمید کو گھور رہا تھا اور بولا کچھ نہیں۔

"اس طرح تو بڑی دشواری ہو گی۔" جولیا اکتا کر بولی۔

"میں تمہیں اپنے ملک کے لباس کا صحیح استعمال بتا رہا ہوں۔" حمید نے کہا اور اس کا ہاتھ کیک سلائس سمیت گھونگھٹ میں گھس گیا۔

"مجھ سے نہیں بنے گا۔" جولیا نے کہا۔

"مجبوری ہے۔"

جولیا بدستور گھونگھٹ نکالے بیٹھی رہی۔ وہ اسی طرح چائے پینے لگی تھی۔ کیا تمہارے یہاں سب کی سب عورتیں ایسا ہی لباس پہنتی ہیں۔ جولیا نے پوچھا۔

"ہاں.....!"

"ہمیشہ.....!"

"ہاں.....!"

"وہ زندہ کس طرح رہتی ہیں۔"

"خود تمہیں دو چار دن کے بعد اس کا نتیجہ معلوم ہو جائے گا۔"

"تو کیا مجھے بھی اس طرح رہنا ہو گا۔" جولیا گھبرا کر بولی۔

"قطعی..... اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔"

"میں تو مر جاؤں گی۔"

"ہمارے یہاں کی عورتیں سو سال سے قبل نہیں مرتیں۔"

"تعجب ہے۔"

"بھلا اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔"

"تمہارے یہاں کی عورتیں دنیا کا آٹھواں عجوبہ معلوم ہوتی ہیں۔" جولیا نے کہا۔

"اور مرد اس سے بھی زیادہ اُلو کے پٹھے ہیں۔"

"کیوں.....؟"

"اس لئے کہ ہمارے یہاں شادی سے پہلے میڈیکل ٹسٹ کا رواج نہیں ہے۔"

"کیا اوٹ پٹانگ بکواس لگا رکھی ہے۔" فریدی نے جھنجھلا کر کہا اور پھر جولیا کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"اپنا منہ کھول دو، یہ خواہ مخواہ تنگ کر رہا ہے۔" جولیا نے ہنس کر گھونگھٹ ہٹا دیا۔ پھر حمید سے کہنے لگی۔ "یقیناً یہاں کے مرد اُلو کے پٹھے معلوم ہوتے ہیں۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر جولیا بولی۔

"کیا اس کو نقاب کہتے ہیں۔"

"نہیں گھونگھٹ.... کیوں؟"

"کیا یہ دونوں لفظ ایک ہی مفہوم رکھتے ہیں۔"

"نہیں، نقاب اور گھونگھٹ میں تھوڑا سا فرق ہے۔ بہر حال وہ بھی چہرے کو چھپانے ہی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔"

"میں آج صبح کا اخبار پڑھ رہی تھی۔ اس میں یہ خبر کافی دلچسپ تھی کہ کل چند پاگل آدمیوں نے اٹھائیس عورتوں کے نقاب نوچ ڈالے۔ لیکن میں انہیں پاگل نہیں سمجھتی ہوں۔ انہوں نے نہایت عقلمندی کا کام کیا ہے۔"

"انہیں میں بھی عقل مند سمجھتا ہوں۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "ہاں تم کسی بڑی گہری سازش میں شریک کی جانے والی تھیں۔"

"میری عقل ہی خبط ہو کر رہ گئی ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اس دنیا میں ہوں یا عالم ارواح میں۔ کہیں میں سچ مچ پاگل ہی نہ ہو جاؤں۔"

"گھبراؤ نہیں۔" فریدی نے اسے دلاسہ دیا۔ "آہستہ آہستہ سارے سازشی میری گرفت میں آتے جا رہے ہیں۔"

"ممکن ہے کہ مجھے اس گورکھ دھندے سے نجات بھی مل جائے۔" جولیا مغموم لہجے میں بولی۔ "لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اپنے والدین کو کس طرح یقین دلاؤں گی کہ میں ان کی بیٹی ہوں۔"

"سب ٹھیک ہو جائے گا.... تم مت گھبراؤ۔"

"لیکن آخر یہ سب کچھ ہوا کیوں.... میری زندگی کیوں اس طرح برباد کی گئی۔"

"میں اسی سوال کے جواب کی تلاش میں ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن تمہیں زیادہ محتاط رہنا پڑے گا۔ وہ لوگ تمہاری تلاش میں ہیں اور ان کا گروہ بہت منظم معلوم ہوتا ہے اگر تم سے ذرا بھی لغزش ہوئی تو سارا کام بگڑ جائے گا۔"

"حتی المقدور احتیاط برتوں گی۔"

"تمہیں ناچنا آتا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"مجھے کبھی تفریحات کا موقع ہی نہیں ملا۔" جولیا نے مغموم لہجے میں جواب دیا۔

"اچھا تو خیر اس مکان میں تمہیں بہت سی تفریحات ملیں گی۔"

حمید ابھی اٹھنا نہیں چاہتا تھا لیکن فریدی کے اشارے پر اٹھنا ہی پڑا۔

تھوڑی دیر بعد وہ باہر جانے کے لئے لباس تبدیل کر رہے تھے۔

"یہ آرتھر کون تھا۔" حمید نے فریدی سے پوچھا۔

"تم آرتھر کو نہیں جانتے۔" فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔ "تب تو تمہیں اس محکمے میں نہیں ہونا چاہئے۔"

"یہ تو وہی بات ہے۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "تم خدا کو نہیں جانتے۔ تب تو تمہاری پیدائش ہی غلط ہوئی ہے۔"

"تمہیں اس کے متعلق کچھ نہ کچھ تو معلوم ہونا ہی چاہئے تھا کیونکہ اس کا ریکارڈ کافی عرصہ تک تمہاری فائل میں رہا ہے۔"

"مجھے یاد نہیں۔"

"خیر وہ ایک عادی مجرم اور ایک خطرناک بلیک میلر تھا۔ آج سے چھ ماہ قبل تین سال کی قید بامشقت سے رہا ہوا تھا، بہر حال جولیا نے یہ ایک بڑے کام کی بات بتائی ہے۔"

"مجھے تو پہلے ہی معلوم تھا۔"

"کس طرح....!" فریدی نے پوچھا۔

"وہی بکواس کر رہی تھی۔"

"تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا۔"

"اس وقت میں اسے پاگل سمجھتا تھا۔"

"ہوں.... خیر.... آؤ چلیں۔"

"لیکن جانا کہاں ہے...." حمید نے پوچھا۔

"فی الحال آوارہ گردی کے موڈ میں ہوں۔"

"مگر میں بڑا شریف بچہ ہوں۔"

"چلو چلو....!" فریدی اسے دروازے کی طرف دھکیلتا ہوا بولا۔

پھر چند لمحوں کے بعد فریدی کی کیڈلاک بڑی سڑک پر فراٹے بھر رہی تھی۔

"کیا آپ نے کوئی طریقہ متعین کر لیا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"ابھی نہیں..... ابھی تو میں بقول شخصے اندھیرے میں ہاتھ مار رہا ہوں۔"

"ایک بات میری سمجھ میں آج تک نہیں آئی۔"

"کیا....!"

"آخر ہم پر ہی کیوں اس قسم کی بلائیں نازل ہوتی ہیں۔"

"کیسی بلائیں۔"

"کیا یہ ضروری تھا کہ وہ بڑھیا آپ ہی کو ملتی۔" حمید نے کہا۔ "میں شروع سے دیکھ رہا ہوں کہ جس زمین پر آپ کے قدم پڑتے ہیں وہیں سے کوئی نہ کوئی نیا فتنہ ضرور ابھرتا ہے، پتہ نہیں کہ آپ کی تقدیر کس بناسپتی ستارے سے وابستہ ہے۔"

"تقدیر کی بات نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تم بھی اپنی آنکھیں کھلی رکھو تو تمہیں ہر راہ پر ہر موڑ پر کسی نہ کسی عجیب واقعہ سے دوچار ہونا پڑے گا۔"

"میں آنکھیں بند نہیں رکھتا۔"

"اگر آنکھیں بند نہیں رکھتے تو تم نے اسے پاگل کیوں سمجھ لیا تھا۔"

"میں کیا ہر ایک ایسا ہی سمجھتا۔"

"ہر ایک نہ کہو..... اپنی کہو۔"

"خیر ماریئے گولی۔ میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا۔"

فریدی یوں ہی بلا مقصد اپنی کار ادھر ادھر دوڑاتا پھر رہا تھا۔ کبھی اس سڑک پر کبھی اُس پارک کے سامنے روک دی اور کبھی کسی ریستوران کے سامنے..... ڈاکٹر ضرغام کے مطب کا بھی ایک چکر لگا چکا تھا اور اسے کل ہی کی طرح میز پر جھکا ہوا پایا تھا۔ آج بھی اس کے یہاں مریضوں کی زیادہ بھیڑ نہیں تھی۔

ڈنڈو پر ایک آدمی کھڑا شاید دوا بنا رہا تھا، دو بوڑھیاں اس کی میز کے قریب پڑی ہوئی کرسیوں پر اونگھ رہی تھیں۔

اب اس کی کار باتم روڈ کی طرف سے نیلی روڈ کی طرف جا رہی تھی۔

"یہ کیا....!" دفعتاً حمید بولا۔

ایک جگہ کافی بھیڑ دکھائی دی ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کچھ لوگ کسی کو گھیر گھیر کر پکڑنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ فریدی نے یک لخت کار روک دی اور اتر کر بھیڑ کی طرف بڑھا۔

ایک آدمی سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ ابھی ابھی ایک دیوانے نے ایک طالبہ کا نقاب نوچا ہے وہ بیچاری ایک طرف سمٹی کھڑی تھی۔ فریدی بھیڑ کو چیرتا ہوا اندر گھسا۔ دیوانہ ہر بار پکڑنے والوں کی گرفت سے نکل جاتا تھا، وہ خود بھی لہولہان ہو رہا تھا اور کئی آدمیوں کو اپنے بڑے بڑے ناخنوں اور چمکیلے دانتوں سے زخمی کر چکا تھا۔

فریدی چند لمحے تک کھڑا اسے بغور دیکھتا رہا تھا پھر خود بھی اس پر ٹوٹ پڑا۔ اس نے اس کے دونوں ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لئے، لیکن لاکھ احتیاط کے باوجود بھی اس کے دانتوں سے نہ بچ سکا۔ دیوانے نے اس کے شانے پر منہ مارا تھا مگر فریدی کی گرفت سے نکل جانا آسان کام نہ تھا۔

حمید بھیڑ کو ہٹانے لگا۔ فریدی نے اس کو کار کی طرف کھینچنا شروع کر دیا۔ دفعتاً کسی اور طرف سے ایک اور آدمی بھی دیوانے پر ٹوٹ پڑا۔

"مار ڈالوں گا سالے کو۔" وہ ہانپتا ہوا بولا۔ "میری بیٹی کا نقاب..... کل اسی نے.....!"

فریدی اسے ہٹانے لگا۔ اس جدوجہد کے دوران میں کسی طرح دیوانہ اس کی گرفت سے نکل گیا اور دوسرا آدمی فریدی پر آ رہا۔

حمید بے ساختہ اس دیوانے کی طرف بڑھا۔ اس کے ساتھ کچھ اور لوگ دوڑے اور یہی چیز اس کے نکل جانے کا سبب بن گئی اگر وہ ایک ساتھ نہ دوڑتے تو اس نے اس خبطی کو پکڑ لیا ہوتا۔ اگلے موڑ پر پہنچ کر وہ یک بیک بھیڑ میں غائب ہو گیا۔

واپسی پر حمید نے فریدی کو اس آدمی سے الجھے ہوئے پایا جس کی وجہ سے وہ اس کی گرفت سے نکل گیا تھا۔

"کیا ضرورت تھی آپ کو خواہ مخواہ بیچ میں کودنے کی۔" فریدی بگڑ رہا تھا۔

"اس نے کل میری بچی کا نقاب نوچا تھا۔ میں زندہ نہیں چھوڑوں گا اس پاگل کتے کو۔ اگر حکومت ان پاگلوں کا کوئی انتظام نہیں کر سکتی تو ہم خود قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیں گے۔"

فریدی اسے جواب دینے کی بجائے قہر آلود نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اس کے منہ پر تھپڑ مار دے۔ لیکن اس نے جلد ہی اپنی حالت پر قابو پا لیا۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ اس

نے مسکرا کر کہا۔ ”لیکن میں نے اسے پکڑ ہی لیا تھا۔“

”اب کیا بتاؤں....!“ وہ آدمی خفیف ہو کر بولا۔ ”اسے دیکھ کر میں خود کو قابو میں نہ رکھ سکا۔ کل اس نے سرِ راہ شرمندہ کیا تھا۔“

”خیر ہوگا۔“ فریدی نے بے تعلقانہ انداز میں کہا اور اپنی کار کی طرف مڑ گیا۔ لیکن وہ اب بھی کنکھیوں سے اس آدمی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

اس دوران میں اس نے حمید کو کچھ اشارہ کیا اور وہ کار کے قریب سے ہٹ کر سڑک کے کنارے پر چلا گیا۔

فریدی نے کار اسٹارٹ کر دی۔

حمید سڑک کی کنارے کھڑا رہا۔ اتنے میں وہ آدمی جس نے دیوانے کو مارا تھا ایک گلی میں داخل ہو گیا۔ حمید اس کا تعاقب کر رہا تھا۔

وہ دو تین سڑکوں کا چکر لگانے کے بعد ڈاکٹر ضرغام کے دواخانے کے سامنے پہنچ کر رک گیا اور حمید کا دل بُری طرح دھڑکنے لگا۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ ڈاکٹر ضرغام کے مطب میں داخل ہو گیا۔ دواخانے کے سامنے ہی فٹ پاتھ پر پرانے ناولوں اور رسالوں کی ایک چھوٹی سی دکان تھی۔ حمید وہاں رک کر کاؤنٹر پر لگی ہوئی کتابیں الٹنے پلٹنے لگا۔

اس کی نظریں کبھی کبھی اس کھڑکی کی طرف اٹھ جاتی تھیں جس کے پیچھے ڈاکٹر ضرغام کی میز تھی۔ یکایک ڈاکٹر ضرغام اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں اور نچلا ہونٹ دانتوں میں دب گیا تھا۔ ”میں اسے دیکھ لوں گا۔“

حمید نے سڑک کے شور کے باوجود ڈاکٹر ضرغام کی آواز صاف سن لی تھی۔ ”کسے دیکھ لے گا۔“ حمید کے ذہن نے سوال کیا۔

کیا یہ جملہ اس نے فریدی کے لئے کہا تھا۔ کیا وہ شخص جس کا وہ تعاقب کرتا ہوا یہاں تک آیا تھا فریدی کو پہچانتا تھا اگر یہ بات ہے تو وہ اسے بھی پہچانتا ہوگا اور یہ بھی جانتا ہوگا کہ اس کا تعاقب کیا جا رہا ہے۔ لیکن دوسری بات کو اس کے ذہن نے قبول نہ کیا۔ اگر یہ بات ہوتی تو وہ ضرغام کے مطب میں آتا ہی کیوں، یا اگر کسی وجہ سے آیا ہی تھا تو اس کے داخل ہوتے ہی ڈاکٹر ضرغام اسٹیتھسکوپ اٹھا کر اس کا معائنہ شروع کر دیتا اور وہ اسی سلسلہ میں اپنی رپورٹ بھی سناتا۔ حمید نے

ڈاکٹر ضرغام کی طرف دیکھا جو کھونٹی سے لٹکا ہوا کوٹ اتار رہا تھا۔ پھر اس نے ٹائی کی گرہ درست کی اور انگلیوں سے سر کے بال ٹھیک کرتا ہوا فٹ پاتھ پر اتر آیا۔

وہ آدمی بدستور اپنی جگہ پر بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا۔ ڈاکٹر ضرغام نے حمید کے قریب سے گزرتے وقت اسے گھور کر دیکھا اور سڑک کے کنارے کھڑی ہوئی کار میں بیٹھ کر ایک طرف روانہ ہو گیا۔ حمید چکرا گیا کہ اب اس کا تعاقب کرے یا اس آدمی کے انتظار میں وہیں کھڑا رہے۔

وہ آدمی تھوڑی دیر تک اونگھتا رہا پھر وہ بھی باہر نکل آیا۔

حمید پھر اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ دفعتاً اُسے اپنی غلطی کا احساس ہوا، اسے ہر حالت میں ڈاکٹر ضرغام کا تعاقب کرنا چاہئے تھا۔

اس نے سوچا کہ وہ اس بات کا تذکرہ فریدی سے نہ کرے گا کیونکہ اس طرح اس کا احمق قرار دیا جانا یقینی تھا۔ فریدی گھنٹوں اس کا مذاق اڑاتا۔

وہ آدمی تھوڑی دیر ادھر اُدھر مارے مارے پھرنے کے بعد ایک چھوٹے سے کیفے میں گھس گیا جس میں بار بھی تھا۔



رات اپنے سیاہ بازو پھیلائے کائنات پر مسلط ہوتی جا رہی تھی۔ حمید اور جولیا رات کے کھانے سے فارغ ہو کر بیٹھے فریدی کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ صبح سے غائب تھا۔ آج اس کی تفتیش کا پانچواں دن تھا۔

حمید کو حیرت تھی کہ آخر فریدی اس بار اتنی احتیاط کیوں برت رہا ہے۔ قاعدے کے مطابق تو اسے اب ڈاکٹر ضرغام سے الجھ ہی جانا چاہئے تھا۔

”تمہارا چیف تو مجھے ان آدمیوں سے بھی عجیب معلوم ہوتا ہے۔“ جولیا نے کہا۔

”کیوں....!“ حمید نے پوچھا۔

”اس نے پورے مکان کو اچھا خاصا عجائب خانہ بنا رکھا ہے۔“

”کیا تم نے یہاں سب کچھ دیکھ لیا ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”سب کچھ سے کیا مراد ہے۔“

”مطلب یہ کہ تم نے مجھے بھی دیکھا یا نہیں۔“

"کیوں نہیں تمہارے جیسا Laughing Beast (ہنسنے والا درندہ) آدمی تک میری نظروں سے نہیں گذرا۔" جولیا نے ہنس کر کہا۔

"تم غلط سمجھیں.... میں بہت روتا ہوں۔"

"کیوں....!"

"ایک ستم رسیدہ آدمی ہوں۔"

"تم....!" جولیا ہنس کر بولی۔ "بھلا تم پر کس نے ظلم کیا ہے۔"

"مجھے ان کے نام تک یاد نہیں رہے۔"

"ظلم کی قسمیں بتاؤ۔"

"کیا کرو گی سن کر تمہیں دکھ ہو گا۔"

"پھر بھی۔"

"ایک بار ایک آدمی نے میرے منہ پر کہہ دیا تھا کہ تمہاری ناک ٹیڑھی ہے۔"

"ٹھیک تو کہا تھا اس نے....!"

"ہائیں....!" حمید اچھل کر بولا۔ "تم بھی یہی کہتی ہو۔"

"نہیں نہیں سیدھی ہے۔ میں نے تو یونہی مذاق کیا تھا۔ اچھا دوسرا ظلم؟"

"دوسرا ظلم یہ ہے کہ آج تک کسی لڑکی نے مجھ سے شادی کی درخواست نہیں کی۔"

"یہ تو واقعی ظلم ہے۔" جولیا مسکرا کر بولی۔

"مجھے اُلو بنا رہی ہو۔"

"نہیں نہیں.... تیسرا ظلم۔"

ایک بار مجھے ایک لڑکی سے محبت ہو گئی۔ بڑی سنجیدہ اور حلیم تھی۔ میں نے اسے کبھی ہنستے یا مسکراتے حتیٰ کہ بات کرتے بھی نہیں دیکھا۔ میں نے اسے کئی بار متوجہ کرنے کی کوشش کی مگر وہ صرف دیکھ کر رہ گئی۔

"پھر....!"

"ایک بار ایک جگہ تنہا مل گئی۔ میں نے اس سے گفتگو کرنی چاہی، جانتی ہو اس نے کیا کہا۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ جولیا اسے سوالیہ انداز میں دیکھ رہی تھی۔

"کیا کہا....!" وہ تھوڑی دیر بعد اکتا کر بولی۔

اس نے کہا۔ "لوع.... باغ.... بوق.... بعوق....!"

"کیا مطلب....!"

"وہ کم گو تھی۔" حمید غمزدہ لہجے میں بولا اور اداسی کی ایکٹنگ کرتا ہوا اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔

جولیا بے اختیار ہنس پڑی اور کافی دیر تک ہنستی رہی۔

"تم نے شادی کیوں نہیں کر لی اس سے۔" جولیا ہنس کر بولی۔

"میں نے سوچا کہیں اس بے چاری کو میرے ساتھ رہ کر بولنا ہی نہ پڑ جائے۔"

"تو تم زندگی بھر کنوارے ہی رہو گے؟"

"ہاں....!"

"آخر کیوں؟ تم لوگ تو کافی دولت مند ہو۔" جولیا نے کہا۔

"میرا چیف عورتوں سے ڈرتا ہے اور میں....!"

"کیوں....؟" جولیا نے اس کی بات کاٹ کر سوال کیا۔

"میں نہیں جانتا.... لیکن جب سے تم یہاں آئی ہو وہ گھر میں بہت کم رہتا ہے۔"

"کیا مجھ سے بھی ڈرتا ہے۔"

"ہاں تم سے بھی بُری طرح خائف ہے۔"

"کیوں؟"

"پتہ نہیں....!"

"عجیب بات ہے تم تو کہہ رہے تھے کہ یہ وہی شخص ہے جس نے فول مین کی آندھی اور بیرون آئی لینڈ کی پُراسرار آبادی کا پتہ لگایا تھا۔"

"ہاں ہاں میں نے غلط نہیں کہا تھا۔"

"اور وہ عورتوں سے ڈرتا ہے۔"

"عجیب لڑکی ہو تم بھی۔" حمید نے کہا۔ عورتوں سے خائف رہنے میں اس کی دلیری اور بلند ہمتی میں تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مجھے دیکھو میں کتنا بہادر آدمی ہوں لیکن اندھیرے میں کسی کالی بلی

کی سرخ سرخ آنکھیں دیکھ کر بے ہوش ہو جاتا ہوں۔ سناٹے میں اُلو کی آواز سن کر میرا دم
لگتا ہے۔ اگر اندھیرے میں تم ہی چونک کر مجھے ڈرا دو تو میں چیخ مار کر تم سے لپٹ جاؤں گا۔

جولیا کچھ کہنا ہی چاہ رہی تھی کہ قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ وہ چونک کر آواز کی طر
دیکھنے لگی۔ فریدی اپنی بغل میں ایک فائل دبائے اندر داخل ہوا۔ ابھی وہ بیٹھنے ہی پایا تھا کہ جو
پوچھ بیٹھی۔

"مسٹر فریدی! کیا تم مجھ سے ڈرتے ہو۔"

فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر حمید کی طرف دیکھا اور پھر جولیا کو مخاطب کر کے بولا۔ "اس ق
کی اطلاعات صرف تمہیں اس سے مل سکتی ہیں۔"

"یہ کہتا ہے کہ تم میری وجہ سے ادھر اُدھر بھاگے پھرتے ہو۔" جولیا نے کہا۔ "خیر بھاگ
دوڑ تو میری ہی وجہ سے ہو رہی ہے، لیکن اس کا کہنا ہے کہ تم مجھ سے اس قدر خائف ہو کہ تم گ
میں نہیں رہتے۔"

"ممکن ہے کہ یہ ٹھیک ہی کہتا ہو۔" فریدی لاپروائی سے بولا۔ "تم لوگ کھانا کھا چکے؟"

"لیکن تم مجھ سے ڈرتے کیوں ہو۔" جولیا نے پوچھا۔

"بھئی اس سے پوچھو، وہی کوئی معقول وجہ بتا سکتا ہے۔" فریدی اکتا کر بولا۔

پھر اس نے باورچی کو آواز دے کر بلایا۔

"میں اس وقت کھانا نہیں کھاؤں گا۔" اس نے کہا۔ "بس جلدی سے کافی اور دو پیسٹریاں
دے جاؤ۔"

"دیکھا تم نے۔" حمید چہک کر بولا۔ "ڈر کے مارے بھوک بھی غائب ہو گئی۔ صرف کاف
پئیں گے۔"

"کیوں بے کار بکواس لگا رکھی ہے۔" فریدی اردو میں بڑبڑایا۔

"میں کہتا ہوں آخر ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔" حمید نے انگریزی میں کہا۔ "یہ بے چاری
نہ شیر ہے نہ بھیڑیا۔"

"شٹ اپ....!"

"اچھا خوف کی وجہ ہی معلوم ہو جائے۔"

"حمید چپ رہو، ورنہ سر توڑ دوں گا۔" فریدی نے اردو میں کہا۔

"اوہو....!" حمید حیرت کا اظہار کرتے ہوئے جولیا کی طرف مڑا۔ "یہ کہہ رہا ہے کہ اس
نے کل رات کو تمہیں اپنے کتے سے لڑتے دیکھا تھا۔"

"میں....!" جولیا متحیر ہو کر بولی۔ "نہیں یہ سراسر جھوٹ ہے۔"

"یہ تمہیں خوامخواہ بے وقوف بنا رہا ہے۔" فریدی نے جولیا سے کہا۔ "اس کی باتوں میں نہ آؤ۔"

"تم مجھے بے وقوف بنا رہے ہو۔" جولیا حمید کی طرف مڑی۔

"یہ غلط ہے۔ میں نے آج تک کسی لڑکی کو بے وقوف نہیں بنایا۔ ہمیشہ خود بنتا رہا ہوں۔"

"تم جھوٹ کہہ رہے ہو۔ تم نے بہتیری لڑکیوں کو بے وقوف بنایا ہوگا۔ میں قسم کھانے کے
لئے تیار ہوں۔" جولیا بولی۔

"البتہ بعض لڑکیوں نے مجھے اس قدر بے وقوف بنایا ہے کہ اب مجھے خود کو بے وقوف کہتے
ہوئے بھی شرم آنے لگی ہے۔" حمید نے مغموم لہجے میں کہا۔

"اچھا کس طرح بے وقوف بنایا تھا۔"

"ایک دو کیس ہوں تو بتاؤں۔"

"پھر بھی ایک آدھ....!" جولیا چونک کر بولی۔

"خدا خیر کرے۔" فریدی اردو میں بڑبڑایا۔ "حمید کے بچے خدارا اس مظلوم لڑکی پر رحم کرو۔"

"ابھی کچھ دنوں کی بات ہے۔" حمید فریدی کی بات کو نظر انداز کر کے بولا۔ "ایک لڑکی مجھ
سے بہت قریب ہو گئی اور اس نے رو رو کر مجھ سے وعدہ کیا کہ وہ ہرگز مجھ سے شادی نہ کرے گی۔
اس بات پر مجھے سچ مچ اس سے محبت ہو گئی، لیکن اس نے مجھے بے وقوف بنایا۔ مجھے کہیں کا نہ رکھا۔"

"کیوں کیا کیا اس نے۔" جولیا نے حیرت سے کہا۔

"منمنانے لگی.... ناک کے بل بولنے لگی۔"

"کیوں! منمنانے کیوں لگی۔"

"تاکہ میں اس سے نفرت کرنے لگوں۔ اسے بھلا دوں۔"

"عجیب بات ہے.... بھلا اس میں نفرت کی کیا بات ہے۔"

"میں ہر اس عورت سے نفرت کرنے پر مجبور ہوں، جو ناک کے بل بولتی ہے۔"

"عجیب آدمی ہو تم....!"

"لیکن میں نے اس معاملہ میں بڑا دھوکہ کھایا۔"

"کیا....؟"

"اسے دراصل زکام ہو گیا تھا۔"

"تو پھر بھلا اس میں اس کا کیا قصور....!" جولیا ہنس کر بولی۔

"قصور سراسر اسی کا ہے۔" حمید نے کہا۔ "اسے بتا دینا چاہئے تھا کہ وہ زکام میں مبتلا ہے۔ مگر خیر حقیقت معلوم ہو جانے پر بھی مجھے اس سے نفرت ہی رہی۔"

"پھر نفرت کیوں رہی۔"

"اس لئے کہ زکام ٹھیک ہو جانے کے بعد وہ منمناتی رہی۔"

"تو پھر زکام ہی رہا ہو گا۔"

"خدا جانے....!" حمید نے کہا۔ "تم نے رستم و سہراب کا لکھا ہوا فردوسی نامہ پڑھا ہے؟"

"حمید سوراب چپ بھی رہو۔" فریدی نے کہا۔

اتنے میں کافی آ گئی اور وہ تینوں اپنی اپنی پیالیاں سیدھی کرنے لگے۔ کافی کے دوران میں فریدی نے اپنا فائل کھول کر جولیا کے سامنے رکھ دیا۔

"ارے یہ تو آرتھر کی تصویر ہے۔" جولیا ایک فارم میں چپکی ہوئی تصویر کی طرف اشارہ کر کے بولی۔

"ہوں....!" فریدی نے دوسرا ورق الٹتے ہوئے کہا۔ "اسے بھی دیکھا ہے کہیں؟"

"نہیں....!" جولیا بولی اور فریدی نے دوسرا ورق الٹا۔ اس طرح وہ بدستور ورق الٹتا رہا۔ ایک جگہ جولیا بے اختیار چیخ پڑی۔

"یہ بھی تھا.... ان میں یہ بھی تھا اور زیادہ تر اس نے مجھ پر کوڑے برسائے ہیں۔"

"ٹھیک....!" فریدی نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔

جولیا نے پورا فائل الٹ دیا لیکن اور کسی تصویر کے متعلق اس نے کچھ نہیں کہا۔ فریدی نے فائل بند کر کے ایک طرف رکھ دیا اور کافی کی پیالی پکڑ کر پرخیال انداز میں سگار کے ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔

"کیا تم نے ان کا پتہ لگا یا ہے۔" جولیا نے پراشتیاق لہجہ میں پوچھا۔

"ہاں.... لیکن ابھی یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ انہوں نے یہ سب کیا کیوں؟ وہ اب بھی تمہاری تلاش میں ہیں۔"

"تم انہیں پکڑ کیوں نہیں لیتے۔"

"اس سے کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ میں ان کے خلاف ثبوت کہاں سے مہیا کروں گا۔ اگر کسی طرح آرتھر کی لاش مل جاتی تب بھی غنیمت تھا۔"

"کیا میری شہادت کافی نہ ہو گی۔"

"قطعی نہیں.... عدالت تمہارے اس بیان پر ہرگز یقین نہ کرے گی کہ تمہاری شکل تبدیل کر دی گئی ہے کیونکہ تمہارے خدوخال سو فیصد قدرتی معلوم ہوتے ہیں اور تم خواہ مخواہ ایک جنجال میں پھنس جاؤ گی کہ تم بغیر پاسپورٹ اور ویزا کے داخل کیسے ہوئیں۔"

"جولیا خاموش ہو گئی۔"

کافی ختم کرنے کے بعد فریدی نے جولیا کو سونے کے لئے اوپری منزل میں بھیج دیا اور خود باہر جانے کے لئے تیاریاں کرنے لگا۔ اس نے حمید کو بھی تیار ہو جانے کو کہا۔ حمید طوعاً و کرہاً تیار ہو گیا۔ اس وقت وہ کہیں باہر جانے کے موڈ میں نہیں تھا۔

راستے میں حمید نے فریدی سے کہا۔

"آپ کہہ رہے تھے کہ کسی عدالت کو جولیا کے بیان پر یقین نہیں آ سکتا۔"

"بالکل ٹھیک کہہ رہا تھا۔"

"تو پھر آپ نے کیسے یقین کر لیا۔"

"اس لئے کہ اب میں یہ بات اچھی طرح جان گیا ہوں کہ اس واقعہ سے تعلق رکھنے والے لوگ پکے سازشی ہیں۔ آرتھر کے متعلق میں تمہیں بتا ہی چکا ہوں۔ اب تمہیں اس کے ساتھی کے پاس لئے چل رہا ہوں۔ اسی کے پاس جس کی تصویر جولیا نے شناخت کی تھی۔"

فریدی نے چرچ روڈ پر اپنی کار روک دی۔

"کیوں یہ وہی کیفے ہے نا جہاں تم نے میجر سلمان کو داخل ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"کون میجر سلمان....!"

"وہی جس کا تعاقب تم نے کیا تھا۔"

"اوہ ہاں....!" حمید نے کہا۔ "یہی وہ کیفے ہے۔"

فریدی دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ حمید بھی اس کے پیچھے تھا۔ یہاں قریب قریب ساری میزیں بھری ہوئی تھیں۔ زیادہ تر لوگ شراب پی رہے تھے۔

حمید کی نظریں کاؤنٹر پر رک گئیں جہاں ایک دبلا پتلا آدمی کھڑا اپنی پیشانی رگڑ رہا تھا۔ کچھ د[illegible] قبل اس نے اس کی تصویر فائل میں دیکھی تھی۔

فریدی پر نظر پڑتے ہی وہ بے اختیار چونک پڑا۔ پھر اس نے کاؤنٹر کی کھڑکی کھولی اور تیز تیز چلتا ہوا ان کے قریب آیا اور بولا۔

"فرمایئے سرکار....!" وہ قدرے جھک کر بولا۔ "آج ہمیں کیسے عزت بخشی؟"

"مجھے آرتھر کا پتہ چاہئے۔" فریدی نے کہا۔

"وہ تو.... ضر.... ضروری نہیں کہ مجھے اس کا پتہ معلوم ہو۔" اس نے کہا۔

"آپ جانتے ہیں کہ میں آج کل باعزت طور پر زندگی بسر کر رہا ہوں اور مجھے اب کسی کا پتہ نہیں معلوم۔"

"ہوں....!" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"مجھے دراصل اس سے ایک کام لینا تھا۔"

"اوہو حضور والا تو کون سا کام ہے۔ میں نہ کر سکوں گا۔ مجھ سے فرمایئے۔"

"تمہارے بس کا نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "یہ میں جانتا ہوں کہ کون کیا کام کر سکتا ہے۔"

"کیا کسی کو بلیک میل کرنا ہے؟"

"ہاں....!"

"ہاں تو یہ واقعی میں نہ کر سکوں گا۔"

"اچھا خیر، اگر آرتھر کہیں دکھائی دے تو اسے میرے پاس بھیج دینا۔"

"بہت بہتر....!"

واپسی پر فریدی حمید سے کہہ رہا تھا۔

"اب یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ آرتھر سچ مچ مار ڈالا گیا ہے۔"

"وہ کیسے؟"

"کیا تم نے غور کیا تھا کہ وہ ضرغام کا نام لیتے لیتے رہ گیا تھا، تم نے اسے چونکتے نہیں دیکھا تھا۔ کیا تم نے محسوس نہیں کیا کہ اس نے ضرغام کے "ضر" کو ضروری میں کھپا دیا تھا۔"



"تو بس اتنی سی بات کے لئے آپ یہاں دوڑ آئے تھے۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔ "بظاہر تو تمہیں بھی یہی معلوم ہوگا کہ میرا دماغ چل گیا ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"باطن وہ ہر وقت چلتا ہی رہتا ہے۔" حمید نے اپنے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔

فریدی کچھ نہیں بولا۔ اس کی نظریں سامنے سڑک پر تھیں اور ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

"کیا تم نے اس بات پر غور نہیں کیا۔" اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "کہ آج گھر کی رکھوالی کرنے والے کتے بھی بند تھے۔"

"یعنی....!" حمید نے چونک کر پوچھا۔

"اور جس وقت ہم لوگ گھر سے روانہ ہوئے دو تین آدمی ہماری نقل و حرکت دیکھ رہے تھے۔" فریدی نے کہا۔

"کون تھے....!"

"ضرغام کے ساتھی۔"

"تو کیا وہ اس بات سے واقف ہو گئے ہیں کہ جولیا ہمارے پاس ہے۔"

"قطعی....!" فریدی نے کہا اور کار کی رفتار سست کر دی۔

"اور آپ جولیا کو چھوڑ آئے ہیں۔" حمید تقریباً چیخ کر بولا۔

"میں بہرہ نہیں ہوں۔" فریدی ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

حمید دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔

"اور رکھوالی کے کتے بھی بند ہیں۔" اس نے پھر کہا۔

"ہاں ہاں....!" فریدی جھلا کر بولا۔ "سینکڑوں بار سمجھا دیا کہ سمجھ میں آئی ہوئی بات کے متعلق دوبارہ مت پوچھا کرو۔"

"آپ نہ جانے کیسی باتیں کر رہے ہیں۔" حمید بگڑ کر بولا۔

"کون سی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئی۔" فریدی نے داہنے ابرو کو جنبش دے کر کہا۔

"میں کہتا ہوں کہ آپ ایسی حالت میں اسے تنہا کیوں چھوڑ آئے ہیں۔"

"ہاں یہ سوال ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ.....!" فریدی کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ اس کی نظریں داہنے فٹ پاتھ پر رینگ رہی تھیں۔ دفعتاً اس نے کار کی رفتار تیز کر دی اور پھر اسے ایک بالکل ہی غیر متعلق راستے پر موڑ دیا۔

"کیوں یہ کیا.....!" حمید چونک کر بولا۔

"کام بن گیا۔" فریدی نے کہا اور کار کو ایک تاریک گلی میں موڑ دیا۔ تھوڑی دیر چلنے کے بعد وہ ایک سڑک پر آ گئے۔ لیکن یہ سڑک بالکل سنسان تھی اور دیہی علاقوں سے گزرتی ہوئی سعید آباد کی طرف چلی گئی تھی۔

فریدی نے کار کو سڑک کے کنارے لگی ہوئی جھاڑیوں میں اتار دیا اور اسے موڑ کر اس کا رخ پھر سڑک کی طرف کر دیا۔

"اس بیچاری کیڈی پر تو رحم کیجئے۔" حمید نے کہا۔

"سب چلتا ہے۔"

"میں گاڑیوں کو خوبصورت رکھنے کا قائل نہیں ہوں۔"

"لیکن آخر یہ سب ہے کیا.... کون سا کام بن گیا۔" حمید نے اکتا کر کہا۔

"کام یہ بن گیا کہ انہوں نے جولیا پر قابو پا لیا ہے۔"

"اوہ....!"

"شور مچانے کی ضرورت نہیں۔"

"اس کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہیں تھا۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ اسے فریدی پر غصہ آ رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ وہ یہ سمجھتا تھا کہ فریدی شاذ و نادر ہی کوئی غلط قدم اٹھاتا ہے۔ اب اس کی سمجھ میں آیا کہ یہ پانچ دن کی خاموشی دراصل طوفان سے قبل کی خاموشی تھی اور فریدی سچ مچ کوئی خطرناک اقدام کرنے جا رہا ہے۔

"میں ریوالور نہیں لایا۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"فی الحال شائد اس کی ضرورت پیش نہ آئے، فریدی نے پر اطمینان لہجے میں کہا اور شاید اس کی ضرورت پڑے تو میرا ہی ریوالور کافی ہوگا۔ ویسے میں بھی آج کل خون بہانے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"لیکن آپ نے بازار میں یک بیک یہ کیسے کہا تھا کہ کام بن گیا۔"

"اشارہ کیا تھا۔"

"کس کو.....!"

"اپنے ایک آدمی کو، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ وحید، راجندر اور رمیش بھی میرے ساتھ کام کر رہے ہیں۔"

"لیکن اس بار آپ نے یہ کیسی بد پرہیزی کر ڈالی۔" حمید نے کہا۔

"اس کیس میں بڑا پھیلاؤ ہے۔ شاید تمہیں نہیں معلوم کہ ضرغام ایک بہت بڑے گروہ کا سرغنہ ہے اور یہ سب کچھ مجھے اس کیس کے سلسلے میں معلوم ہوا ہے، ورنہ پہلے تو میں اسے کچھ سمجھتا ہی نہ تھا۔"

"انہیں کس طرح معلوم ہوا ہے کہ جولیا ہمارے پاس ہے۔"

"خود میں نے انہیں اس راز سے آگاہ کیا ہے۔"

"وہ کس طرح۔" حمید نے بے چینی سے پوچھا اور اپنا پائپ ٹٹولنے لگا۔ "نہیں حمید صاحب فی الحال تمباکو پینے کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

"آپ میرے سوال کا جواب دیجئے۔"

"بھئی یہ لمبی داستان ہے۔" فریدی نے کہا۔

"خیر مختصراً سنو۔ ضرغام کے آدمی اس دن سے میرے پیچھے لگ گئے تھے جس دن میں نے تمہیں میجر سلمان کا تعاقب کرنے کو کہا تھا۔ میرا خیال ہے کہ شاید ڈاکٹر ضرغام نے یہ جملہ میرے ہی لئے کہا تھا کہ میں اسے دیکھ لوں گا۔ بہر حال اس دن سے وہ مجھے باقاعدہ دیکھ رہا ہے، ہاں تو اسی دن سے ایک دو آدمی برابر میرا تعاقب کر رہے ہیں، لیکن مکان کے کمپاؤنڈ میں قدم رکھنے کی ہمت کسی نے بھی کی نہیں۔ اس وقت تک انہیں اس بات کا علم نہیں تھا کہ جولیا ہمارے پاس ہے۔ غالباً ضرغام اس خیال میں رہا ہوگا کہ کہیں میں کسی دیوانے کو پکڑ کر اس سے کچھ اگلوا نہ لوں،

لہٰذا اس نے میرے پیچھے آدمی لگا دیئے۔"

"خیر آج کا لطیفہ سنو۔ مگر نہیں پہلے میں تمہاری الجھن کو بھی رفع کرتا چلوں۔ جولیا کو دوبارہ ان کے حوالے کر دینے میں ہمارا فائدہ ہی ہے اس طرح ہم یہ بھی معلوم کر سکیں گے کہ آخر انہوں نے اس کی صورت کیوں تبدیل کی۔"

"میں آپ سے متفق نہیں ہوں۔" حمید نے کہا۔ "ممکن ہے وہ اسے مار ہی ڈالیں۔"

"میرے بیٹے یہ ناممکن ہے۔" فریدی خود اعتمادی کے ساتھ بولا۔ "جولیا پر انہوں نے بہت محنت کی ہے۔ ایک بار پھر وہ اُسے راہِ راست پر لانے کی کوشش کریں گے۔"

ڈاکٹر ضرغام خود کو اسی لئے محفوظ سمجھتا ہے کہ ابھی تک میرا ذہن اس تک پہنچا ہی نہیں اور آج کے واقعہ نے تو اس کا ذہن بالکل ہی صاف کر دیا ہوگا۔

"وہ کیا۔۔۔؟"

"وہی تو بتانے جا رہا تھا۔" فریدی نے کہا۔ "ہاں تو آج شام کو میں اور وحید کیفے ڈی فرانس میں کافی پی رہے تھے اور ہمارا ہمزاد یعنی ڈاکٹر ضرغام کے گروہ کا ایک آدمی بھی ہمارا تعاقب کرتا ہوا وہاں پہنچ گیا تھا اور میرے قریب ہی بیٹھا ایک کپ کافی پر اخبار لئے اونگھ رہا تھا۔ میں نے اونچی آواز میں وحید سے گفتگو شروع کر دی۔"

"اوہ۔۔۔!" فریدی خاموش ہو کر کچھ سننے لگا۔ "گاڑی کی آواز۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

چند لمحوں کے بعد حمید نے بھی کسی موٹر کے انجن کی گھڑگھڑاہٹ سنی اور پھر اس کے دیکھتے ہی دیکھتے ایک بڑی سی دیو پیکر لاری ان کے سامنے سے گزر گئی جس کی ہیڈ لائیٹس بجھی ہوئی تھیں اور پچھلے حصے کی سرخ روشنی بھی غائب تھی۔ تھوڑی دیر بعد فریدی نے کار اسٹارٹ کر دی اور اسے سڑک پر نکال لایا۔

اس کی کیڈی بھی اندھیرے میں آگے بڑھ رہی تھی۔

"تو کیا اس لاری پر۔۔۔!" حمید نے پوچھا۔

"قطعی۔۔۔!" فریدی بولا۔

"آپ یقین کے ساتھ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔"

"انہوں نے لائٹ کیوں بجھا رکھی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اور پھر میں اس لاری کو دن میں

بھی دیکھ چکا ہوں اور میں نے اس پر جمشید کو بھی دیکھا تھا۔"

"کون جمشید۔۔۔!"

"وہی جس سے مل کر ابھی آ رہے ہیں، اس کیفے کا مالک۔"

"مگر اندھیرے میں آپ نے لاری کو کیسے پہچان لیا۔۔۔؟"

"ریڈیو کا ایریل تم نے کسی لاری یا بس میں آج تک نہ دیکھا ہوگا۔" فریدی نے کہا۔

"اور حقیقت تو یہ ہے کہ وہ ریڈیو نہیں بلکہ پرانے قسم کے ٹرانسمیٹر کا ایریل ہے۔" لاری کی گھڑگھڑاہٹ قریب معلوم ہونے لگی تھی۔ اس لئے فریدی نے کار کی رفتار کچھ کم کر دی۔

"آپ نے وہ بات نہیں بتائی جو وحید سے کہی تھی۔" حمید بولا۔

"لاری کی آواز پر کان رکھنا۔" فریدی نے کہا۔

"ہاں تو میں نے بلند آواز میں جولیا کے متعلق گفتگو شروع کر دی۔ میں نے اسے بتایا کہ آج کل پاگل لڑکی میرے قبضہ میں ہے، جو مجھے تار جام کے راستے میں ملی تھی۔ وہ نہ جانے کیسی اوٹ پٹانگ باتیں کرتی ہے۔ کہتی ہے میری صورت بدل گئی ہے۔ کبھی کہتی ہے، مجھے مت مارنا۔ میں تمہیں اپنا غلام سمجھوں گی۔ اپنا پتہ نشان بھی نہیں بتاتی۔ میرا ارادہ ہے اُسے پاگل خانے بجھوا دوں وغیرہ وغیرہ۔"

فریدی تھوڑی دیر چپ رہنے کے بعد پھر بولا۔

"میرا اندازہ قطعی درست نکلا۔ انہوں نے آج ہی اسے غائب کر دیا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ میرے یہاں جولیا کی موجودگی سے ناواقف تھے اور ہاں پھر اس کے بعد میں نے ان پاگلوں کی بات چھیڑ کر کہا کہ پتہ نہیں کیوں آج کل شہر میں پاگلوں کی تعداد بڑھ گئی ہے اور اس میں نہ جانے کیا راز ہے۔"

"وہ تو سب ٹھیک ہے۔" حمید نے کہا۔ "لیکن جولیا کا دوبارہ ان کے ہاتھ لگ جانا بہتر معلوم نہیں ہوتا۔"

"کیوں۔۔۔؟"

"وہ اس سے ساری باتیں اگلوا کر اسے قتل کر دیں گے۔"

"میں جولیا کو اتنا احمق نہیں سمجھتا کہ وہ ساری باتیں اگل دے گی۔"

"آخر آپ اس کے متعلق اتنی خود اعتمادی کے ساتھ کیوں باتیں کر رہے ہیں؟"

"اس لئے کہ وہ بھی اس پلان میں شریک ہے۔"

"کیا مطلب....!" حمید چونک کر بولا۔

"میں نے اسے پہلے ہی سمجھا دیا تھا کہ میں دوبارہ اسے ان لوگوں میں پہنچوانا چاہتا ہوں۔"

"اس نے انکار نہیں کیا۔" حمید نے متعجبانہ انداز میں پوچھا۔

"اسے پوری بات سمجھا دی تھی نا؟ اب وہ ان کے سامنے شاندار اداکاری کا مظاہرہ کرے گی۔"

"کیسی اداکاری۔"

"پاگل پن کی....!" فریدی نے کہا۔

"اور میں نے اسے یہ بھی سمجھا دیا ہے کہ وہ بے چوں و چرا ان کے احکام کی تعمیل کرتی رہے گی۔"

"آپ کچھ کہیں، لیکن مجھے تو اس کی خیریت نظر نہیں آتی۔"

"تم ڈیوٹ ہو.... ابھی کتنے دنوں کی بات ہے کہ تم اسے میری محبوبہ سمجھ بیٹھے تھے۔ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے تھے کہ تمہیں اپنے گھر سے نکلوانے کے لئے اسے اپنے ساتھ لایا تھا۔ اس لئے تمہاری عقل کی تو سند نہیں۔"

"پھر آپ کیوں مجھ جیسے اُلو کو اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔" حمید بگڑ کر بولا۔

"محض اس لئے کہ کوئی مادہ اُلو مل جائے تو تمہارے ساتھ جوڑ دوں۔"

دفعتاً آگے جانے والی لاری کی ہیڈ لائیٹس روشن ہو گئیں اور پچھلی سرخ روشنی بھی نظر آنے لگی۔ وہ رکی ہوئی تھی۔ اگر فریدی پھرتی سے بریک نہ لگاتا تو اس کی کیڈی لاری سے ٹکرا گئی ہوتی۔ اس نے روشنی میں دیکھا کہ ڈرائیور انجن کھولے اس پر جھکا ہوا ہے۔ حمید نے گردن اونچی کی۔ لاری کے اندر بھی روشنی تھی لیکن وہ خالی پڑی تھی۔ فریدی کے ہونٹ بھینچ گئے۔ وہ کار سے اُتر آیا اور ڈرائیور کے قریب جا کر بولا۔

"تم نے بیچ سڑک لاری کیوں کھڑی کر رکھی ہے۔"

"پٹرول ختم ہو گیا ہے صاحب۔" ڈرائیور درشت لہجے میں بولا۔

فریدی کی نظریں لاری کے اندر بھٹک رہی تھیں۔

ہر دا....!

"یہ لاری کس کی ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"میں نہیں بتاتا اور کیوں بتاؤں۔ آپ کون ہیں پوچھنے والے؟"

"ابھی معلوم ہو جائے گا۔" فریدی نے کہا اور ڈرائیور کی سیٹ پر چڑھ گیا۔ اس نے لاری میں لگے ہوئے ریڈیو پر ہاتھ پھیرا جس کا اوپری ڈھکن ایک جگہ ہاتھ لگتے ہی کھٹا کے کے ساتھ زمین پر آ رہا۔

"اوہ ٹرانسمیٹر....!" فریدی نے ڈرائیور کو گھور کر کہا۔ "میری جان تم مجرم ہو۔ اس کا لائسنس ہے تمہارے پاس۔"

ڈرائیور کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

"خبردار ہاتھ اوپر اٹھاؤ....!" فریدی نے اس کا ہاتھ جیب کی طرف جاتے دیکھ کر ریوالور نکال لیا۔ "پیچھے ہٹو....!"

فریدی نیچے اتر آیا۔

"آگے بڑھو....!" وہ اسے اپنی کار کی طرف لے جا رہا تھا۔ دفعتاً کسی طرف سے فائر ہوا اور ڈرائیور چیخ مار کر گر پڑا۔ وہ اوندھے منہ گرا تھا اور اس کی پیٹھ سے خون کا فوارہ ابل رہا تھا۔ فریدی اچھل کر اپنی کار کی اوٹ میں ہو گیا اور اس کے پستول سے بھی ایک شعلہ نکلا۔ پھر اس نے لاری کے اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی۔ حمید بھی دوڑ پڑا تھا۔ فریدی نے بیٹھے بیٹھے دوسرا فائر کیا لیکن لاری چل پڑی تھی۔

فریدی نے اپنی کار اس کے پیچھے لگا دی۔ لیکن تھوڑی دور گیا تھا کہ پورا جنگل فائروں سے گونجنے لگا۔ ایک گولی کار کے شیشے سے بھی ٹکرائی۔ فریدی بال بال بچا۔ لیکن حمید کی پیشانی شیشے کے ٹکڑوں سے زخمی ہو گئی۔ اگر اس نے سر نہ جھکا لیا ہوتا تو شاید آنکھوں ہی سے ہاتھ دھو بیٹھتا۔ پھر کیڈی کے دونوں پچھلے ٹائر زور دار دھماکوں کے ساتھ پھٹ گئے۔ فریدی نے پھرتی سے کار روکی اور پھر حمید کا ہاتھ پکڑ کر جھاڑیوں میں کود گیا۔ ابھی تک برابر فائر ہو رہے تھے۔ پھر انہوں نے جھاڑیوں کی اوٹ سے دیکھا کہ چار پانچ متحرک سائے آہستہ آہستہ کار کی طرف بڑھ رہے تھے۔

"خبردار....!" انہوں نے ایک آواز سنی۔ "اپنا ریوالور باہر پھینک دو۔"

انہوں نے خالی کار کو اپنے نرغے میں لے لیا اور شاید ان کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں۔

"یار بڑی چوٹ ہو گئی۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "لیکن وہ لوگ بھی کیا یاد کریں گے۔"

دوسری طرف سڑک پر وہ لوگ ٹارچ کی روشنی میں کار کا جائزہ لے رہے تھے۔ ان کے چہرے سیاہ نقابوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔

"کیوں کیا کہتے ہو؟" فریدی نے کہا۔ "بنا دوں ان کی حجامت....؟"

"میرے خیال میں چپ چاپ چلئے۔" حمید بولا۔ "اب تو کار بھی بے کار ہو چکی ہے۔"

"بہر حال بڑی زبردست چوٹ ہو گئی ہے۔ سوچ رہا ہوں کہ آج سے میں بھی اپنا شمار احمقوں میں کروں۔"

"بہت پہلے سوچنی تھی یہ بات۔" حمید منہ بنا کر بولا۔ "یہ شکست بھی زندگی بھر یاد رہے گی۔"

"تلاش کرو۔" کار کے قریب کھڑے ہوئے آدمیوں میں سے ایک نے گرج کر کہا۔ دونوں دور تک گھنی جھاڑیوں میں گھستے چلے گئے۔

"گھبراؤ نہیں فرزند۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "یہ جنگل میرا جانا بوجھا ہے۔"

ایک گولی ان کے سروں پر سے سنسناتی ہوئی نکل گئی اور پھر سارا جنگل رائفلوں کی آواز سے گونج اٹھا۔

فریدی نے پھر ریوالور نکال لیا۔

"کیا کر رہے ہیں آپ۔" حمید اس کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔ "مفت میں جان دینے سے کیا فائدہ۔"

"عادت.... مجبور ہوں۔ گولیوں کی آواز سن کر طبیعت بے قابو ہو جاتی ہے۔"

"خدارا میرے اور اپنے ہونے والے بال بچوں پر ترس کھایئے۔"

"چپ....!" فریدی نے کہا اور آوازوں کی طرف فائر کر دیا۔ ایک چیخ سنائی دی اور فریدی بڑبڑایا۔ "ہات تیرے کی۔"

پھر اس نے حمید کا ہاتھ پکڑ کر دوڑنا شروع کر دیا۔

دفعتاً فریدی نے ایک زور دار چیخ ماری اور راستہ کاٹ کر جھاڑیوں کے دوسرے سلسلے میں گھس گیا۔

"کیا ہوا....!" حمید گھبرا کر بولا۔

"چلے آؤ چپ چاپ۔ اُلو کہیں کے۔" وہ ہنس رہا تھا۔



دوسری دن صبح حمید بہت زیادہ بور نظر آ رہا تھا۔ پچھلی رات کی بد حواسیاں ابھی تک اس کے ہن پر چھائی ہوئی تھیں۔ وہ دونوں بھاگم بھاگ پیدل چل کر گھر تک پہنچے۔ حمید تو دو ایک جگہ گرا ی تھا اور چوٹیں بھی کھائی تھیں۔ لیکن وہ سب معمولی تھیں۔

فریدی کا موڈ زیادہ خراب تھا۔ شاید یہ اس کی زندگی میں پہلا موقع تھا کہ اس نے بُری طرح ست کھائی تھی۔ وہ چپ چاپ ایک آرام کرسی پر آنکھیں بند کئے لیٹا تھا۔ کچھ دیر قبل اس نے ک کپ کافی منگوائی تھی، جو رکھے ہی رکھے ٹھنڈی ہو گئی تھی۔ ادھ جلا سگار اس کی انگلیوں میں دبا وا تھا اور اب اس میں سے دھوئیں کی لکیر بھی نہیں نکل رہی تھی۔

"اب ایشیا کا شرلاک ہومز کیا سوچ رہا ہے۔" حمید نے بیٹھے بیٹھے چٹکی لی۔

فریدی نیم باز آنکھوں سے دیکھنے لگا۔ اس کے ہونٹوں پر کچھ اس قسم کی مسکراہٹ تھی جیسے ہ اس وقت مسکرانے میں بھی کاہلی محسوس کر رہا ہو۔

"مجھے شرلاک ہومز کہہ کر میری توہین نہ کرو۔" اس نے مضمحل آواز میں کہا۔

"حرکت تو آپ سے اسی قسم کی سرزد ہوئی ہے اور اب دل چاہتا ہے کہ آپ کو آرام کرسی الے سراغ رساں کا خطاب دیا جائے۔"

"دل کھول کر کہہ لو فرزند ارجمند.... میں بھی انسان ہی ہوں۔ آخر تم مجھ سے غلطی کی توقع کیوں نہیں رکھتے۔"

"تو بہر حال آپ کو اپنی غلطی کا احساس ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"تم اس طرح پوچھ رہے ہو جیسے تم نے سچ مچ میری غلطی پکڑ لی ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اچھا یہ بتاؤ کہ میں نے غلطی کہاں پر کی ہے۔"

"آپ تو اس طرح کہہ رہے ہیں جیسے وہ کوئی بڑی ڈھکی چھپی غلطی ہو۔"

"بتاؤ نا آخر....!" فریدی نے بجھا ہوا سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ اب وہ کرسی پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا تھا اور اس کے چہرے سے کاہلی اور تھکن کے آثار بالکل غائب ہو گئے تھے۔

"کسی چھ سال کے بچے سے رجوع فرمایئے۔" حمید منہ بنا کر بولا۔

"میں تمہیں اس سے زیادہ نہیں سمجھتا۔"

"اچھا تو چھلکال....!" حمید تلملا کر بولا۔ "آپ نے جولیا کو ان کے حوالے کل کے بلی بھاری غلطی کی ہے۔"

"خدا کی قسم ایک سال کا بچہ بھی یہی کہتا۔"

حمید منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"میں نے دراصل جمشید سے مل کر بڑی غلطی کی ہے۔" فریدی سنجیدگی سے بولا۔

مجھے اس سے نہ ملنا چاہئے تھا اور پھر آرتھر کے تذکرے نے انہیں بہت بُری طرح چونکا دیا ہوگا۔ بہت ممکن ہے کہ اس سے ضرغام کو اپنی خطرناک پوزیشن کا خیال بھی آ گیا ہو۔ ایک گھونسے میں کسی کا سر پھوڑ دینا بڑی حیرت انگیز حرکت ہے۔ اس قسم کے واقعات ساری زندگی یاد رہتے ہیں۔ ضرغام کو کم از کم اس کے متعلق تو یقین ہو گیا ہوگا کہ جولیا نے اس کا تذکرہ مجھ سے ضرور کیا ہوگا۔ لاری کا اس طرح خالی ہو جانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ضرغام تو کم از کم میری اسکیم سے واقف ہو گیا تھا اور وہ لاری.... مجھے دھوکہ دینے کے لئے شروع ہی سے خالی رکھی گئی تھی۔ جولیا کو وہ لوگ کسی اور راستے سے لے گئے، لیکن انہوں نے غلطی سے اس میں ٹرانسمیٹر لگا رہنے دیا ورنہ انہیں اتنی گولیاں بھی برباد نہ کرنی پڑتیں اور میں سیدھا سادھا اُلو بنا ہوا گھر واپس آ جاتا۔

حمید خاموش بیٹھا اس کی طرف دیکھتا رہا۔

"بہر حال اب جولیا کی خیریت نظر نہیں آتی۔" حمید مضطربانہ انداز میں بولا۔

"اب میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔" حمید نے کہا۔

"تو پھر اب کیا کریں گے۔"

"ضرغام کی نگرانی جاری ہے۔" فریدی تھوڑی دیر کے بعد بولا۔ "مفت میں ایک دوسرا خون اور ہوا۔ میری گولی ٹھیک نشانہ پر بیٹھی تھی۔"

"مگر وہاں جنگل میں کوئی لاش نہیں ملی۔ حتیٰ کہ خون کے دھبے بھی مٹا دیئے گئے ہیں۔"

"آپ کو کس طرح معلوم ہوا۔" حمید نے کہا۔

"بیوقوف آدمی میں تمہاری طرح سوتا نہیں رہا۔ آخر گاڑی کی تلاش میں بھی تو جانا ہی تھا۔"

"تو کیا وہ مل گئی۔" حمید نے پوچھا۔

"قطعی مل گئی ہے۔"

"کہاں ہے۔"

"گیراج میں۔"

"اتنی جلدی لائے کس طرح۔ اس کے تو دونوں ٹائر پھٹ گئے تھے۔" فریدی ہنسنے لگا۔

"آؤ میرے ساتھ....!" فریدی اٹھتے ہوئے بولا۔

وہ اسے گیراج میں لایا۔ کیڈی وہیں کھڑی تھی۔ اس کے دونوں ٹائر بالکل صحیح و سالم تھے۔

"ارے....!" حمید کی نظریں بے ساختہ ونڈاسکرین کی طرف اٹھ گئیں۔ "یہ ٹوٹ گیا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے اور اس کے ٹکڑوں سے میری پیشانی زخمی ہوئی تھی۔"

"قطعی ٹوٹ گیا تھا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"پھر اتنی جلدی۔"

"حمید صاحب وہ بڑے ذہین لوگ ہیں۔" فریدی نے قہقہہ لگایا۔

"یہ مجھے اسی جگہ اسی حالت میں ملی ہے۔"

"آپ مذاق کر رہے ہیں۔"

"مگر اس پر ٹائر بھی چڑھا دیئے گئے ہیں۔"

"تب تو یقیناً وہ لوگ پاگل ہیں۔ جولیا ٹھیک کہتی ہے۔"

"وہ تو نہیں لیکن تم ضرور پاگل ہو۔"

"کیوں....!"

"انہوں نے میرے منہ پر وہ چانٹا مارا ہے کہ زندگی بھر یاد رہے گا۔"

حمید متحیرانہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"انہوں نے کل رات کے حادثہ کا کوئی ثبوت نہیں چھوڑا۔" فریدی پرخیال انداز میں بولا۔ لہٰذا میں سرکاری طور پر اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔ حد ہو گئی۔ بعض درختوں کے تنے چھلے ہوئے نظر آتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس طرح انہوں نے ان پر لگی ہوئی گولیوں کے نشانات مٹائے ہیں اور نشانات کچھ اس قسم کے بنائے گئے ہیں جیسے کسی نے درختوں کی گوند اکٹھا کرنے کے لئے ان کے تنے چھیل دیئے ہوں۔ حمید صاحب بڑا منظّم گروہ ہے بلکہ اسے بین

الاقوامی گروہ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کیونکہ ہنگری میں انہوں نے شومان نامی آدمی سے کام لیا تھا۔"

حمید بُری طرح چکرا گیا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ فریدی اس طرح شکست کھائے گا اور اس شکست کے افسوس سے زیادہ اسے جولیا کے انجام کا خیال ستا رہا تھا۔ ان لوگوں نے اسے زندہ نہ چھوڑا ہو گا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر فریدی کو اسے دوبارہ ان لوگوں تک پہنچانا تھا تو اس کے لئے خود اس کا گھر موزوں نہیں تھا۔ کسی اور ذریعہ سے بھی یہ کام بہ آسانی ہو سکتا ہے۔ اسے گھومنے پھرنے کے لئے بالکل آزاد چھوڑ دیا جاتا اور پھر اس طرح وہ ان لوگوں تک پہنچ ہی جاتی کیونکہ ان کے آدمی سارے شہر میں بکھرے ہوئے تھے۔ اس صورت میں پردہ نشین عورتوں کے نقاب بھی نہ نوچے جاتے۔"

"تو اب فی الحال آپ کے ذہن میں کوئی سکیم نہیں۔" حمید نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"فی الحال میرا ذہن کسی جھیل کی سطح کی طرح صاف ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اور اس پر رنگین خیالات کی سبک رفتار بطخیں تیر رہی ہیں۔"

"آپ جیسا اذیت پسند بھی آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا۔" حمید منہ بنا کر بولا۔

"زندگی میں ایسے بے شمار واقعات پیش آتے ہیں۔" فریدی نے پرسکون لہجے میں کہا۔ "اگر آدمی ہر ایک پر مغموم ہو کر بیٹھ جائے تو اسے میر تقی میر یا فانی بدایونی کہیں گے۔"

"آپ کے لہجہ میں سفاکی ہے۔" حمید نے کہا۔ "مجھے اس بے چاری....!"

"مجھے بھی اس سے ہمدردی ہے۔" فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔

"لیکن تم ہی بتاؤ کہ ایسی صورت میں کیا ہو سکتا ہے۔"

"اس کی حفاظت....!" حمید بولا۔

"اس کی طرف سے تو میں قطعی مطمئن ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"نہ جانے آپ کس بناء پر مطمئن ہیں۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"یہ نہ بھولو کہ اسے اس کام کے لئے ہنگری سے لایا گیا تھا۔ بھلا ہنگری ہی کیوں یورپ کا کوئی اور ملک کیوں نہیں اور انہوں نے تفریحاً یا محض تجربے کے لئے اس کی شکل تبدیل کی تھی تو اس کے لئے اتنے لمبے سفر کی کیا ضرورت تھی۔ یہیں سے کسی لڑکی کو پکڑ لیتے۔ کسی بدصورت لڑکی کو جسے اپنی بدصورتی کا غم رہا ہوتا۔ بدصورت لڑکیاں عموماً اپنی بدصورتی پر مغموم رہا کرتی

ہیں کوئی نہ کوئی اس قسم کی بدصورت لڑکی نہایت آسانی سے اس تجربے کے لئے تیار ہو جاتی۔"

حمید خاموشی سے فریدی کی طرف دیکھتا رہا۔ فریدی کی یہ دلیل اس کے ذہن میں جڑ پکڑنے لگی۔ وہ خود سوچ رہا تھا کہ وہ لڑکی ہنگری سے کیوں لائی گئی۔

"بہر حال....!" فریدی بولا۔ "وہ قطعی محفوظ ہے اور میری ہدایت کے مطابق وہ ان کے پروگرام پر عمل کر رہی ہو گی۔"

"وہ سب کچھ بے چون و چرا سیکھ رہی ہو گی، جو وہ اُسے سکھانا چاہتے ہیں۔" حمید سوالیہ انداز میں بولا۔

"اچھا تو کیا اب تک تم انہیں پاگل ہی سمجھ رہے ہو۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ بدستور خیالات میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس سازش کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ بہتیری سازشوں سے اس کا سابقہ پڑ چکا تھا۔ لیکن ایسی سازش سے دوچار ہونے کا پہلا اتفاق تھا اور وہ تذبذب میں تھا کہ اس سازش کا پتہ لگانے میں کامیاب بھی ہو سکیں گے یا نہیں۔ سب سے زیادہ الجھن اسے اس بات کی تھی کہ ابھی تک اس کیس کی کوئی سرکاری حیثیت نہیں تھی۔ ناشتے کی میز پر وہ دونوں خاموش رہے اور آفس جاتے وقت راستے میں بھی ان میں کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔ فریدی کے ماتھے پر سلوٹیں ابھری ہوئی تھیں اور وہ بار بار کیڈی کے سیٹ پر پہلو بدل رہا تھا۔ حمید کو یاد نہیں پڑ رہا تھا کہ وہ خود اپنی زندگی میں کبھی اتنا سنجیدہ ہوا ہو۔ اسے صحیح معنوں میں جولیا سے ہمدردی تھی۔ اکثر راتوں میں جب وہ کروٹ لیتے وقت کراہتی تو اس کے ذہن میں کوڑے کے نیلے اور سیاہ داغ ابھر آتے۔ ایک رات اس نے اسے بے خبری میں روتے سنا تھا جب وہ جگائی گئی تو اس نے یہ سن کر ہنسنا شروع کر دیا تھا کہ وہ نیند میں رو رہی تھی۔ حمید کو اس وقت ایسا لگا جیسے کسی نے اس کے دل پر گھونسہ مار دیا ہو۔ کتنی خوش مزاج لڑکی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ اپنی اصل شکل میں اور زیادہ حسین لگتی رہی ہو۔ اس کے ساتھ کتنی بڑی ٹریجڈی ہوئی تھی لیکن وہ پھر بھی ہنستی تھی۔ بے تحاشہ قہقہے لگاتی تھی اور ہنستے وقت شاید یہ بھول جاتی کہ وہ اپنے وطن سے کالے کوسوں دور پڑی ہوئی انجانے حادثات کے تھپیڑوں میں ادھر اُدھر بہتی پھر رہی ہے۔

حمید نے ایک سسکی سی لی اور کھڑکی پر سر ٹیک کر آنکھیں بند کر لیں۔ آفس میں پہنچ کر وہ دونوں اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔ حمید کی میز فریدی کی میز سے کچھ فاصلے پر تھی۔ وہ سر جھکائے

فائلوں میں دیکھ رہا تھا۔ لیکن اس کے ماتھے پر ابھری ہوئی سلوٹیں اور آنکھوں کی بے چینی صاف بتا رہی تھی کہ اس کا ذہن فائلوں سے کہیں دور بھٹک رہا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک چپڑاسی فریدی کی میز پر فائل رکھ گیا جس پر اشد ضروری کی سلپ لگی ہوئی تھی۔ فریدی نے دوسرے فائل الگ رکھ دیئے اور نئے آئے ہوئے فائلوں کی ورق گردانی کرنے لگا۔ دفعتاً حمید نے اسے بے تحاشہ چونکتے ہوئے دیکھا۔

"اوہ میرے خدا....!" فریدی کے منہ سے بے اختیار نکلا اور فائل بند کرنے کے بعد سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ وہ خالی نظروں سے حمید کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ایسی ویرانی حمید نے اس کی آنکھوں میں پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ اس کے سارے جسم میں خوف کی ٹھنڈی لہر دوڑ گئی۔ قبل اس کے کہ وہ فریدی کو مخاطب کرتا۔ فریدی فائل اٹھا کر تیزی سے باہر نکل گیا۔ پھر حمید نے اسے ڈی آئی جی کے کمرے میں جاتے دیکھا۔ حمید اس کے غیر متوقع رویہ کے متعلق الجھن میں پڑ گیا۔ اس نے کبھی فریدی کو اتنے تحیر کے عالم میں نہیں دیکھا تھا۔ حمید بے چینی سے اس کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔ فریدی واپس آیا تو اس کے چہرے سے فکر مندی کے سارے اثرات دور ہو چکے تھے اور اس کی آنکھوں میں پہلے جیسی خود اعتمادی کی جھلک نمایاں تھی۔

"آؤ چلیں۔" وہ حمید کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ وہ فائل ابھی تک اس کی بغل میں دبا ہوا تھا۔

"کہاں؟ اور یہ فائل؟"

"ہم گھر چل رہے ہیں۔" فریدی نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ حمید چپ چاپ اس کے پیچھے ہو لیا۔ اس کی الجھن اور بڑھ گئی۔

"میں تمہیں خوش نظر آ رہا ہوں نا....!" فریدی نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے حمید سے پوچھا۔ سوال بڑا عجیب سا تھا۔ بہر حال حمید صرف بے دلی سے سر کو ہلا کر رہ گیا۔ "میں تمہیں کچھ بے وقوف بھی معلوم ہو رہا ہوں گا۔"

"میں اس وقت ہنسنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔" حمید بے زاری سے بولا۔

"افوہ.... میں آج تمہاری زبان سے یہ کیا سن رہا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "کہیں میں خوشی کے مارے عقل مند نہ ہو جاؤں۔"

"آخر آپ یک بیک چہکنے کیوں لگے؟" حمید نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"مجھے اپنی شکست پر رونا نہیں آتا۔" فریدی نے کہا۔ "کیونکہ وہ میری ہی طرح ہیں۔ اگر ے ہونٹ سور کی تھوتھنی جیسے ہوتے تو میں انہیں کاٹ کر پھینک نہ دیتا۔"

"تو اس وقت تو آپ کسی علامہ دل جلے ادیب کی سی باتیں کر رہے ہیں۔"

"حمید بیٹے میں دنیا کا احمق ترین آدمی ہوں۔"

"کتنی بار دہرایئے گا۔ مجھے یقین ہو گیا ہے۔" حمید نے ہنس کر کہا۔ "لیکن میں اس وقت وجہ ا پوچھوں گا۔"

"تم پوچھو یا نہ پوچھو....! اس وقت میں اپنی حماقتوں کا قصیدہ پڑھنے کیلئے بے تاب ہوں۔"

"شاید آج آپ نے بھی کچھ شوق فرمایا ہے۔"

"نہیں پیارے میں نشے میں نہیں ہوں، بلکہ اس پیلے عقاب کی حیثیت مجھ پر روشن ہو گئی ہے۔"

"کیا مطلب....!" حمید یک بیک سنجیدہ ہو کر بولا۔

"پیلا عقاب بوہیمیا کے خاندان کے امتیازی نشان ہے۔"

"یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا تھا۔"

"یہ تو مجھے پہلے ہی معلوم تھا۔ لیکن میرے ذہن نے اتنی لمبی جست لگانے سے انکار کر دیا۔ لانکہ جولیا کا ہنگری سے تعلق ہونا اس کے سو فیصدی امکانات پیدا کر رہا تھا۔ مگر انسانی ذہن ہے ھوکہ کھا ہی گیا۔"

"آخر آپ صاف کیوں نہیں بتاتے۔"

"اس فائل کو دیکھو....!" فریدی نے کہا۔

حمید فائل کھولتے ہی اچھل پڑا۔ اس کی نظریں ایک تصویر اور اس کے نیچے کی تصویر پر جمی ہوئی تھیں۔

"ارے یہ تو جولیا ہے۔" وہ بے ساختہ بولا۔ "مگر.... مگر....!"

"جی نہیں....!" فریدی کے ہونٹوں پر ایک خشک سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ "بوہیمیا کی شہزادی بورازیانہ۔"

"مگر یہ تو جج.... جولیا....!" حمید پھر ہکلایا۔

"نہیں جناب بوہیمیا کی شہزادی بورازیانہ۔" فریدی ہونٹ سکیڑ کر بولا۔ "جولیا کو اس کا ہم

شکل بنایا گیا ہے۔ آگے دیکھو اس کے باپ کی تصویر ہے، جو بوہیمیا کا موجودہ حکمران ہے۔"

"میں سمجھ گیا.... بالکل سمجھ گیا۔" حمید بے اختیار چیخ پڑا۔

"کیا سمجھ گیا....؟"

"اصلی شہزادی بورازیانہ کو غائب کر کے اس کی ہم شکل جولیا کو نقلی شہزادی بنایا جائے گا۔"

"یہ تو میں بھی سمجھ گیا ہوں۔" فریدی نے پر خیال انداز میں کہا۔ "لیکن اس میں کئی زبردست گتھیاں ہیں جن کا سلجھانا فی الحال بہت مشکل نظر آتا ہے۔ ٹھہرو جلدی نہ کرو۔ گھر پہنچ کر اطمینان سے گفتگو کریں گے۔ ابھی بہت وقت ہے۔"



گھر پہنچ کر فریدی نے باورچی سے کافی بنانے کو کہا اور غسل کرنے چلا گیا۔ حمید کی جھنجھلاہٹ پھر بڑھ گئی۔ وہ اس موقع پر زیادہ سے زیادہ باتیں کرنا چاہتا تھا۔ آخر اس معاملے کے صاف ہو جانے کے باوجود کون سی گتھیاں باقی رہ جاتی ہیں جن کا سلجھانا فریدی کی دانست میں آسان نہیں۔ فریدی غسل سے فارغ ہو کر ناشتے کی میز پر جم گیا۔ کافی تیار ہو چکی تھی۔ کیتلی سے اٹھنے والی بھاپ کے ساتھ ساتھ اس کی ہلکی ہلکی خوشبو کمرے میں پھیل رہی تھی۔ فریدی نے ایک کپ حمید کے آگے سرکا دیا۔ اس کے انداز سے ایسا ظاہر ہو رہا تھا جیسے اس نے کچھ دیر قبل کوئی اہم بات ادھوری نہیں چھوڑی تھی۔

حمید کا غصہ تیز ہو گیا۔ فریدی اس کی طرف کنکھیوں سے دیکھ کر مسکرا دیا۔

"اب اس دزدیدہ نگاہی میں جان نہیں رہ گئی۔" حمید جل کر بولا۔

"ایسا نہ کہو ورنہ میرا دل ٹوٹ جائے گا۔" فریدی نے خاص رومانی انداز میں کہا۔

"میں کہتا ہوں وہ گتھیاں۔"

"میں پوچھتا ہوں تم نے فائل کا مطالعہ کیا ہے یا نہیں۔"

"کر لیا....!"

"کیا سمجھے....!"

"وہی جو کچھ پہلے کہہ چکا ہوں۔"

"اس کے علاوہ کوئی قابل اعتراض بات۔"

"کوئی نہیں....!" حمید نے جھنجھلا کر کہا۔

"تب تو تم پر ہزار بار پھٹکار....!" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "میں تمہیں اتنا بدھو نہیں سمجھتا تھا۔ آخر تمہارے والدین نے تمہارا نام اُلو کیوں نہیں رکھا۔"

"بدنصیبی ہے آپ کی۔"

"نہیں میں اکثر سنجیدگی سے اس بات پر غور کرتا ہوں کہ تم روز بروز گاؤدی کیوں ہوتے جا رہے ہو۔"

"اس مسئلے پر پھر کبھی غور کر لیجئے گا۔" حمید ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"خیر کافی پیو ورنہ ٹھنڈی ہو جائے گی.... ذرا ادھر سے سگار اٹھا دینا۔"

فریدی نے تھوڑے توقف کے بعد سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ "جب کہیں کا کوئی بادشاہ یا حاکم کسی دوسرے ملک جاتا ہے تو اس کے استقبال کی کتنی تیاریاں ہوتی ہیں اور تم نے کبھی کسی مملکت کے وزیراعظم یا بادشاہ کے متعلق یہ نہیں سنا ہو گا کہ اس نے کسی دوسرے ملک کی حکومت سے یہ استدعا کی ہو کہ اس کی آمد کو راز میں رکھا جائے۔ نہ تو اخبارات میں خبریں شائع ہوں اور نہ ان کی تصاویر، استقبال بھی نہ کیا جائے۔"

"واقعی ایسا کبھی سننے میں نہیں آیا۔" حمید نے کہا۔

"تم نے فائل کا مطالعہ کیا ہی نہیں۔" فریدی اسے گھورتے ہوئے بولا۔ "شروع سے اب تک بورازیانہ کی تصویر دیکھتے رہے۔ نہ جانے کب آدمی بنو گے یار۔ اب میں تمہیں سچ مچ کتوں کے ساتھ باندھنا شروع کر دوں گا۔"

"اس وقت آپ پر اتنی عقلمندی کیوں سوار ہو گئی ہے۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "اپنا بیان جاری رکھیے۔"

"اوہو یہ انداز۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "خیر تم نے فائل کا مطالعہ نہیں کیا۔ بوہیمیا کا بادشاہ اپنی لڑکی سمیت اس طرح ہمارے ملک میں داخل ہو رہا ہے۔ مقصد سیر و سیاحت ہے۔ اس رازداری کے لئے اس نے جو عذر لنگ پیش کیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ پریس کے نمائندوں کی بھیڑ بھاڑ سے گھبراتا ہے۔ سیر و سیاحت میں وہ استقبال جیسے رسمی ڈھکوسوں کا قائل نہیں، ایسے موقعوں پر وہ ایک معمولی انسان کی طرح لطف اٹھانا چاہتا ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔" حمید نے کہا۔ "بہتیرے بڑے آدمی یہی چاہتے ہیں۔"

"چاہتے ہوں گے۔" فریدی بجھا ہوا سگار سلگا کر بولا۔ "لیکن بیسویں صدی کے بادشاہوں میں اس کی مثال نہیں ملتی۔"

"مگر دنیا کا ہر انسان چاہے چھوٹا ہو چاہے بڑا ہو بعض اوقات یہی چاہتا ہے کہ وہ دنیا کی ہر دلچسپی میں دل کھول کر آزادی سے حصہ لے سکے۔ ممکن ہے وہ آج کل عام ذہنی سطح پر آ گیا ہو۔" حمید نے کہا۔

"قطعی ناممکن ہے۔ ذہنی سطح اور چیز ہے۔ اسے بعض اوقات خیالات ہی تک محدود رہنا پڑتا ہے۔ بعض مجبوریاں اسے عملی جامہ نہیں پہننے دیتیں۔ بادشاہوں کے ساتھ جان کا خوف بھی تو لگا رہتا ہے۔"

"تو گویا آپ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ بادشاہ بھی نقلی ہے۔"

"میں یہ قطعی ثابت نہیں کرنا چاہتا۔" فریدی نے کہا۔

"اصلی ہو یا نقلی اسے جان کا خوف تو ہونا ہی چاہیئے۔"

"دوسری بات....!" حمید اپنے پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔

"ممکن ہے اسے اس سازش کا علم ہو گیا ہو۔ اس لئے اس نے احتیاطی اقدام کے طور پر اپنی آمد کو راز میں رکھنے کی استدعا کی ہو۔"

"کوڑی زیادہ دور کی نہیں لائے۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "اگر اسے سازش کا علم ہو گیا تھا تو وہ یہاں آیا ہی کیوں اور پھر اس نے یہ استدعا قاہرہ کے دوران قیام کی ہے، وہ اپنے ملک سے روانگی کے بعد قاہرہ میں بھی ٹھہرا ہے اب یہ بتاؤ کہ اس نے یہ استدعا اپنے ملک سے روانگی کے وقت کیوں نہیں کی تھی ہاہا....ہا....!"

"اس سے تو میرے نظریئے کو تقویت پہنچتی ہے۔" حمید میز پر ہاتھ مار کر بولا۔

"یعنی....!"

"یعنی یہ کہ اسے اس سازش کا علم قاہرہ کے دوران قیام میں ہوا۔"

"تب تو اسے وہیں سے واپس لوٹ جانا چاہیئے تھا۔" فریدی نے کہا۔

"تم سچ مچ بعض اوقات بچوں کی سی باتیں کرنے لگ جاتے ہو۔ ارے میاں اگر وہ اس سازش

لم ہو جانے کے بعد بھی یہاں آ رہا ہے تو اس سے بڑا پاگل شاید روئے زمین پر نہ مل سکے اور پھر سری بات یہ کہ اگر اس پر سیر و سیاحت کا بھوت اس طرح سوار تھا تو اس نے یہ خواہش کیوں کی ، کہ اس کے لئے مخصوص انتظامات نہ کئے جائیں۔ ایسی صورت میں تو اسے اپنی حفاظت کے ے فوج کا ایک پورا دستہ مانگنا چاہیئے تھا۔"

حمید سچ مچ چکرا کر رہ گیا۔

فریدی کے دلائل بہت وزنی تھے، لیکن وہ تو بادشاہ کے نقلی ہونے کے متعلق بھی کوئی بات ق کے ساتھ کہنے سے انکار کر چکا تھا۔ پھر آخر اس گورکھ دھندے کا کیا مطلب؟

حمید کو خاموش دیکھ کر فریدی ہنس پڑا۔

"یہ معاملہ اتنا سیدھا سادا نہیں ہے جتنا تم سمجھتے ہو۔" اس نے دوسری پیالی لبریز کرتے ئے کہا۔ "اور پیو ابھی کافی وقت ہے۔"

"کیسا وقت....!" حمید نے کہا۔

"ان کا جہاز یہاں اب چار بج کر پچیس منٹ پر پہنچ رہا ہے۔"

"آج ہی؟" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں....ابھی تین گھنٹے باقی ہیں۔ فکر مت کرو۔"

"تو آپ کیا کریں گے؟"

"پھر وہی احمقوں کی سی باتیں، ارے یہ فائل میرے سپرد کیوں کیا گیا ہے۔"

"تو گویا قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند....!" حمید نے ہونٹ بھینچتے ہوئے کہا۔

"قطعی....!" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "ان کی محافظت ہمارے ہی ذمے آ پڑی ہے۔"

"مگر انہوں نے تو استدعا کی ہے۔"

"کی ہو گی۔" فریدی نے کہا۔ "ہماری حکومت ان کی طرف سے مطمئن نظر نہیں آتی۔"

"کیا کیا قلابازیاں کھائی ہیں....اس کیس نے بھی۔"

"دیکھو ابھی اور کتنی کھاتا ہے۔"

"سچ مچ عقل چکرا گئی ہے۔"

اگر میں نے پہلے عقاب کو صحیح معنوں میں اہمیت دی ہوتی تو بہتیری گتھیاں اسی وقت سلجھ جاتیں۔"

"وہ کس طرح۔" حمید نے پوچھا۔

"قومی اور خاندانی نشان کی انسائیکلو پیڈیا میں' میں نے اس کے متعلق پہلے ہی دیکھ لیا تھا۔ کاش مجھے یہ بھی معلوم ہوتا کہ بوہیمیا کی آئندہ حکمران لڑکی ہوگی۔ بورازیانہ کا نام میں نے جولیا کی زبانی سنا تھا لیکن نہ جانے کیوں میں نے اسے اہمیت نہ دی۔"

"تعجب ہے کہ آپ اتنا بھی نہیں جانتے تھے۔"

"تو گویا آپ جانتے تھے۔" فریدی نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

"میں بھلا کیا جانتا۔ میں تو ٹھہرا ایک گاؤدی۔"

"اور میں کونن ڈائیل کے مضحکہ خیز جاسوس شرلاک ہومز کی طرح ہمہ داں ہوں، جو آنکھ بند کر کے اور سڑا سا پائپ منہ میں دبا کر ساری دنیا کے حالات بتا دیا کرتا تھا۔"

"پھر بھی آپ کو اتنا تو معلوم ہونا چاہئے تھا۔"

"بوہیمیا جیسے بہتیرے پس ماندہ ملکوں کے متعلق میں بھی کچھ نہیں جانتا۔"

"تب آپ ایک اچھے سراغ رساں نہیں بن سکتے۔" حمید اسے تاؤ دلانے لگا۔

"شکریہ....!" فریدی ہنس کر بولا۔ "اب میں ایک اچھا سراغ رساں بننے کی کوشش کروں گا۔ اچھا بھئی.... اب اٹھو، چلنے سے پہلے ہم تھوڑا سا میک اپ بھی کریں گے۔ کیونکہ وہاں ضرغام کے آدمی ضرور ہوں گے۔"

"مگر افسوس ہے کہ آپ بوہیمیا....!" حمید اٹھتے ہوئے بولا۔

فریدی ہنس پڑا۔

"ہنسنے کی بات نہیں واقعی افسوس معلوم ہوتا ہے۔"

"افسوس تو مجھے بھی ہے جلدی کرو۔"

دونوں نے اپنی شکلیں تبدیل کیں۔ آنکھوں پر تاریک شیشوں کے چشمے لگائے اور ایک ٹیکسی کر کے ہوائی اڈے کی طرف روانہ ہوگئے۔ ابھی ساڑھے تین بجے تھے اور جہاز آنے میں پچیس منٹ کی دیر تھی۔ یہ لوگ سب سے پہلے مسافروں کے کمروں کی طرف گئے جن میں بہت زیادہ بھیڑ نہیں تھی۔ فریدی متجسسانہ انداز میں ہر ایک کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ پھر تھوڑی دیر بعد وہ باہر نکل آئے۔

"ابھی تو خیریت نظر آئی ہے۔" فریدی نے کہا اور پھر کچھ سوچنے لگا۔ جہاز کی آمد میں ف پچیس منٹ باقی رہ گئے تھے۔

"کیا وہ کسی خاص ہوائی جہاز سے آرہے ہیں؟" حمید نے پوچھا۔

"نہیں ایک معمولی مسافر بردار جہاز ہے۔ کہہ تو دیا کہ وہ معمولی آدمیوں کی طرح آرہے ہیں۔"

"نہ جانے کیا راز ہے۔"

"جو کچھ بھی ہو ظاہر ہو جائے گا۔" فریدی نے کہا۔ "اور میرا خیال ہے کہ وہ کسی ہوٹل میں ہریں گے۔ حمید صاحب اگر انہیں اس سازش کا علم ہو گیا ہوتا تو کسی ہوٹل میں تو کبھی نہ ٹھہرتے۔"

"بہرحال ان دونوں کی شخصیتیں بھی بڑی پراسرار ہیں۔"

"مسافروں کا استقبال کرنے کے لئے لوگ جمع ہو رہے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن ان میں زیادہ تر عورتیں ہی نظر آتی ہیں۔ مردوں میں صرف ہوائی اڈے کے عملہ ے لوگ معلوم ہوتے ہیں۔"

"تو کیا آپ ضرغام یا اس کے ساتھیوں کی تلاش میں ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"شاید....!"

"لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ ان کی آمد سے باخبر ہوں۔ قاہرہ سے اس قسم کی ہدایت یا ستدعا کرنے کا مطلب تو یہی ہو سکتا ہے کہ بوہیمیا سے چلتے وقت ان کا پروگرام نہیں تھا۔ ورنہ وہ ں کی استدعا کرتے میرا خیال تو یہی ہے کہ ضرغام وغیرہ اس سے باخبر نہیں۔"

"ممکن ہے۔ تمہارا خیال صحیح ہو۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

تھوڑی دیر کے بعد ڈچ ایئر لائن کا دیو پیکر مسافر بردار جہاز فضا میں چکر کاٹتا ہوا دکھائی دیا اور پھر نیچے اُتر آیا۔ مسافر اترنے لگے۔ استقبال کرنے والے اور ہوٹلوں کے ایجنٹ بے تحاشہ ان کی طرف دوڑنے لگے۔

بوہیمیا کے بادشاہ کو پہچان لینے میں انہیں کوئی دشواری نہ ہوئی کیونکہ وہ بڑی دیر تک اس کی تصویر کو دیکھتے رہے تھے۔ وہ ایک معمر مگر قوی الجثہ آدمی تھا۔ چہرے پر گھنی اور چڑھی ہوئی مونچھیں تھیں۔ آنکھوں پر ہلکے سرمئی رنگ کی عینک لگائے تھا۔ پیشانی بہت کشادہ تھی اور سر پر سفید رنگ ے گھونگھریالے بال تھے۔ اس کے ساتھ بورازیانہ بھی تھی۔

"خدا کی قسم اس میں اور جولیا میں ذرہ بھر بھی فرق نہیں۔" حمید آہستہ سے بڑبڑایا اور آگے بڑھا۔

شاہ بوہیمیا کے پیچھے ہوٹلوں کے ایجنٹ لگ گئے تھے۔ ایک کہہ رہا تھا صاحب ہوٹل ڈی فرانس، اعلیٰ انتظام، شاندار جگہ، دنیا کے بڑے بڑے لوگ ٹھہرتے ہیں۔ گھر کا سا آرام، ونڈر فل لائف۔" دوسرا رینک رہا تھا۔ "مے پول ہوٹل بادشاہوں کے ٹھہرنے کی جگہ۔ عظیم الشان کمرے۔"

"تو پھر کیا خیال ہے۔" حمید نے فریدی سے پوچھا۔

"انہیں ہوٹل میں نہ ٹھہرنا چاہئے۔"

"اچھا....!" حمید نے کہا اور خود آگے بڑھ کر ایجنٹوں کی بھیڑ میں گھس گیا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "پرائیویٹ انتظام، ہوٹل سے بڑھ کر شاندار اور آرام دہ شاندار کمرے۔ شاندار پائیں باغ، دل بہلانے کے لئے عظیم الشان لائبریری، اندرونِ خانہ قسم کے سارے کھیل، عمدہ نسل کے بہترین اور سیدھے سادھے کتے، نہانے کے لئے شاندار اور خوبصورت تالاب۔ دنیا بھر کے لذیذ ترین کھانے وغیرہ وغیرہ۔"

فریدی اس کی اس حرکت پر مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

حمید محسوس کر رہا تھا کہ شاہ بوہیمیا کسی کا نوٹس نہیں لے رہا ہے۔ وہ چپ چاپ جہاز کے ایک آدمی کے ساتھ مسافر خانے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"کیا آپ نے پہلے ہی کوئی انتظام کر لیا ہے۔" حمید نے اس سے پوچھا۔

"نہیں....!"

"تو پھر میرے ساتھ چلئے۔" حمید نے کہا۔ "آپ جیسے باسلیقہ اور شاندار آدمی کے لئے وہی جگہ مناسب رہے گی۔"

وہ کوئی جواب دیئے بغیر چلتا رہا۔ پھر مسافر خانے کے قریب پہنچ کر ہوٹل "ڈی فرانس" کے ایجنٹ سے باتیں کرنے لگا۔ حمید صرف اتنا ہی سن پایا تھا۔ "ہم غسل کرنے کے بعد چلیں گے۔" پھر وہ ایک کمرے میں مڑ گئے، جو بالکل خالی تھا۔ حمید برآمدے میں ٹھہر گیا۔ فریدی تھوڑے ہی فاصلہ پر کسی مسافر سے باتیں کر رہا تھا۔

بوہیمیا کا بادشاہ ٹرنک سے کپڑے نکال کر غسل خانے کی طرف چلا گیا۔ بورازیانہ ایک آرام

سی پر آنکھیں بند کیے ہوئے لیٹی تھی۔ حمید سوچ رہا تھا کہ ان دونوں میں سر مو فرق نہیں۔ وہی وہی چال ڈھال، کچھ بالوں کی رنگت گہری تھی لیکن اس فرق کو بھی وہی محسوس کر سکتے تھے نہوں نے دونوں کو قریب سے دیکھا ہو اور اس فرق پر خاص طور پر دھیان دیا ہو۔ پیروں کی اوٹ میں بھی تھوڑا سا فرق تھا۔ جولیا کے پیروں کی انگلیاں اس کے پیروں کی انگلیوں سے زیادہ یک اور نازک تھیں۔ لیکن بورازیانہ کے پیر بھی کم حسین نہیں تھے۔ اس نے گرمی کی شدت ے تنگ آکر اپنے اسٹاکنگ اتار دیئے تھے اور مرمر سے تراشی ہوئی پنڈلیوں پر بار بار ہاتھ پھیر ہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اس کا باپ غسل کر کے نکل آیا۔ اب وہ تیاری کرنے لگی۔ حمید رآمدے میں پڑی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ بورازیانہ غسل خانے میں جا چکی تھی۔ دفعتاً تھوڑی یر بعد حمید نے ایک چیخ سنی۔ فریدی بھی چونکا۔ وہ تیزی سے اس کمرے میں داخل ہوا۔

"کیا بات ہے۔" اس نے اس کے باپ سے پوچھا، جو غسل خانے کے قریب کھڑا اسے ناطب کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اندر سے بورازیانہ نے کچھ کہا۔ اس پر اس کے باپ نے بھی کچھ کہا، جو فریدی کی سمجھ میں نہ آسکا۔ البتہ اس نے اس کے چہرے پر کسی قسم کی تشویش کے آثار دیکھے۔

"کیا بات ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"اوہ کوئی بات نہیں.... وہ پھسل کر گر پڑی تھی۔ چوٹ نہیں آئی۔"

تھوڑی دیر بعد بورازیانہ بھی غسل کر کے باہر نکل آئی۔ اب وہ پہلے سے زیادہ نکھر آئی تھی۔ اس کی گردن کی ایک ہلکی سی سلوٹ میں دو چار بال پھنسے ہوئے تھے۔ نہ جانے کیوں حمید کے سینے میں کلبلاہٹ ہونے لگی۔

فریدی اسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر گھور رہا تھا۔

"خدا کی قسم یہ بورازیانہ نہیں ہے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"تو اتنی جلدی یہاں....!"

"تم یہیں ٹھہرو....!" فریدی نے کہا اور تیزی سے اٹھ کر دوسری طرف چلا گیا۔ حمید بیٹھا رہا۔ دفعتاً اس کی نظریں بورازیانہ کے پیروں پر پڑیں اور وہ بے اختیار چونک پڑا۔ یہ تو سو فیصدی جولیا ہی کے پیر تھے۔ ویسے سبک اور نازک، حمید کو خوبصورت پیروں سے عشق تھا۔ اگر اسے ایک

بار بھی کہیں خوبصورت پیر نظر آجاتا تو پھر اس کی بناوٹ عرصہ تک اس کے ذہن سے چپکی رہتی تھی اور پھر جولیا کے پیر جنہیں اس نے کئی دنوں تک دیکھا تھا کیسے بھول جاتا۔ اس کا دل بڑی شدت سے دھڑکنے لگا۔ وہ قطعی خاموش تھی۔ بوہیمیا کے بادشاہ نے کئی بار گفتگو کی۔ لیکن وہ صرف نفی یا اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی۔ ہوٹل ڈی فرانس کا نمائندہ بھی آ گیا تھا۔ اس نے اس کا سامان اٹھوانا شروع کیا اور پھر وہ تھوڑی دیر بعد چلے گئے۔ حمید بدستور بیٹھا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کرے۔ فریدی واپس آیا تو اس کا چہرہ سرخ تھا۔ آنکھیں انگارا ہو رہی تھیں۔ وہ اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے تھوڑی دیر تک کھڑا رہا۔ پھر تیزی سے کمرے میں داخل ہوا۔ حمید نے بھی اس کی تقلید کی۔ فریدی غسل خانہ میں دیکھ رہا تھا۔

"وہ فرش پر پھسل کر گری نہیں تھی۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ "یہ دیکھو کسی مرد کے پیر کے نشانات بالکل تازہ ہیں اور یہ.... اوہ.... خون.... کی بوند بخدا وہ اسے لے گئے۔" فریدی نے دوسرے دروازے کو دھکا دیا۔ یہ ایک دوسرا کمرہ تھا، جو باہر سے بند تھا۔ اس نے نیچے جھک کر کوئی چیز اٹھائی۔ یہ سر میں لگانے کا کلپ تھا۔ چمکدار ٹائیلس لگے ہونے کی وجہ سے قدموں کے نشانات نہیں مل سکے۔ البتہ یہاں بھی کئی جگہ خون کی بوندیں ملیں۔ سامنے ایک دروازہ تھا۔ اس کے منہ سے ہلکی سی آواز نکلی۔ سامنے کی دیوار ٹوٹی ہوئی تھی۔ باہر کی روشنی اندر آرہی تھی۔ یہ کمرہ دیوار ٹوٹنے سے پہلے بالکل تاریک رہا ہوگا کیونکہ اس میں کوئی روشن دان بھی نہیں تھا۔ یہاں پرانا اور ٹوٹا پھوٹا فرنیچر بھرا ہوا تھا۔ فریدی تیزی سے آگے بڑھا اور دیوار کے خلاء سے باہر نکل گیا۔ حمید بھی اس کے ساتھ ہی بڑھا۔

"دوسری چوٹ....!" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ "یہاں بھی خون ہے۔" اس نے زمین کی طرف اشارہ کیا۔ "اور کسی کار کے پہیوں کے نشانات! وہ لوگ اسے ادھر ہی سے لے گئے۔"

سامنے دور تک جنگل کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا اور وہ ہوائی اڈے کی عمارت کی پشت پر کھڑے تھے۔ پھر انہوں نے کار کے پہیوں کے نشانات پر چلنا شروع کر دیا۔



"مجھے اس وقت خود اپنی ذات سے نفرت محسوس ہو رہی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن بورازیانہ کا باپ اسے پہچان ہی لے گا۔" حمید نے کہا۔

"ناممکن قطعی ناممکن۔" فریدی نے کہا۔

"جولیا کے پیروں کی بناوٹ بورازیانہ کے پیروں سے بالکل مختلف ہے۔" حمید نے کہا۔

"اس چیز نے تو مجھے بھی اتنی جلدی اس نتیجے پر پہنچنے پر مجبور کر دیا تھا۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن کوئی باپ بیٹی کے پیروں کو اس طرح نہیں دیکھتا جس طرح تم دیکھتے ہو۔ تمہارے دیکھنے میں جنسیت کو دخل ہے۔ اسی لئے تم اسے اہمیت دیتے ہو.... اور پھر اس نے اسے اس بات کا موقع ہی کب دیا ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ اس نے میرے جانے کے بعد فوراً ہی اسٹاکنگ پہن لئے ہوں گے۔"

"پہن تو لئے تھے۔" حمید فکر مندانہ لہجے میں بولا۔ "مجھے تو بورازیانہ کا باپ بھی نقلی ہی معلوم ہوتا ہے۔"

فریدی پھر جھک کر زمین کی طرف دیکھنے لگا۔ شاید ایک پہیئے میں ہوا کم تھی۔ وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ "یہ نشان دیکھو۔"

"ہاں معلوم تو یہی ہوتا ہے۔" حمید نے کہا۔

کچھ دور چل کر سیاہ اور پختہ سڑک شروع ہو گئی۔

"اگر وہ سڑک پر نکل گئے ہیں تب تو یہاں آنا ہی بے سود رہا۔" حمید نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

فریدی زمین پر بیٹھ کر سڑک کو انگلی سے ٹٹولنے لگا۔ "قطعی بے سود نہیں رہا۔ حمید صاحب۔" وہ سڑک کے پار ادھر اُدھر دیکھتا ہوا بولا۔ "وہ سڑک پر ہی ہو لئے ہیں کیونکہ دوسری طرف نشانات نہیں۔ دن بھر کی تیز دھوپ میں سڑک کا کولتار پگھل کر نرم ہو گیا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"تو آپ سڑک پر نشانات ڈھونڈیں گے۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔ "اس طرح تو آپ کو سینکڑوں نشانات مل جائیں گے۔"

"یہ نہ بھولو کہ مطلوبہ موٹر کے ایک پہیئے میں ہوا کم تھی اور شائد وہ پچھلا پہیہ تھا۔ اس نے خاص قسم کا نشان ڈالا تھا۔ میرے خیال سے اس میں اتنی ہوا کم تھی کہ اس کا ریم زمین سے لگ رہا تھا۔" فریدی جھک کر دیکھنے لگا۔

حمید نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"موٹر یہاں سے مڑی ہے۔ اچھا اس نشان کو دیکھو۔ ان دونوں میں کچھ فرق معلوم ہوتا ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"یہ نشان اسی پہیئے کا ہے جس میں ہوا کم تھی۔ بس چپ چاپ چلے آؤ.... خواہ وہ ہونولولو تک ہی کیوں نہ لے جائے۔"

"اس طرح کب تک چلتے رہیں گے۔" حمید منہ بنا کر بولا۔

"اگر میرا اندازہ غلط نہیں تو زیادہ دور تک نہ جانا پڑے گا۔" فریدی نے کہا۔ تھوڑی دور کے بعد وہ لوگ محکمہ جنگلات کے قریب پہنچ گئے۔ یہاں سے فریدی نے کسی کو فون کیا۔

"کس سے بات کی ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"ڈی۔ آئی۔ جی صاحب سے۔"

"اس کیس کے متعلق....!" حمید نے پوچھا۔

"ہاں.... وہ تو فائل ملنے کے بعد ہی میں نے ان سے اپنے شبہے کا اظہار کر دیا تھا اور اس وقت میں نے انہیں نئے لیکن متوقع حادثے کی خبر دے دی ہے۔ چوکی سے نکل کر وہ پھر نشانات پر پڑے۔ ابھی کچھ کچھ دھوپ باقی تھی لیکن اس میں سرخی پیدا ہو چکی تھی۔

"اب اندھیرے میں کہاں بھٹکتے پھریں گے۔" حمید نے کہا۔

"فکر نہ کرو۔ میرے مینٹل میں ایک چھوٹی سی ٹارچ پڑی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اگر مقابلہ کی نوبت آ گئی تو۔"

"مقابلہ کریں گے۔" فریدی نے لاپرواہی سے کہا۔

"ریوالور....؟" حمید بولا۔

"وہ بھی موجود ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "مجھے تو پہلے ہی سے کھٹکا تھا کہ ہوائی اڈے پر ہی نہ کوئی واردات ضرور ہو جائے گی۔"

"وجہ....؟" حمید بولا۔

"بوہیمیا کی بجائے قاہرہ سے ہدایات کا موصول ہونا۔"

"آپ وہی ایک لکیر پیٹ رہے ہیں۔" حمید نے اکتا کر کہا۔

"وہ سب سے زیادہ اہم ہے۔" فریدی نے کہا۔ "ٹھہرو...." وہ پھر زمین پر جھک گیا۔

"یہاں سے کار یا لاری ادھر کچے راستے پر مڑ گئی۔" اس نے سر اٹھائے بغیر کہا اور پھر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ "حمید صاحب میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ اس علاقے میں صرف دو عمارتیں ہیں۔ ایک تو محکمہ جنگلات کی چوکی اور دوسری یہاں سے تین میل کے فاصلے پر۔" فریدی نے کچے راستے کی طرف ہاتھ اٹھایا۔ "دوسری عمارت بالکل ویران مقام پر ہے۔ جنگ کے زمانے میں وہ فوجی رسد گاہ کے طور پر استعمال ہوتی تھی اور اب شاید ویران پڑی ہے۔ میرے خیال سے اسے کسی تعلقہ دار نے خرید لیا تھا اب وہاں کیا ہے، یہ میں نہیں جانتا۔"

"تو آپ نے پہلے ہی وہاں پر چھاپہ کیوں نہیں مارا۔"

"کہہ تو رہا ہوں کہ وہ محض اندازہ تھا۔ لیکن اس وقت یقین آ گیا ہے اور یونہی خواہ مخواہ چھاپہ مار کر کیا کرتا۔ اب اگر بورازیانہ وہاں سے برآمد ہو جاتی ہے تو سارا کام بن جائے گا۔ پہلے میرے پاس ان کے خلاف کوئی واضح ثبوت نہیں تھا اور اب دونوں ہم شکلوں کی موجودگی میں مجھے ان کے خلاف جرم ثابت کرنے میں کوئی دشواری نہ ہو گی۔" وہ کچے راستے پر چل پڑے تھے۔

"ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جولیا کے بال۔" حمید نے کہا۔

"بالوں کی رنگت....!" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "صاحب زادے ہلکے کتھئی رنگ کے خضاب کے ذریعہ یہ دشواری بھی حل کی جا سکتی ہے۔ جولیا نے بورازیانہ کے بالوں کے رنگ کا خضاب لگا رکھا تھا۔" دونوں پھر خاموش ہو گئے۔ کپکپاتی ہوئی دھوپ اونچے درختوں کی چوٹیوں پر آہستہ آہستہ رینگ رہی تھی اور جنگل انواع و اقسام کے شور سے گونجا ہوا تھا۔ کچے راستے کے دونوں طرف گھنی جھاڑیوں میں جھینگروں نے اپنی ریں ریں، ٹیں ٹیں شروع کر دی تھی۔

وہ تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ انہیں کسی کار کی آواز سنائی دی۔ دونوں جھاڑیوں میں گھس گئے۔ چند لمحوں کے بعد ایک کار گرد اڑاتی ہوئی تیزی سے گزر گئی۔

"تم نے دیکھا....؟" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"بھلا اتنی بڑی چیز کیسے نہ دیکھتا۔ اگر اندھا بھی ہوتا تو کم از کم آواز تو سن ہی لیتا۔ کار پر کون تھا؟ میں غور نہیں کر سکا۔"

"جمشید تھا....!"

"وہی اس کیفے کا مالک....!"

"ہاں اچھا اب آؤ لوٹ چلیں۔" فریدی نے کہا اور جھاڑیوں سے نکل آیا۔ وہ جھکا ہوا زمین کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر سر اٹھا کر بولا۔

"یہی کار تھی یہ نشان دیکھو۔ مگر شاید واپسی کے لئے بھی اسے جلدی ہی تھی۔ جبھی تو اس نے پہیئے میں ہوا نہیں بھری تھی۔" وہ دونوں پھر سڑک کی طرف واپس جا رہے تھے۔

"کیوں! کیا معاملہ کل پر چھوڑ دینے کا ارادہ ہے۔" حمید نے کہا۔

"نہیں ابھی اور اسی وقت ورنہ بور از یانہ جانے کہاں جا پہنچے۔" فریدی نے جواب دیا۔

"تو کہاں چلے؟"

"ڈی۔ آئی۔ جی کو فون کروں گا۔ اب اس معاملہ کو جلد از جلد ختم کر دینا چاہئے ورنہ میرے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔"

"فکر نہ کیجئے۔" حمید طنزیہ لہجے میں بولا۔ "ڈاکٹر ضرغام بڑا اچھا سرجن ہے۔"

"فکر کس بات کی اس کی مدد کے بغیر بھی تمہارے ساتھ شادی کر ہی نہ سکوں گا۔"

"خیر اس سلسلے میں کئی بار آپ کی خدمت میں ہمدرد دواخانے کا لٹریچر پیش کر چکا ہوں۔ حمید نے مسکرا کر کہا۔

"اس قسم کے برجستہ جواب پسند آتے ہیں۔" فریدی اس کی پیٹھ پر گھونسہ جما کر بولا۔

وہ محکمہ جنگلات کی چوکی کے قریب پہنچ گئے تھے۔ فریدی نے پھر اندر جا کر فون کیا اور واپس آ گیا۔

"کوئی خاص انتظام....!" حمید نے پوچھا۔

"نہیں صرف پندرہ آدمی۔"

"صرف پندرہ کیوں؟" حمید نے کہا۔ "کیا آپ مجرموں کی صحیح تعداد سے واقف ہیں۔"

"نہیں! لیکن وہ عمارت میری دیکھی ہوئی ہے۔ اس کی پچویشن ایسی ہے کہ اگر سلیقے سے حملہ کیا جائے تو پندرہ ہی کافی ہوں گے۔ زیادہ بھیڑ بھاڑ سے کیا فائدہ۔"

اندھیرا پھیل چکا تھا۔ نو دس بجے سے قبل چاندنی کی توقع بھی نہیں تھی۔ انہوں نے چوکی کے قریب ہی ایک گھنا درخت منتخب کیا اور اس پر چڑھ گئے۔

"آپ کے ساتھ رہ کر بھی بالکل بندروں کی سی زندگی ہو جاتی ہے۔"

"شکر کرو.... بندروں ہی جیسی ہو جاتی ہے۔ ورنہ اس زمانے میں زندگی کہاں ملتی ہے۔"

یدی ہنس کر بولا۔

"اگر یہیں سے ٹپک پڑوں تو قیامت تک کی زندگی کا مزہ آ جائے۔"

"ارے یار.... تو اپنی جان کو اتنی اہمیت کیوں دیتا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "تیرے مر جانے سے زندگی تو فنا ہو گی نہیں۔ پھر خوف کس بات کا۔ بس ذرا زندگی کا ایک مظہر کم ہو جائے گا۔"

"لیکن میں زندگی کے دو چار اور مظاہر بنا لینے سے پہلے نہیں مرنا چاہتا۔"

"خوش فہمی ہے تمہاری.... ورنہ تم میں رکھا ہی کیا ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"خیر چھوڑیئے اس بحث کو....!" حمید اکتا کر بولا۔ "مایوسی کی صورت میں زنانہ دواخانے سے ساڑھے تین روپے میں ایک بچہ خرید لوں گا۔"

پھر وہ دونوں کافی دیر تک ادھر ادھر کی تفریحی باتیں کرتے رہے۔ حمید کے لئے یہ پہلا اتفاق نہیں تھا۔ اس نے بارہا فریدی کو ایسے موقعوں پر ادھر ادھر کی بے تکی باتیں کرتے سنا تھا۔ اس کا ہمیشہ یہ قاعدہ تھا کہ وہ مجرموں کے گرد اپنا جال بن کر اس طرح مطمئن اور بے تعلق ہو جاتا تھا جیسے اس نے انکے ہتھکڑیاں ہی لگا دی ہوں۔ بہر حال ایسی حالت میں حمید کسی سخت اور خطرناک مقابلے کی توقع ضرور رکھتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد انہیں سڑک پر ایک کار دکھائی دی جس کے اندر کسی نے دیا سلائی جلا کر سگریٹ سلگائی اور اس کی روشنی میں اس کا دھندلا سا چہرہ دکھائی دیا۔

"پہچانا....!" فریدی آہستہ سے بولا۔

"نہیں....!"

"ڈاکٹر ضرغام....!"

پھر حمید نے کار کو کچے راستے پر مڑتے دیکھا۔ تھوڑی دیر تک سناٹے میں انجن کی آواز سنائی دیتی رہی۔ پھر سکوت طاری ہو گیا۔ بہت دور کی جھاڑیوں میں کار کی لائیٹس کا عکس کبھی کبھی چمک اٹھتا تھا۔

"چلو یہ بھی بڑا اچھا ہوا۔" فریدی نے کہا۔ "میں نے تو یہ سمجھا تھا کہ وہ بھی یہیں ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ جمشید اسے اپنی کامیابی کی اطلاع دینے گیا تھا۔" حمید بولا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر فریدی بولا۔ "ابھی تک وہ نہیں آئے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ضرغام کی

موجودگی ہی میں ان پر حملہ کر دیا جائے۔" حمید سوچ میں پڑ گیا تھا۔ اس گروہ کی طاقت کا حال اس پر اچھی طرح ظاہر تھا۔ اس کے افراد چالاک بھی تھے اور دلیر بھی۔ دن دہاڑے ہوائی اڈے سے کسی کو اغوا کر کے لے جانا آسان کام نہیں تھا اور اغوا بھی کیسا۔ ایک شکل کو دوسرے ہم شکل سے بدلنا تھا اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ محکمہ سراغ رسانی کا ایک آفیسر ان کے کرتوت سے واقف ہو چکا ہے۔ ایسے آدمیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے صرف پندرہ آدمی؟

دفعتاً اس کی نظر فریدی کی طرف اٹھ گئی، جو اپنی چھوٹی سی ٹارچ روشن کر کے ہلا رہا تھا۔ پھر اسے نیچے کچھ دور پر ایک دوسری ٹارچ دکھائی دی۔

"اتر چلو....!" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "وہ آ گئے۔"

پھر تھوڑی دیر بعد سترہ آدمیوں کی پارٹی گھنے جنگل میں گھس رہی تھی۔

فریدی نے مختصر راستہ اختیار کیا تھا اور بے دھڑک جھاڑیوں میں گھستا پھر رہا تھا۔ ٹارچ استعمال کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ وہ محض اپنی یاد داشت کے سہارے اندھیرے میں اُس پُر اسرار عمارت کی طرف بڑھ رہا تھا۔ تقریباً آدھ گھنٹے کی جدوجہد کے بعد وہ لوگ منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ عمارت کافی طویل و عریض تھی اور اس کی بند کھڑکیوں کے دھندلے شیشوں سے روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ فریدی نے دو دو تین تین آدمیوں کو جھاڑیوں میں چھپانا شروع کر دیا۔ ترتیب کچھ ایسی تھی کہ پوری عمارت چاروں طرف سے گھر گئی۔ پھر وہ انہیں ضروری ہدایات دے کر عمارت کی پشت پر آیا۔ چاروں طرف گہرا سناٹا تھا۔ اکثر عمارت کے اندر سے قہقہوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

"حمید۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "اوپر چلنا ہے۔ یہ لو ریوالور اور کارتوس....!"

"اوپر.... لیکن کیسے؟"

"یہ درخت دیکھ رہے ہو۔ اس کی ایک شاخ چھت پر جھکی ہوئی ہے۔"

حمید نے ایک گہری سانس لی اور درخت کی طرف بڑھنے لگا۔ دوسرے لمحہ میں وہ درخت پر چڑھ رہا تھا۔ فریدی بھی اس کے بعد چڑھنے لگا۔ دونوں بہ آسانی چھت پر اتر گئے۔ چھت بالکل سپاٹ تھی۔ البتہ نچلے صحن کے چاروں طرف دو دو فٹ اونچی دیواریں کھڑی ہوئی تھیں۔ وہ دونوں رینگتے ہوئے دیوار کے قریب آئے۔ صحن میں جھانک کر دیکھا۔ وسیع صحن میں چاروں

طرف چھوٹی چھوٹی میزیں بچھی ہوئی تھیں جن میں چار چار کی ٹولیوں میں بتیس آدمی بیٹھے ہوئے شراب یا کافی پی رہے تھے۔ ڈاکٹر ضرغام ٹہل رہا تھا۔ ایک آرام کرسی پر بورازیانہ پڑی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر بے چارگی کے اثرات پھیلے ہوئے تھے۔ ضرغام بار بار رک کر اس کی طرف دیکھنے لگتا تھا۔

دفعتاً فریدی نے ایک ہوائی فائر کیا جس کے جواب میں محاصرہ کرنے والوں نے بھی عمارت پر باڑھ ماردی۔ کھڑکیوں کے شیشوں کے ٹوٹنے کی آواز سنائی دی۔

"ڈاکٹر ضرغام....!" فریدی اوپر سے چیخا۔ "تم ہار گئے۔ چپ چاپ خود کو ہمارے حوالے کر دو۔"

یک بیک اندر سے تین چار فائر ہوئے اور صحن میں لگے ہوئے لیمپ چکنا چور ہو گئے۔ پھر ایک طویل کرب ناک اور بتدریج مضمحل ہوتی ہوئی چیخ سنائی دی۔ کسی عورت کی چیخ، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی نے اس کے سینے میں خنجر اتار دیا ہو۔ فریدی نے اندھا دھند فائر کرنے شروع کر دیئے۔ حمید بھی بڑی مستعدی سے اندھیرے میں فائرنگ کر رہا تھا اور اب نیچے سے بھی فائر ہونے شروع ہو گئے۔ اندر شائد مجرموں نے بھی اپنی رائفلیں سنبھال لی تھیں۔ کبھی کبھی ایک آدھ چیخ بھی سنائی دے جاتی تھی۔ نیچے دروازوں اور کھڑکیوں کے ٹوٹنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ شاید فریدی کے ساتھیوں نے دروازوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ فریدی آہستہ آہستہ نیچے جانے والے زینوں کی طرف رینگنے لگا۔

"یہ خطرناک ہے۔" حمید آہستہ سے بولا۔

"فکر مت کرو.... تم اپنی جگہ پر مستعد رہو اور فائرنگ جاری رکھو۔"

پھر وہ دیکھتے ہی دیکھتے حمید کی نظروں سے غائب ہو گیا اور تھوڑی دیر کے بعد حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے اندر بہت ہی شدید قسم کی جنگ چھڑ گئی ہو۔ پے در پے چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔ شاید باہر کے لوگ بھی اندر گھس گئے تھے۔ دفعتاً اس نے فریدی کی آواز سنی جو چیخ کر کہہ رہا تھا "اوپر اپنا آدمی ہے۔" حمید بھی رینگ کر زینے کے قریب آ گیا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں اس کی گولی اس کے کسی ساتھی کو نہ لگ جائے۔

متواتر دو گھنٹے تک گولیاں چلتی رہیں۔ پھر یک بیک سناٹا چھا گیا۔ البتہ چیخنے اور کراہنے کی

آوازیں ابھی تک سنائی دے رہی تھیں۔ دفعتاً صحن میں روشنی دکھائی دی۔ فریدی ہاتھ میں ایک پٹرومیکس لیمپ لٹکائے ہوئے باہر آیا۔

"حمید اگر زندہ ہو تو نیچے آجاؤ۔"

اس نے نیچے سے آواز دی۔ لیکن پھر دوسرے ہی لمحے اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ بورازیانہ کی لاش کرسی سے بندھی ہوئی تھی۔

اس کے سینے میں ایک خنجر پیوست تھا اور چہرہ اس قدر بگاڑ دیا گیا تھا کہ خدا کی پناہ۔ حمید نیچے اتر آیا تھا۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔ بورازیانہ کے چہرے کا سارا گوشت کاٹ لیا گیا تھا۔

دوسری طرف صحن کے پختہ فرش پر گویا خون کا دریا بہہ رہا تھا۔ بے شمار لاشیں پڑی ہوئی تھیں، جن میں ان کے ساتھیوں کی بھی لاشیں تھیں۔ کچھ تو اب تک سسک اور کراہ رہے تھے۔ فریدی تھوڑی دیر تک بورازیانہ کی لاش کی طرف دیکھتا رہا پھر کمروں کی طرف پلٹ آیا۔ حمید بھی اس کے ساتھ تھا۔ فریدی کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے اس کی آنکھیں غم ناک تھیں۔

حمید نے ضرغام کو دیکھا جو فرش پر بندھا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔

"اس کے گھونسے نے میرا سر پاش پاش کر دیا تھا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"لیکن سامنے والی دیوار نے اس کا ہاتھ توڑ دیا۔" پھر وہ ضرغام کو مخاطب کر کے بولا۔

"کیوں ضرغام.... تم واقعی بہت دلیر ہو اور بہت ذہین بھی، لیکن اسے کیا کیا جائے کہ میرے علاقے میں سازشیں بہت کم بار آور ہوتی ہیں۔" ضرغام کچھ نہیں بولا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اب وہ اپنی ہی بوٹیاں نوچنے کے متعلق غور کر رہا ہو، پھر وہ برآمدے میں آگئے۔ انکے ساتھیوں میں سے صرف آٹھ زندہ بچے تھے۔ سترہ مجرم حراست میں آگئے اور ان میں سے کوئی ایسا نہیں تھا جو زخمی نہ رہا ہو۔ فریدی کے چہرے پر بھی دو تین خراشیں تھیں جن سے خون رس رہا تھا۔

"آپ کے چوٹ کس طرح آئی۔" حمید نے پوچھا۔

"ضرغام کے ناخن۔" فریدی نے کہا۔ "میں تو ہمت ہار چکا تھا۔ خدا کی پناہ۔ اتنا طاقت ور آدمی آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا۔ اگر اس کا ہاتھ نہ ٹوٹتا تو وہ کبھی قابو میں نہ آتا۔ وہ تو کہو میں پھرتی سے ہٹ گیا اور اس کا گھونسہ دیوار پر پڑا.... ورنہ خیر.... اف فوہ.... کتنا خون بہہ

گیا.... اور وہ بے چاری۔"

وہ رات بھاگ دوڑ میں گزر گئی۔ وہاں سے واپسی پر فریدی ہوٹل ڈی فرانس میں پہنچا۔ بوہیمیا کے فرمانروا کو اس حادثے کی خبر سنائی اور وہ ہنس کر کہنے لگا۔ "شاید تم زیادہ پی گئے ہو۔"

اس کی لڑکی جولیا بھی جاگ پڑی تھی اور اس کے رویے پر تو فریدی خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا اور حمید کے سینے میں تو نفرتوں کا جوالا مکھی پھوٹ رہا تھا۔ جولیا نے نہ صرف انہیں پہچاننے سے انکار کر دیا بلکہ ان کے اس خیال کا مضحکہ بھی اڑایا کہ بوہیمیا کی شہزادی بدل دی گئی ہے۔ اس نے دھمکی دی کہ اگر وہ چپ چاپ چلے نہ جائیں گے تو وہ پولیس کو فون کر دے گی کہ دو شرابی ان کے کمروں میں گھس آئے ہیں۔"

تھکن کی وجہ سے اس وقت فریدی کا ذہن کسی آخری فیصلے پر نہ پہنچ سکا۔ لہٰذا وہ ان کی نگرانی کے لئے دو آدمی چھوڑ کر وہاں سے لوٹ آیا۔

دوسرے دن صبح ہی ڈی۔ آئی۔ جی نے فریدی اور حمید کو اپنے بنگلے پر طلب کیا۔

"بھئی اس معاملے کو یہیں ختم کر دو۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے فریدی سے کہا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"بورازیانہ والا معاملہ.... اوپر سے یہی حکم آیا ہے کہ اس مسئلہ پر اب کوئی مزید تحقیق نہ کی جائے۔ البتہ اگر ضرغام کے خلاف کچھ اور چارج لگائے جائیں تو بہتر ہے۔"

"آخر کیوں....!" فریدی نے حیرت سے پوچھا۔

"اب یہ نہ پوچھو....!"

"تو یہ خون کا دریا مفت میں بہایا گیا۔ بورازیانہ کی لاش بھی موجود ہے۔ لیکن اس کی شناخت نہ ہو سکے گی۔"

"خود اس کے باپ نے اسے پہچاننے سے انکار کر دیا ہے۔"

"لیکن میں ثابت کر دوں گا۔" فریدی جھلا کر بولا۔

"ہماری حکومت اس کے لئے تیار نہیں۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔

"آپ جانتے ہیں کہ میں کوئی کام ادھورا نہیں چھوڑتا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے۔"

"اگر ٹھیک ہے تو پھر مجھے یہ معلوم کرنے دیجئے کہ ایک باپ نے اپنی بیٹی کو پہچاننے سے کیوں انکار کر دیا۔ اگر چہرہ بگاڑ دیا ہے تو کیا ہوا۔ اس کے دوسرے اعضاء تو صحیح و سالم ہیں۔"

"بھئی اس قصے کو ختم کرو۔ ضرغام کو پھانسی پر چڑھانے کے لئے یہی کیا کم ہے کہ اس نے تین خون کئے جن میں سے ایک گم نام لڑکی بھی ہے۔"

"گمنام لڑکی....!" فریدی نے جھنجھلا کر کہا۔ "میں یہ ثابت کر سکتا ہوں کہ وہ بورازیانہ ہے۔"

"مجھے یقین ہے۔"

"پھر آخر حکومت کیوں....؟"

"بھئی یہ ایک دوسری حکومت کا راز ہے اور دونوں لڑکیاں غیر ملکی تھیں۔ ضرغام نے جن دیسیوں کا خون بہایا ہے اس کے لئے اس پر مقدمہ چلایا جائے گا اور اگر دوران سماعت خود اسی نے سارا راز اگل دیا تو....!"

"مقدمہ کھلی عدالت میں نہیں ہوگا۔"

"یہ سراسر ظلم ہے۔ دو الگ الگ ملکوں میں بھی انسان ہی بستے ہیں اور ان میں سے کسی کی رگوں میں خون کی بجائے پانی نہیں ہوتا۔"

"امورِ مملکت میں ہم دخل انداز نہیں ہو سکتے۔"

"تو خیر.... پھر میرا استعفےٰ آپ کو آفس میں مل جائے گا۔" فریدی برافروختگی کے عالم میں اٹھتا ہوا بولا۔

"مجھے اسی کا خدشہ تھا۔" ڈی۔ آئی۔ جی مسکرا کر بولا۔ "بیٹھ جاؤ۔ حکومت تم جیسے کام کے آدمی کو بھی نہیں چھوڑ سکتی۔ میں اوپر والوں کو تمہاری افتادِ طبع سے پہلے ہی آگاہ کر چکا ہوں۔ آخر تم استعفےٰ کیوں دینا چاہتے ہو۔"

"تاکہ آزادی کے ساتھ اس راز کا پتہ لگا سکوں۔"

"میں خود تمہیں بتا سکتا ہوں۔ لیکن رازداری کے وعدے کے ساتھ ہی ساتھ تمہیں یہ وعدہ بھی کرنا پڑے گا کہ تم اس کے بعد استعفےٰ نہیں دو گے۔"

فریدی کچھ دیر خاموش رہا پھر آہستہ سے بولا۔

"مجھے منظور ہے۔"

ڈی۔ آئی۔ جی تھوڑی دیر تک پرخیال انداز میں فریدی کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔ "جولیا ہی بوہیمیا کے تاج کی صحیح وارث ہے۔"

"کس طرح....!" فریدی بے چینی سے پہلو بدل کر بولا۔

"بورازیانہ حقیقتاً شاہ بوہیمیا کی بیٹی نہیں تھی۔ اس نے اسے بیٹی کی طرح پالا تھا۔ جولیا حقیقتاً اس کی بیٹی تھی اور اس کی پرورش ہنگری کے ایک غریب گھرانے میں ہوئی تھی۔ شاہ کو تخت کے دشمنوں کی طرف سے خدشہ تھا کہ وہ اس کی بیٹی کو زندہ نہیں رہنے دیں گے لہٰذا اس نے جولیا کو شیر خوارگی ہی کے عالم میں ہنگری بھجوا دیا تھا اور اس کی جگہ ایک لاوارث بچی کو دے دی تھی۔ وہ بھی بورازیانہ ہی کہلاتی تھی۔ جوان ہو کر وہ بھی اپنی قوم میں بہت مقبول ہو گئی۔ شاہ کو فکر تھی کہ اب وہ اپنی لڑکی کو کس طرح واپس بلائے۔ اس دوران میں اس کے وہ دشمن بھی ختم ہو چکے تھے جن کی طرف سے اسے خدشہ تھا۔ وہ اس راز کو ظاہر بھی نہیں کرنا چاہتا تھا لہٰذا اس نے یہی تدبیر سوچی کہ جولیا کی شکل تبدیل کر کے اسے بورازیانہ کی شکل میں لایا جائے۔ یہ کام امریکہ میں بھی آسانی سے ہو سکتا تھا لیکن وہاں اس بات کے پھیلنے کا خطرہ تھا۔ اس دوران میں اس کی نظروں سے ڈاکٹر ضرغام کا کوئی مضمون گذرا جس میں اس نے اپریشن کے ذریعے شکل تبدیل کرنے کے امکانات پر بحث کی تھی۔

اس نے اس سلسلہ میں ضرغام سے خط و کتابت کی اور وہ اس پر تیار ہو گیا۔ پروگرام یہ تھا کہ جولیا کو کچھ بتایا نہ جائے۔ اس کی شکل تبدیل کر کے اسے بورازیانہ کے عادات واطوار اور آداب شاہی سکھائے جائیں۔ جب وہ سب کچھ سیکھ جائے تو اسے اس راز سے آگاہ کیا جائے۔ ورنہ شروع میں خوشی کے مارے اس کے پاگل ہو جانے کے امکانات بھی ہو سکتے تھے۔ بورازیانہ کے متعلق یہ پروگرام تھا کہ اسے جولیا کی پہلی شکل میں لا کر ہنگری بھجوا دیا جائے۔ اسے مار ڈالنے کا ارادہ نہیں تھا۔ وہ اگر وہاں کسی سے اس تبدیلی کا ذکر بھی کرتی تو لوگ اسے پاگل سمجھتے۔ ہنگری والے جنہوں نے جولیا کی پرورش کی تھی شاہی خاندان کے خاص وفاداروں میں سے تھے کسی سے اس واقعے کا تذکرہ نہ کرتے اور اگر بورازیانہ انہیں جولیا کی شکل میں مل جاتی تو اسے اپنے پاس رکھنے کی کوشش کرتے اور مشہور کر دیتے کہ کسی اچانک حادثے کی وجہ سے ان کی لڑکی کا یا تو واقعی دماغ خراب ہو گیا ہے یا پھر وہ اچانک غائب ہو جانے کے باعث بازیافت

والدین کے عتاب ڈر سے پاگل بن گئی ہے۔"

فریدی متحیرانہ انداز میں ڈی۔ آئی۔ جی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"میرا خیال ہے۔" فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔ "قاہرہ سے رازداری کی استدعا کرنے کا یہ مطلب تھا کہ ضرغام نے شاہ کو جولیا کے غائب ہونے کی خبر بھجوادی تھی لیکن اسے توقع تھی کہ وہ اُسے ڈھونڈ نکالے گا اور اسکے مل جانے پر ہی اس نے اسے مطلع کیا ہوگا۔ مگر وہ تار اسے قاہرہ میں نہ مل سکا ہوگا۔ البتہ "دوسرے" دن یہاں ڈاکٹر ضرغام کو قاہرہ سے ان کی روانگی کا تار ملا ہوگا؟"

"قطعی یہی بات تھی۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے سر ہلا کر کہا۔

فریدی پھر خاموش ہو گیا۔ اس کے چہرے سے گہری سوچ کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔

"ڈاکٹر ضرغام کے دوسرے جرائم کا کیا ہوگا۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے پوچھا۔

"اس کے ساتھیوں نے وہ جگہیں بتادی ہیں۔ اب موٹر ڈرائیوروں کی لاشیں برآمد کی جائیں گی۔ بہرحال یہ میری زندگی کی پہلی شکست ہے۔"

"شکست کیوں....!" ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔ "اگر حکومت درمیان میں نہ آجاتی تو تم نے سارے عقدے ہی حل کر لئے تھے۔"

"مجھے عقدوں سے زیادہ بے گناہوں کی جانوں کا خیال رہتا ہے۔ وہ غریب لڑکی بھی مفت میں ماری گئی اور اتنا خون فضول بہا اور اس لئے کہ مجرم ایک بادشاہ ہے۔"

اس واقعے کے بعد فریدی عرصے تک غمگین رہا۔

کچھ دنوں کے بعد جولیا اپنے باپ کے ساتھ بوہیمیا واپس چلی گئی۔

اپنے دوران قیام میں اس نے کئی بار فریدی سے ملنے کی کوشش کی تھی لیکن اس نے صاف انکار کر دیا تھا۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 23

قاتل سنگریزے

(مکمل ناول)

پیش لفظ

"قاتل سنگریزے" کو آپ ہر حیثیت سے دلچسپ پائیں گے۔ اس میں تحیر، مزاح، کردار نگاری اور داستان کی دلچسپی سب کچھ موجود ہے۔ ایک کرنل کی موت پُر اسرار حالات میں ہوئی۔ وہ اپنے ریوالور سے کسی پر حملہ کرتا ہے مگر خود مر جاتا ہے۔ لیکن اسے گولی نہیں لگی تھی۔ اس کا بھائی پھول توڑتے وقت چیخ کر گرتا ہے اور مر جاتا ہے۔ پھر بھتیجا اپنی کار میں بیہوش پایا جاتا ہے۔ آسمان سے مردہ پرندوں کی بارش۔ ایک عجیب و غریب جانور کا تذکرہ جس کا نام کوئی نہیں جانتا تھا۔ پُر اسرار آدمی کی داستان جس سے سب خائف رہتے تھے، جو نوجوان لڑکیوں کو اٹھالے جاتا تھا۔ جس نے کرنل سے انتقام لینے کی قسم کھائی تھی۔ فریدی اس ناول میں بہت پرسکون نظر آتا ہے، لیکن وہ خاموشی سے کیا کرتا رہا تھا؟ انکشاف ہوتے ہی آپ چونک پڑیں گے۔ ایک لڑکی تین مرد۔ سارجنٹ حمید نے دل پر جبر کر کے ہاتھ پیر ہلائے تو ایک حماقت کر بیٹھا، لیکن وہ حماقت بھی کام آگئی۔

ابن صفی

مرگِ ناگہاں

ڈوبتے ہوئے سورج کی نارنجی شعاعیں پیلی کوٹھی کی اوپری منزل پر پھیلی ہوئی تھیں اور پیلی کوٹھی شہر کی دوسری عظیم الشان عمارتوں سے الگ تھلگ سدا بہار درختوں اور پھولوں کے تختوں سے گھری کھڑی تھی۔ یہ تھی تو دولت گنج ہی کے علاقے میں لیکن شہری آبادی اس سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر تھی۔ اس کے اردگرد کی آبادی کا شمار شہری آبادی میں نہیں ہوتا تھا۔ یہاں زیادہ تر ماہی گیر تھے، جو قریب کے دریا سے اپنی روزی حاصل کرتے تھے۔ دو چار گھر کپڑا بننے والوں کے بھی تھے۔ ان کے علاوہ پیلی کوٹھی کے مالک کرنل جواد کے ملازمین نے بھی اپنے گھر بنالئے تھے۔ اس علاقے کی ساری زمین کرنل جواد ہی کی تھی، جو اس نے برائے نام کرائے پر اٹھا رکھی تھی۔ کرایہ محض اس لئے لیتا تھا کہ زمین پر اس کا قبضہ مالکانہ قائم رہے۔ ورنہ ویسے اس کا مقصد اس زمین کو آباد کرنا تھا۔ لیکن اسی کے ساتھ ہی ساتھ اُس نے اس بات کا بھی خیال رکھا تھا کہ کوئی ایسا آدمی وہاں آباد نہ ہونے پائے جو اس کے سامنے سر اٹھا سکے۔ اس کی یہ عنایت صرف نچلے ہی طبقے تک محدود تھی۔ بہر حال پیلی کوٹھی کے چاروں طرف بے شمار چھوٹے موٹے کچے پکے مکانات اور جھونپڑے بکھرے ہوئے تھے اور شام کے دھندلکے میں اس بستی میں پیلی کوٹھی نہ جانے کیوں انتہائی پُراسرار معلوم ہونے لگتی تھی۔

خود کرنل جواد اس سے بھی زیادہ پُر اسرار تھا۔ ۱۹۱۴ء کی جنگ سے فرصت پانے کے بعد اس نے یکے بعد دیگرے آٹھ شادیاں کی تھیں اور وہ سب دو دو تین تین سال کے وقفے سے لاولد ہی مر گئی تھیں۔ اسی بنا پر اس کے بعض بے تکلف دوست اُسے بیوی خور کہنے لگے تھے۔ آٹھ

بیویوں میں سے کسی نے بھی اس کا کوئی وارث نہیں چھوڑا تھا۔ اس لئے اب آخیر عمر میں نزدیک اور دور کے بہتیرے رشتے دار اس کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ اُن میں اس کا سگا بھائی سلیم اور بھتیجا کیپٹن اشرف بھی تھا۔ پہلے وہ دونوں کسی دوسرے شہر میں رہتے تھے لیکن ادھر دو سال سے ان کا قیام پیلی کوٹھی ہی میں تھا۔ ان دونوں کے علاوہ پانچ افراد اور تھے جن میں اس کا بھانجا ڈاکٹر قدیر نمایاں حیثیت رکھتا تھا۔ شہر میں اس کی پریکٹس اچھی خاصی چلتی تھی اور وہ اتنا دولت مند تھا کہ اس نے دو ڈاکٹر ملازم رکھ چھوڑے تھے، جو اس کی عدم موجودگی میں اُس کے مریضوں کی دیکھ بھال کیا کرتے تھے۔ ڈاکٹر قدیر عموماً گرمیوں کا زمانہ اپنے ماموں کرنل جواد ہی کے ساتھ گذارا کرتا تھا۔ اس کی عمر تیس بتیس کے لگ بھگ تھی لیکن وہ ابھی تک کنوارا تھا۔ عزیزوں میں وہی کرنل جواد سے سب سے زیادہ قریب تھا۔ وہی ایک ایسا تھا جسے کرنل کچھ سمجھتا تھا۔ لڑکیوں میں اُسے اپنی بیوہ سالی بیگم نواز کی لڑکی عالیہ بھی عزیز تھی۔ کرنل جواد کی ایک چچازاد بہن اپنے شوہر سے بگاڑ کر کے اُسی کے ساتھ رہنے لگی تھی۔ اس کے ساتھ اس کا اکلوتا لڑکا نصیر بھی تھا جسے کرنل قطعی پسند نہیں کرتا تھا۔ اُس کے عادات و اطوار اُسے ناپسند تھے۔ وہ کافی خوبصورت تھا اور ہر وقت خود کو بنائے سنوارے رہتا تھا۔ کرنل اُسے عموماً زنخا کے نام سے یاد کرتا تھا۔ بستی کے لوگوں کا خیال تھا کہ وہ سب کرنل کی کثیر دولت کی لالچ میں یہاں جمع ہو گئے تھے اور ان میں سے ہر ایک کرنل کا دل جیتنے کی کوشش کر رہا تھا۔

کرنل جواد کے اعزاء اسے خبطی سمجھتے تھے۔ چڑچڑا تو خیر وہ تھا ہی۔ اس پر عمر کا تقاضا۔ لیکن عمر کی زیادتی نے اس کے جسم پر کوئی خاص اثر نہیں ڈالا تھا۔ جسم کی توانائی کی بناء پر اُس کے سفید بال ایسے ہی معلوم ہوتے تھے جیسے وہ قبل از وقت سفید ہو گئے ہوں۔ ویسے اس کی عمر ستر سال سے کسی طرح کم نہ تھی۔

اس وقت وہ اپنے پائیں باغ میں بیٹھا اپنے داہنے پیر کے تلوے کا وہ زخم دیکھ رہا تھا جو اُسے تقریباً ایک ماہ سے پریشان کئے ہوئے تھا۔ بس ایک دن بیٹھے بٹھائے داہنے پیر کے تلوے میں کھجلی اٹھی جو بڑھتی ہی گئی اور پھر کھجلاتے کھجلاتے دو چار دن بعد زخم ہو گیا تھا۔ کھجلی اتنی شدید اٹھتی تھی کہ وہ بے اختیار اپنا تلوہ ہر اس چیز سے کھجلانے لگتا جو چیز اس کے ہاتھ لگ جاتی تھی۔ ایک دن شیو کرتے وقت کھجلی اٹھی اور اس نے بلیڈ سے کھجلانا شروع کر دیا۔ نتیجے کے طور پر تلوہ

جگہ سے کٹ گیا۔

ڈاکٹر قدیر اس کا علاج کر رہا تھا۔ بینڈیج وغیرہ بھی وہ خود اپنے ہاتھ ہی سے کرتا تھا لیکن زخم ابھی تک نہ بھر سکا تھا۔ جہاں کھجلی اٹھی کرنل جواد پٹیاں کھول ڈالتا اور زخم کو رگڑنے لگتا۔ کبھی مسہری کی پٹیوں سے کبھی صوفے سے اور کبھی کسی درخت کے تنے سے۔

آج ڈاکٹر قدیر صبح ہی سے گھر پر موجود نہیں تھا اس لئے خود کرنل ہی پائیں باغ میں بیٹھا ہوا اپنا زخم دھو رہا تھا۔ اس کا سب سے پرانا خادم رفیق پانی ڈال رہا تھا۔

"نہ جانے آج قدیر نے اتنی دیر کہاں لگادی۔" کرنل خود بخود بڑبڑایا۔

"بہت ممکن ہے کہ کوئی خاص قسم کا مریض مل گیا ہو۔" رفیق نے کہا۔

"لیکن اُسے میرا خیال بھی تو رکھنا چاہئے تھا۔" کرنل نے جھنجھلا کر کہا۔

"کپتان صاحب یا نصیر میاں کو بلاؤں۔" رفیق نے کہا۔

"کیپٹن اشرف کہو۔" کرنل منہ بنا کر بولا۔ "یہ لونڈا تو اس طرح اکڑتا پھرتا ہے جیسے کیپٹن نہیں جنرل ہو اور آواز سنئے تو جیسے بلی میاؤں میاؤں کر رہی ہو۔ پریڈ کیا کراتا ہوگا۔ عجیب زمانہ آگیا ہے، ایسے ایسے نازک بدنوں کو فوج میں نوکریاں ملنے لگی ہیں سنا ہے کہ وہ زنخا بھی کمیشن کے چکر میں ہے۔"

"کون....؟"

"اماں.... وہی نصیر، جسے ہلکی سی چپت بھی ماردوں تو کئی دن بخار آجائے۔"

"صاحب ان لوگوں کے طور طریقے تو مجھے بالکل پسند نہیں۔" رفیق نے کہا۔

"ارے بابا تو مجھے کب پسند ہیں۔ سنا ہے کل رات کو نصیر نشے میں تھا۔ اگر میری آنکھ کھل گئی ہوتی تو بتاتا سؤر کو۔ پینے کو دو پیگ اور اودھم اتنا مچائیں گے جیسے قرابے صاف کر گئے ہوں۔"

"سرکار مجھے تو ہنسی بھی آرہی تھی اور غصہ بھی۔ آتے ہی عالیہ بی بی کا ہاتھ پکڑ لیا اور جھوم جھوم کر کہنے لگے، تمہارا نام فل فل فلوٹی ہے، مگر عالیہ بی بی نے بھی وہ زوردار تھپڑ رسید کیا ہے کہ پچھلے جنموں کا حال بھی روشن ہو گیا ہوگا۔"

"میں ہوتا تو مارتے مارتے ادھ مرا کر دیتا۔" کرنل نے کہا۔ "ارے ہم بھی پیتے تھے اور بے تحاشہ پیتے تھے۔ مگر کیا مجال کہ زبان میں لغزش ہو جائے۔"

"کیا میں جانتا نہیں۔" رفیق نے کہا اور پھر تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولا۔

"کپتان صاحب بھی پیتے ہیں لیکن میں نے ڈاکٹر صاحب کو آج تک نشے میں نہیں دیکھا۔"

"ارے وہ کیا پئے گا کنجوس مکھی چوس۔" کرنل ہنس کر بولا۔ "لیکن اس ہنسی سے پیار بھی جھلک رہا تھا۔"

"ڈاکٹر صاحب بہت اچھے آدمی ہیں۔"

"ارے وہ سور! تم اُسے اچھا کہتے ہو۔ دیکھتے نہیں مجھ سے برابر سے لڑتا ہے۔"

"وہ تو خود آپ ہی نے انہیں شہہ دے رکھی ہے۔"

"مجھے کھرے آدمی پسند ہیں۔" کرنل نے پیر کو خشک کر کے سامنے والی کرسی پر رکھتے ہوئے کہا۔ "وہ خوشامدی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اور بقیہ سب لوگ میری موت کے منتظر ہیں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔"

رفیق کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے کرنل کی رائے سے اتفاق ہو لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔

پھر کرنل خود ہی تھوڑی دیر کے بعد بڑبڑانے لگا۔ "لیکن انہیں مایوسی ہوگی۔ وہ مجھے نہیں جانتے۔ میں نے وہ وصیت نامہ مرتب کیا ہے کہ اُن کی آنکھیں کھل جائیں گی۔"

رفیق پھر خاموش رہا۔ دفعتاً کرنل اس کے چہرے کو غور سے دیکھنے لگا۔ "پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "تم چالیس سال سے میرے ساتھ ہو۔ میری طبیعت کا اندازہ تم نے بخوبی لگا لیا ہوگا۔ اچھا بتاؤ تو میں نے کس قسم کا وصیت نامہ مرتب کیا ہے۔"

"بھلا میں کیا بتا سکتا ہوں۔" رفیق نے اس کی طرف مرہم اور پٹیاں بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ٹھہرو..... اس طرح کچھ سکون مل رہا ہے۔ مرہم لگاتے ہی پھر کھجلی شروع ہو جائے گی۔" کرنل نے کہا۔ "ان میں سے کسی کو بھی نہیں معلوم کہ میں آج کل کیا کر رہا ہوں۔"

"تو آپ مجھے کیوں بتا رہے ہیں۔"

"اس لئے کہ تم تمام میں ڈھنڈورا پیٹتے پھرو۔" کرنل جھنجھلا کر بولا۔ پھر تھوڑی دیر تک اُسے گھورتے رہنے کے بعد کہنے لگا۔ "مجھے اُن سب سے زیادہ تم پر اعتماد ہے۔ میرا کون سا ایسا راز ہے جو تم نہیں جانتے۔ تمہارے علاوہ میں نے کسی اور کو اپنا ہمدرد سمجھا ہی نہیں۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ

اب میری موت قریب ہے۔"

"آپ نے پھر وہی باتیں کرنی شروع کر دیں۔" رفیق نے آہستہ سے کہا۔ "وہ نہ جانے کب کا مر کھپ گیا ہوگا۔"

"نہیں وہ کبھی نہیں مر سکتا۔ میری موت سے پہلے تو کبھی نہ مر سکے گا۔ وہ خبیث وہ ناہنجار۔ اُس کے علاوہ اور کون اس سؤر کی تصویر بنا سکتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس سؤر کو یا تو میں پہچانتا ہوں یا وہ خود اس سے واقف ہے۔ مجھے اس کی دھمکی آج تک یاد ہے۔ مجھے آج بھی یاد ہے جب میں نے اُسے ہنٹر سے پیٹا تھا۔ میں اُسے پیٹ رہا تھا اور کسی انجانے خوف سے میری روح لرز رہی تھی۔ یہ دھمکی مجھے اسی کی طرف سے موصول ہوئی ہے سنو! اب یا تو میں ہی مروں گا یا وہ خود۔ جب سے مجھے اُس سؤر کی تصویر دکھائی دی ہے میں اپنے پاس ہر وقت بھرا ہوا ریوالور رکھتا ہوں۔"

"میں نہیں سمجھتا کہ وہ یہاں کس طرح پہنچے گا۔" رفیق نے پُر تشویش لہجے میں کہا۔

"تعجب ہے کہ تم اسے دیکھ چکنے کے بعد بھی اس قسم کی باتیں کر رہے ہو۔" کرنل نے کہا۔ "میں جادو وغیرہ کا قائل نہیں ہوں مگر پھر بھی مجھے اس کی شخصیت میں کوئی مافوق الفطرت چیز محسوس ہوتی رہی ہے۔"

دونوں خاموش ہوگئے۔ دھوپ غائب ہوگئی تھی اور اب دھندلکا پھیلنے لگا تھا۔ بستی کے مکانوں سے ہلکا ہلکا دھواں اٹھ رہا تھا اور چراگاہوں سے واپس آنے والے مویشیوں کی گھنٹیاں فضا میں ارتعاش پیدا کیے ہوئے تھیں۔

کرنل کی نظریں اُفق پر جمی ہوئی تھیں جہاں کئی رنگوں کے شوخ لہریئے اُبھر آئے تھے وہ وہاں اسی طرح بیٹھا رہا حتیٰ کہ افق کے رنگ بھی دھندلے پڑ گئے۔ ابھی تک اس کا زخم کھلا ہوا تھا اور رفیق چپ چاپ کھڑا اُسے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس دوران میں ایک لفظ بھی نہیں بولا۔ کرنل کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ رفیق اس کے مزاج سے اچھی طرح واقف تھا۔ کرنل اپنے عادات و اطوار کے اعتبار سے تقریباً خبطی ہی تھا۔ اگر رفیق ایسی حالت میں اسے اپنی طرف مخاطب کرنے کی کوشش کرتا تو وہ بے تحاشہ اس پر برس پڑتا اس لئے خاموش ہی رہ کر خود اس کے چونکنے کا انتظار کرتا رہا۔ کرنل کی عادت تھی کہ وہ اکثر اسی طرح گہری سوچ میں ڈوب جاتا تھا اور اس کی آنکھیں اس طرح ویران ہو جاتی تھیں جیسے وہ بحالت بیداری کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ رہا تھا اور اگر اسے اس

محوبت سے چونکانے کی کوشش کی جاتی تھی تو وہ ضرورت سے زیادہ برافروختہ نظر آنے لگتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد کرنل خود بخود چونکا اور اس کی نظریں پھاٹک کے باہر دھندلکے میں رینگنے لگیں۔ پھر وہ بے تحاشہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"ارے زخم....!" رفیق بے اختیار بولا اور اس کی نظروں نے کرنل کی نگاہ کا تعاقب کیا۔ باہر اُسے کوئی جانور بھاگتا ہوا دکھائی دیا لیکن اندھیرا ہونے کی وجہ سے وہ اس کے متعلق کوئی صحیح رائے قائم نہ کر سکا۔

ساتھ ہی کرنل نے ایک زوردار چیخ ماری اور تیزی سے دوڑتا ہوا پھاٹک کے باہر نکل گیا۔ رفیق بھی اس کے پیچھے دوڑا لیکن کرنل کی رفتار تیز تھی۔ وہ اس سے کافی فاصلے پر دوڑ رہا تھا۔ رفیق یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کرنل اس عمر میں بھی اتنا تیز دوڑ سکتا ہے، حالانکہ اس کی عمر ہی کرنل کے ساتھ گذری تھی۔ لیکن اس وقت اسے اس طرح دوڑتے دیکھ کر وہ اپنی حیرت کو کسی طرح نہ دبا سکا۔ خود رفیق بھی بوڑھا تھا اور اب اس میں اتنی سکت نہیں رہ گئی تھی کہ زیادہ تیز چل بھی سکتا۔ لیکن اس وقت وہ اپنی ضعیفی کے خیال کے باوجود بھی حتی الامکان کرنل کے قریب پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔

دفعتاً اسے ایک فائر کی آواز سنائی دی اور اس نے کرنل کی چیخ بھی صاف پہچان لی۔ پھر کسی کے گرنے کی آواز آئی۔ رفیق دیوانوں کی طرح چیختا ہوا آواز کی طرف دوڑ رہا تھا۔

پھر دو گھنٹے کے بعد کرنل کے خاندان کے سارے افراد اس کی لاش کے گرد جمع تھے۔ دولت گنج تھانے سے پولیس بھی آ گئی تھی۔ لاش ابھی تک اسی جگہ پڑی ہوئی تھی جہاں کرنل گرا تھا۔

کیپٹن اشرف پولیس انسپکٹر سے کہہ رہا تھا۔ "ہم لوگوں نے فائر کی آواز سنی، پھر پے در پے چیخیں سنائی دیں۔ ہم سب دوڑ کر ادھر آئے تو چچا جان کو اس حال کو پایا۔"

"کیا یہ آپ لوگوں کے ساتھ ہی تھے۔" انسپکٹر نے پوچھا۔

"نہیں پائیں باغ میں بیٹھے اپنے زخم کی مرہم پٹی کر رہے تھے۔"

"ان کے پاس اور کون تھا۔"

"ان کا خادم خصوصی رفیق۔"

"وہ کہاں ہے۔"

"اس کم بخت کو تو ہم بہت دیر سے تلاش کر رہے تھے۔" کیپٹن اشرف کا باپ سلیم بھرائی دئی آواز میں بولا۔

"ان دونوں کے علاوہ اور باغ میں کون تھا۔"

"ہم کچھ نہیں بتا سکتے۔" کیپٹن اشرف نے اپنی آنکھوں پر رومال پھیرتے ہوئے کہا۔ "ہم سب اندر تھے۔"

"آپ کے گھر والوں میں سے کوئی باہر تو نہیں۔"

"ہاں.... میرا بھانجا ڈاکٹر قدیر....!" سلیم نے کہا۔

"کب سے باہر ہیں۔"

"صبح سے.... غالباً شہر گیا ہوا ہے۔"

"نوکر جو غائب ہو گیا ہے اس کا گھر کہاں ہے۔"

"وہ ہمیشہ بھائی صاحب کے ساتھ ہی رہتا تھا۔" سلیم نے کہا۔

"کیا اُس سے اُن کی کبھی لڑائی ہوئی تھی۔"

"میرے خیال سے تو کبھی نہیں۔" سلیم نے اپنی روہانسی آواز پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "بھائی صاحب اُس پر بہت اعتماد کرتے تھے۔"

"کیا آپ سب نے فائر کی آواز سنی تھی۔"

"ہم نے تو سنی تھی کیپٹن اشرف نے کہا اور پھر وہ بیگم نواز، عالیہ اور اپنی پھوپھی بیگم عارف کی طرف مخاطب ہوا جو تھوڑی دور پر کھڑی پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ انہوں نے بھی اس کے بیان کی تائید کی۔ سبھی نے فائر کی آواز صاف سنی تھی۔ چیخوں کے متعلق اُن میں اختلاف تھا۔ کسی کا خیال تھا کہ وہ رفیق کی چیخیں تھیں اور کوئی کہتا تھا کہ وہ خود کرنل جواد چیخ رہا تھا۔

سب انسپکٹر لاش پر جھک گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے سر اٹھا کر کہا۔

"لیکن ان کی موت گولی لگنے سے نہیں ہوئی۔" پھر وہ کرنل کے ہاتھ میں دبے ہوئے ریوالور کا جائزہ لینے لگا۔ اس کے ماتھے پر تفکر کی گہری لکیر نمایاں ہو گئی تھیں۔

"کتنے فائروں کی آوازیں سنی گئی تھیں۔" اس نے کیپٹن اشرف سے پوچھا۔

"صرف ایک۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔" اشرف نے کہا اور اپنے گھر والوں کی طرف دیکھنے

لگا۔ اس کے اس بیان کی بھی تائید کی گئی۔

"تب تو وہ فائر اسی ریوالور سے ہوا تھا۔" سب انسپکٹر نے ریوالور کی نال کو اپنے ناک کے قریب لے جاتے ہوئے کہا۔ "اس میں سے صرف ایک گولی چلائی گئی ہے اور کچھ دیر قبل۔"

"تو پھر موت کس طرح واقع ہوئی۔" سلیم نے بے تابانہ انداز میں پوچھا۔ "آپ کہتے ہیں کہ ان کے گولی بھی نہیں لگی۔"

"مجھے خود حیرت ہے۔" سب انسپکٹر نے لاش پر ٹارچ سے روشنی ڈالتے ہوئے کہا۔ پھر وہ یک بیک چونک کر کرنل کے پیروں کی طرف دیکھنے لگا۔

"یہ تلوے میں زخم کیسا۔" اس نے کہا۔

"یہ تو تقریباً ایک ماہ قبل سے تھا۔" کیپٹن اشرف بولا۔

"تو کیا یہ عموماً ننگے پیر ہی چلا کرتے تھے۔"

"جی نہیں.... ابھی آپ سے بتایا ناکہ باغ میں بیٹھے اسی زخم کی مرہم پٹی کر رہے تھے اور ان کا خادم ان کی مدد کر رہا تھا۔"

"کیا وہ زخم کی پٹی خود ہی کیا کرتے تھے۔"

"نہیں! ڈاکٹر قدیر کرتے تھے، لیکن وہ آج صبح ہی سے گھر پر موجود نہیں تھے۔"

"کیا اس سے قبل بھی کبھی انہیں اپنے ہاتھ سے مرہم پٹی کرنی پڑی تھی۔" سب انسپکٹر نے پوچھا۔

"ہمیں اس کا دھیان نہیں۔" سلیم نے کہا۔

"کیا آج یا اس دوران میں کسی سے ان کا جھگڑا ہوا تھا۔"

"میرے خیال سے تو نہیں۔"

"ان کا کوئی دشمن بھی تھا۔"

"یہ بھی نہیں کہا جا سکتا۔" سلیم بولا۔ "میں تقریباً دو سال سے یہیں مقیم ہوں۔ میں نے انہیں کبھی لڑتے جھگڑتے نہیں دیکھا۔ البتہ وہ اکثر ہم میں سے کسی سے ناراض ہو جایا کرتے تھے۔ عمر کافی تھی اس لئے کچھ چڑچڑے ضرور ہو گئے تھے۔ لیکن ان کا وہ چڑچڑا پن بھی ہم ہی لوگوں تک محدود رہتا تھا۔"

"غائب ہو جانے والے ملازم کا حاضر ہونا ضروری ہے۔" سب انسپکٹر نے کہا۔ اس کے بعد کچھ رسمی اور قانونی کاروائیاں ہوئیں اور لاش وہاں سے اٹھوا کر تھانے کی طرف روانہ کر دی گئی۔

پھول کا ڈنک

تین دن گذر گئے مگر رفیق کا کچھ پتہ نہ چلا۔ اس دوران میں گھر والوں میں سے کئی نے پہلی کوٹھی سے چلے جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ لیکن پولیس نے انہیں اس وقت تک کے لئے روک دیا جب تک کہ تحقیقات مکمل نہ ہو جائے۔

کرنل کی سالی بیگم نواز خاص طور سے چلے جانے پر مصر تھیں کیونکہ کرنل کے بعد ان کا یہاں ٹھہرنا بعید از مصلحت تھا۔ دوسری طرف وہ اپنی لڑکی عالیہ کی طرف سے بھی متفکر تھیں کیونکہ بیگم عارف کا لڑکا نصیر اُسے ہر وقت گھورتا رہتا تھا۔ کیپٹن اشرف بھی اس میں خاصی دلچسپی لیتا تھا۔ ڈاکٹر قدیر ہی صرف ایسا تھا جو اس کی طرف کبھی توجہ بھی نہیں دیتا تھا۔

کرنل نے باقاعدہ یا بے قاعدہ طور پر کوئی وصیت نامہ نہیں چھوڑا تھا۔ اس لئے قانونی طور پر اس کا جائز وارث کیپٹن اشرف کا باپ سلیم قرار پایا تھا، حالانکہ سلیم بیگم نواز کو روکے رکھنے پر مصر تھا لیکن بیگم نواز بُری طرح الجھی ہوئی تھیں۔ یہاں وہ اگر کرنل کے بعد کسی سے زیادہ بے تکلف تھیں تو وہ ڈاکٹر قدیر تھا۔ وہ بھی آج کل زیادہ تر باہر ہی رہتا تھا۔ حالانکہ کرنل کی طرح سلیم بھی اس کا حقیقی ماموں تھا لیکن وہ سلیم سے زیادہ مانوس نہیں تھا۔ کرنل کی زندگی میں بھی ان دونوں میں بہت ہی کم گفتگو ہوتی تھی۔ البتہ کیپٹن اشرف سے اس کی گاڑھی چھنتی تھی لیکن نہ جانے کیوں آج کل وہ دونوں بھی ایک دوسرے سے کھنچے کھنچے سے رہتے تھے۔

کرنل کی پُراسرار موت کے بعد سے پورے گھر پر ایک عجیب سی ویرانی چھا گئی تھی۔ ہر قسم کے کھیل تماشے بند تھے۔ ڈاکٹر قدیر اور کیپٹن اشرف نے بلیرڈ کھیلنا ترک کر دیا تھا۔ بیگم نواز اور بیگم عارف نے بھولے سے بھی شطرنج کی بساط نہیں بچھائی۔ بہر حال ہر شخص قریب قریب تھوڑا بہت مضمحل ضرور تھا۔ مگر نصیر! اس کے مشاغل میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ وہ اب بھی شراب کے نشے میں عالیہ کو چھیڑتا رہتا تھا۔ اس کی ماں اس کی ان حرکتوں سے عاجز آگئی تھی۔ مگر خاموشی

کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ شوہر سے پہلے ہی جھگڑا ہو چکا تھا۔ اب وہ اس سر پھرے لڑکے کو بھی ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی۔

کیپٹن اشرف نصیر کو کئی بار اس کی حرکتوں پر ڈانٹ چکا تھا۔ عالیہ کے چھیڑنے کے معاملے میں وہ نہ جانے کیوں خاموش رہتا۔ لیکن جب نصیر بھدے اور بے ہنگم سروں میں امریکن لہجے میں کوئی انگریزی گیت چھیڑ دیتا تو کیپٹن اشرف جھلائے بغیر نہ رہتا۔ آج بھی وہ دوپہر کے کھانے کی میز پر اس پر برس رہا تھا۔

"تم آخر اپنی بے ڈھنگی حرکتوں سے باز کیوں نہیں آتے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے تمہیں چچا جان کی اچانک موت سے خوشی ہوئی ہو۔"

"بھلا مجھے کیا غم ہو سکتا ہے۔" نصیر ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "جب کہ مجھے ان کی جائیداد سے ایک حبہ بھی ملنے کی امید نہیں۔"

"نصیر....!" اس کی ماں گرج کر بولی اور ڈاکٹر قدیر مسکرانے لگا۔

"نصیر میاں....!" سلیم نے کہا۔ "میں یہاں تم سب سے بڑا ہوں۔ کم از کم تمہیں میرا لحاظ تو کرنا ہی چاہیے۔"

نصیر نے اپنی پلیٹ ایک جھٹکے کے ساتھ آگے سرکا دی اور اٹھ کر کمرے سے چلا گیا۔

"عجیب لڑکا ہے۔" سلیم نے جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ کہا۔

"آپ ہی نے سر چڑھا رکھا ہے۔" بیگم عارف بولیں۔

"بچہ ہے۔" سلیم نے کہا اور کھانے میں مشغول ہو گیا۔

بیگم نواز، عالیہ اور ڈاکٹر قدیر بالکل خاموش تھے۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر رفیق کہاں گیا۔" سلیم نے پر تشویش لہجے میں کہا۔

"مزے کر رہا ہوگا۔" بیگم نواز نے کہا۔ "پتہ نہیں نمک حرام نے یہ حرکت کیوں کی۔"

"نہیں.... میں اس کے متعلق ایسا نہیں سوچ سکتا۔" سلیم آہستہ سے بولا۔ "وہ بچپن ہی سے ہمارے یہاں رہا ہے۔ وہ کبھی ایسا نہیں کر سکتا۔"

پھر وہ مستفسرانہ انداز میں ڈاکٹر کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں خود بھی یہی سوچتا ہوں۔" ڈاکٹر قدیر نے کہا اور کھانے میں مشغول ہو گیا۔ پھر تھوڑی

دیر بعد سر اٹھائے بغیر بولا۔ "پوسٹ مارٹم کی رپورٹ عجیب و غریب ہے۔"

"کیا....؟" سلیم نے چونک کر نوالہ پلیٹ میں رکھ دیا اور ڈاکٹر قدیر کی طرف دیکھنے لگا۔

"معدے میں زہر کے اثرات نہیں پائے گئے۔" ڈاکٹر قدیر نے کہا۔ "لیکن....!" اس نے اپنی نظریں سلیم کے چہرے پر جما دیں۔ "موت زہر سے واقع ہوئی ہے۔"

"زہر....!" سب بیک وقت بولے۔

"خون میں اچانک تیز قسم کا زہر پھیل جانے کی وجہ سے قلب کی حرکت بند ہو گئی۔"

ڈاکٹر قدیر خاموش ہو کر اپنی پلیٹ میں چاول ڈالنے لگا۔ بقیہ لوگ ہاتھ روکے ہوئے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ پیر کے زخم کے ذریعہ جسم میں زہر داخل ہوا۔" قدیر نے آہستہ سے کہا۔ "اور خود میرا بھی یہی خیال ہے۔"

"تو رفیق....!" کیپٹن اشرف کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"خدا ہی بہتر جانے۔" ڈاکٹر قدیر بولا۔

"شاید کسی زہریلی چیز پر پیر پڑ گیا۔" عالیہ نے کہا۔

پھر خاموشی چھا گئی۔

سلیم کے چہرے پر گہری تشویش کے آثار پیدا ہو گئے تھے اور آنکھوں میں دبی سی بے چینی کی جھلک دکھائی دینے لگی تھی۔ وہ کھانا کھانے کے بعد خاموشی سے اٹھ گیا۔ ہر شخص اپنی جگہ پر کچھ نہ کچھ سوچ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد سلیم نے کیپٹن اشرف کو برابر والے کمرے سے آواز دی اور وہ اٹھ کر وہاں چلا گیا۔

سلیم بے تابانہ انداز میں ٹہل رہا تھا۔

"میرے ساتھ آؤ....!" اس نے کہا اور تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا لائبریری میں آیا۔

"بیٹھ جاؤ۔" سلیم نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ کیپٹن اشرف اُسے متحیرانہ انداز میں دیکھ رہا تھا۔

"تم نے سنا.... قدیر کیا کہہ رہا تھا۔" سلیم کیپٹن اشرف کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

اشرف نے اثبات میں سر ہلا دیا اور اس کی آنکھیں ابھی تک سوالیہ انداز میں سلیم کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

"آخر یہ کیسا زخم تھا جو ایک ماہ کے علاج کے باوجود بھی ہرا ہی رہا؟" سلیم نے پوچھا۔

"میں نے تو اسے ایکزیما ہی کی کوئی قسم سمجھتا ہوں۔" کیپٹن اشرف نے کہا۔

سلیم تھوڑی دیر تک اشرف کی طرف دیکھتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔ "مجھے قدیر پر اعتماد نہیں ہے۔"

"جی....!" دفعتاً اشرف چونک پڑا۔ "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"زخم کا علاج قدیر ہی کر رہا تھا۔ وہی بینڈیج وغیرہ بھی کرتا تھا اور میرا خیال ہے کہ اُس دن سے قبل کبھی وہ بینڈیج کے وقت باہر نہیں رہا۔"

"تو آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ چچا جان کی موت میں قدیر کا ہاتھ ہے۔" اشرف اٹھتا ہوا ناخوشگوار لہجے میں بولا۔

"بیٹھ جاؤ.... بیٹھ جاؤ" سلیم نے مضطربانہ انداز میں کہا "میں نے تم سے زیادہ دنیا دیکھی ہے۔"

"جی....!" اشرف کا لہجہ بدتمیزی سے بھی کچھ آگے بڑھ گیا تھا۔

سلیم اسے گھورنے لگا۔

"تم مجھ سے گفتگو کر رہے ہو۔" اس نے خشک لہجے میں کہا۔

اشرف کچھ نہ بولا۔ وہ ہونٹ سکوڑے کھڑکی کے باہر دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً وہ سلیم کی طرف مڑا "لیکن یک بیک آپ اس نتیجے پر کیوں پہنچے۔"

"بھائی جان کی وہ دولت جس کا علم کسی کو نہیں۔"

"یعنی....!"

"وہ جواہرات جو وہ افریقہ سے لائے تھے۔"

"لیکن انہوں نے کبھی اس کا تذکرہ نہیں کیا۔" اشرف نے کہا۔

"میں نے آج سے دس سال قبل انہیں دیکھا بھی تھا۔" سلیم آہستہ سے بولا۔ "لیکن اب ان کا کہیں پتہ نہیں۔"

"ممکن ہے چچا جان نے انہیں فروخت کر دیا ہو۔"

"قطعی ناممکن.... اس قسم کی چیزیں اُسی وقت فروخت کی جاتی ہیں جب نقد روپیہ نہ ہو۔"

بھائی جان کے پاس ہمیشہ نقد روپیہ رہا ہے۔"

"تو پھر آپ قدیر ہی پر کیوں شبہ کر رہے ہیں، رفیق بھی تو غائب ہے اور میرا خیال ہے کہ چچا جان کے سارے معاملات سے واقف بھی تھا۔"

"ابھی بچے ہو۔ اگر رفیق کو بھاگنا ہی ہوتا تو وہ اتنا پیچیدہ راستہ کبھی نہ اختیار کرتا۔ اگر وہ ان ہیروں کی موجودگی سے واقف تھا تو انہیں بہ آسانی چرا کر بھی فرار ہو سکتا تھا۔ بھائی جان کی موت کا خواہاں کیوں ہوتا۔"

"کچھ بھی ہو۔" کیپٹن اشرف نے کہا "میں قدیر کی طرف سے بُرے خیالات نہیں رکھ سکتا۔"

"خیر....!" سلیم نے آہستہ سے کہا۔ "میں نے تمہیں ایک خطرے سے آگاہ کر دیا۔ نہ جانے کیوں مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے میری زندگی کی گھڑیاں بھی پوری ہو رہی ہیں۔"

"واہمہ ہے۔" کیپٹن اشرف اٹھتا ہوا بولا۔

"ٹھہرو....!" سلیم نے بھی اٹھتے ہوئے کہا۔ "میرے ساتھ آؤ۔" پھر وہ دونوں اس کمرے میں آئے جسے کرنل دفتر کے طور پر استعمال کرتا تھا۔

"بیٹھو....!"

اشرف بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر اکتاہٹ اور بیزاری کے ملے جلے اثرات پائے جا رہے تھے۔

سلیم نے صبح کی ڈاک کے بنڈل سے ایک لفافہ نکال کر اشرف کے سامنے ڈال دیا۔

لفافے پر سلیم کا نام اور پتہ تحریر تھا۔ اشرف نے اس کے اندر کا کاغذ نکالا اور پھر اپنے باپ کی طرف دیکھ کر مضحکانہ انداز میں مسکرانے لگا۔

کاغذ پر کسی عجیب و غریب جانور کی تصویر بنی ہوئی تھی جس کا جسم تو سؤر کا سا تھا لیکن سر۔ وہ اتنا مضحکہ خیز تھا کہ اشرف اپنی ہنسی نہ روک سکا۔ سر کسی پرندے سے مشابہت رکھتا تھا، جسم پر اسی طرح کی دھاریاں تھیں جیسی چیتے کے جسم پر پائی جاتی ہیں۔

تصویر کے نیچے انگریزی ٹائپ کے حروف میں یہ الفاظ تحریر تھے۔

"میں اس لڑکی کی درد میں ڈوبی ہوئی چیخ نہ سن سکا اس لئے تم پر ہمیشہ نحوست کا سایہ رہے گا اور تمہارے بعد والے بھی میرے انتقام کا شکار ہوں گے۔"

تحریر پر نظر ڈالتے ہی اشرف سنجیدہ ہو گیا۔

"یہ کیا ہے؟" سلیم خود بخود بڑبڑایا۔

"یہ کس نے بھیجا ہے؟" اشرف نے پوچھا۔

"مجھے نہیں معلوم۔" سلیم نے سر اٹھائے بغیر کہا۔ "لیکن اس بات پر بھی یقین نہیں آتا کہ کسی نے مجھ سے مذاق کیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بھائی جان کو بھی مرنے سے قبل اسی قسم کی کسی الجھن سے دوچار ہونا پڑا ہو۔"

"میں کچھ نہیں سمجھا۔" اشرف نے بے بسی سے کہا۔

"میں کہتا ہوں آخر بھائی جان اس دوران میں ہر وقت اپنے پاس بھرا ہوا ریوالور کیوں رکھنے لگے تھے۔"

"اس کے متعلق اکثر میں نے بھی سوچا ہے۔" اشرف نے کہا۔

"اور وہ بھاگ کر باہر کیوں گئے تھے اور انہوں نے کس پر فائر کیا تھا۔"

"یہ چیز بھی غور طلب ہے۔" اشرف پر تشویش انداز میں بولا۔ "خیر تو میں اس خط کو دولت گنج کے تھانے میں پہنچائے دیتا ہوں۔"

"نہیں.... میں خود ہی انسپکٹر سے ملوں گا۔" سلیم نے اشرف کے ہاتھ سے لفافہ لے کر پھر دوسرے خطوط کے درمیان رکھ دیا۔

"لیکن قدیر....!" اشرف کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"میں اس کی طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔" سلیم نے کہا۔

"آپ نصیر کے متعلق کیوں نہیں سوچتے جبکہ اس تحریر کی روشنی میں اس کی سازش کے امکانات موجود ہیں۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"ابھی آپ اس کا امکان بھی ظاہر کر چکے ہیں کہ چچا جان کو بھی اس قسم کا کوئی خط ملا ہوگا۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ چچا جان نے کبھی اُسے عالیہ کو چھیڑنے پر لعنت ملامت کی ہو اور اسے اس پر غصہ آ گیا ہو۔ اس تحریر میں بھی کسی لڑکی کا تذکرہ موجود ہے اور آپ اس جملے کا مطلب بھی بخوبی سمجھتے ہوں گے۔ بیگم نواز یہاں سے کبھی کی چلی گئی ہوتیں، لیکن پولیس نے ہر ایک کی نقل و حرکت پر پابندی لگا دی ہے۔ وہ چچا جان کی زندگی میں ہی جانے کے لئے تیار تھیں۔"

"خدا جانے....!" سلیم اکتا کر بولا۔ "لیکن مجھے نصیر اتنا ذہین نہیں معلوم ہوتا۔ بدتمیز ضرور ہے لیکن میں نہیں سمجھتا کہ وہ اتنی سی بات پر خون کر دینے پر آمادہ ہو جائے۔ عالیہ کے مسئلہ پر میں بھی دو ایک بار اُسے ڈانٹ چکا ہوں۔"

"نصیر اور صرف نصیر....!" اشرف آہستہ سے بڑبڑایا۔

"لیکن پھر جواہرات کہاں گئے۔"

"بہر حال میں بھی اس خط کو محض مذاق سمجھنے کے لئے تیار نہیں۔ اس کے پیچھے کوئی گہری سازش کام کر رہی ہے۔" اشرف نے کہا۔

سلیم نے میز کی دراز سے ایک ریوالور نکال کر اپنی جیب میں ڈال لیا۔

سلیم دن بھر اکتایا اکتایا سا نظر آتا رہا۔ نصیر سب سے ناراض ہو کر پورٹیکو میں ٹہل رہا تھا۔ ڈاکٹر قدیر حسب معمول کھانا کھا کر شہر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد پورٹیکو میں نصیر کی ماں بیگم عارف بھی دکھائی دی۔ دونوں آہستہ آہستہ کچھ باتیں کر رہے تھے۔ نصیر کی حرکات و سکنات سے غصہ ظاہر ہو رہا تھا۔ کبھی کبھی اس کی آواز بلند بھی ہو جاتی تھی۔ بیگم عارف نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے شاید اندر لے جانا چاہا لیکن اس نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ پھر وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اور پھولوں کی کیاریاں پھلانگتا مہندی کی قد آدم باڑھ کے پیچھے غائب ہو گیا۔

بیگم عارف چند لمحے کھڑی بسورتی رہی پھر وہ بھی اندر چلی گئی۔

گرمیوں کی دوپہر تھی۔ دھوپ میں تیزی ضرور تھی، لیکن ہوا گرم نہیں تھی۔ پھر بھی کھانا کھا چکنے کے بعد وہ سب تقریباً اونگھنے لگے تھے۔ ان میں سے کچھ سو گئے اور کچھ اونگھتے رہے۔ بیگم عارف اور بیگم نواز نصیر کے رویئے پر لڑ جھگڑ کر سو گئی تھیں۔ عالیہ اپنے کمرے میں کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔

تین بجے ڈاکٹر قدیر خلاف توقع واپس آ گیا۔ نصیر تو اسی وقت سے غائب تھا اور اشرف شائد دولت گنج کے تھانے کی طرف نکل گیا تھا۔

چار بجے دفعتاً پائیں باغ میں شور سنائی دیا۔

اور پیلی کوٹھی والوں کو ایک دوسرے حادثے کے لئے تیار ہو جانا پڑا۔ سلیم عقیق البحر کی کیاریوں کے قریب پڑا کراہ رہا تھا۔

"کیا ہوا....!" قدیر بے تحاشہ اس پر جھکتا ہوا بولا۔

"اشرف....اشرف.... بیٹے۔" سلیم کربناک انداز میں چیخا۔ "وہی سور....وہی سور"

"کیا ہوا....!" قدیر نے اُسے پھر جھنجھوڑا اور سلیم کی پتھرائی ہوئی آنکھوں سے نزع جھانکنے لگی۔

"اشرف....!" وہ پھر چیخا۔

اتنے میں اشرف پھاٹک میں داخل ہوا۔ کیاریوں کے قریب بھیڑ دیکھ کر وہ بے تحاشہ دوڑا

"ارے یہ کیا ہوا....؟"

"اشرف....!" سلیم پھر چیخا۔ وہ اپنی ایک انگلی اس طرح دبائے ہوئے تھا جیسے کانٹا لگ گیا ہو

"یہ کیا ہوا....!" اشرف اُسے اٹھانے کے لئے جھک گیا۔

"بیٹے....!" سلیم اشرف کی آغوش میں چیخا اور تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔

"ارے یہ کیا ہوا۔" اشرف لاش سمیت دھڑام سے زمین پر آرہا؟ وہ بیہوش ہو چکا تھا عورتیں بُری طرح چیخ رہی تھیں۔

ڈاکٹر قدیر نے بدقت تمام بیہوش اشرف کو سلیم کی لاش سے الگ کیا۔

تھوڑی دیر بعد پولیس آگئی اور اس بار خانہ تلاشی ہوئی کیونکہ ڈاکٹر قدیر نے اس موت کو کسی سریع الاثر زہر کا نتیجہ قرار دے دیا تھا۔ مرنے والے کے ناخن پیلے پڑ گئے تھے اور اس کے ... سے ہرے رنگ کا رقیق مادہ بہہ رہا تھا۔

ان کیاریوں میں دیکھ بھال کرنے پر پولیس کو وہاں ایک بھرا ہوا ریوالور پڑا ملا جس سے ابھی گولی نہیں چلائی گئی تھی۔ اشرف نے اس ریوالور کی شناخت کرتے ہوئے وہ عجیب و غریب ... پولیس کے حوالے کر دیا، جو آج صبح ڈاک سے اس کے باپ کو موصول ہوا تھا۔

اس دن نصیر بہت رات گئے واپس آیا اور نہ جانے کیوں وہ اس موت پر بے اختیار رو پڑا حالانکہ کرنل کی موت پر اس کی آنکھیں بھیگی تک نہیں تھیں۔

وہ جانور

صبح بہت خوشگوار تھی، ابھی سورج طلوع نہیں ہوا تھا۔ سرجنٹ حمید فریدی کی کوٹھی کے عقبی پارک میں دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے کھڑا تھا۔ چہرہ بھی اوپر ہی کی طرف اٹھا ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ایڑیاں اٹھائے بغیر اپنا جسم آہستہ آہستہ اوپر کی طرف تان رہا ہو۔ ماتھے کی رگیں پھول آئی تھیں اور چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ ایک ننھا منا سا فاکس ٹیریئر اس کے پیروں سے لگا ہوا ان سے اپنا جسم رگڑ رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ بھونکتا ہوا اس کے گرد چکر لگا کر اس کی پتلون کا پائنچہ کھینچنے لگتا۔

"ہوں۔ ہوں۔"

کتے نے پھر اس کا پائنچہ کھینچا۔

"ابے ہٹ....!" حمید بدستور ہاتھ اٹھائے بولا۔

اب کی کتے نے جست لگائی اور اس کے سینے تک آگیا۔ حمید اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔

"ارے.... تیری.... سُوّر کے بچے۔" وہ جھلا کر اس کے پیچھے دوڑا۔ کتا کوٹھی کی طرف بھاگ رہا تھا اور حمید اس کے پیچھے تھا۔ دفعتاً فریدی نے اُسے آواز دی جو لائبریری کی کھڑکی سے باہر جھانک رہا تھا۔

حمید اس کی طرف پلٹ آیا۔

"اندر آؤ....!" فریدی نے کہا۔

"پہلے اس لکی کے بچے کی ٹانگیں توڑ دوں۔"

"کیوں خواہ مخواہ اس کے پیچھے پڑے ہو۔"

"خواہ مخواہ....!" حمید بھنا کر بولا۔ "میں ان سارے کتوں کو چن چن کر زہر دے دوں گا۔"

"چلو خیر! تمہیں شاید یہ بھی نہ معلوم ہو کہ کتوں کو کونسا زہر دیا جاتا ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

حمید بھنبھناتا ہوا لائبریری میں چلا گیا۔

"تو کیا آپ رات بھر یہیں بیٹھے رہے۔" حمید نے فریدی کو گھورتے ہوئے کہا۔

فریدی اس وقت بھی وہی کپڑے پہنے ہوئے تھا جو اس نے پچھلی رات کو پہن رکھے تھے اور میز پر رکھا ہوا ایش ٹرے سگار کے جلے ہوئے ٹکڑوں سے پُر تھا۔

"ہاں....!"

"کیوں....!"

"میں آج کل بہت پریشان ہوں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"میں آپ کی پریشانی کی وجہ دریافت نہیں کروں گا۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔

"کیوں....!"

"اس لئے کہ میں اس سے واقف ہوں۔"

"کیا....؟"

"شہر میں کسی عورت نے کوئی ایسا بچہ جن دیا ہوگا جس کے تین سر ہوں گے۔" حمید نے کہا۔

فریدی بے اختیار مسکرا پڑا۔

"یا پھر کوئی گدھا آدمیوں کی طرح بولنے لگا ہوگا۔" حمید پھر بولا۔

"خیر وہ تو بڑی دیر سے بول رہا ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

حمید کھسیانے انداز میں دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"میں اس لئے پریشان ہوں کہ تم جیسے کاہل آدمی نے آج کل ورزش کیوں شروع کر دی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"میں آج کل ہپناٹزم کی مشق کر رہا ہوں۔" حمید اکڑ کر بولا۔

"اچھا جی!" فریدی آنکھیں پھیلا کر بولا۔

"جناب والا....!" حمید نے قدرے جھک کر کہا۔

"بھلا یہ مشق کس قسم کی تھی، جس میں کتا تمہارا ساتھ دے رہا تھا۔"

"قوت ارادی بڑھتی ہے اس سے۔"

"وہ کس طرح۔"

"ایڑیاں اٹھائے بغیر جسم کو تانتا چلا جاتا ہوں اور یہ محسوس کرتا ہوں جیسے میں آسمان کو چھو رہا ہوں۔"

"بہت اچھے۔" فریدی ہنس پڑا۔

"آپ کے لئے ہر بات مضحکہ خیز ثابت ہو جاتی ہے۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔

"خواہ مخواہ جھک مت مارو۔"

"میں بددل نہیں ہو سکتا۔ اس مشق کو جاری رکھوں گا۔" حمید نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔"

"کیوں....!"

"سب سے پہلے اضطراری افعال پر قابو پانا سیکھو۔" فریدی نے کہا۔ "اب یہی دیکھو.... خواہ مخواہ بیٹھے بیٹھے دونوں ٹانگیں ہلا رہے ہو۔ اس سے فائدہ۔ جسم کی ہر وہ حرکت جس سے انرجی ضائع ہوتی ہو ذہن کو یکسوئی نہیں دے سکتی۔ ہپناٹزم کے لئے ذہن اور جسم کی ہم آہنگی ضروری ہے۔ تمہارا ذہن تمہارے جسم کی اس حرکت سے قطعی بے تعلق ہے، مگر میں کہتا ہوں کہ یک بیک تم پر اس کا بھوت کیوں سوار ہو گیا۔"

"آپ میری ہر بات کو خبط کیوں قرار دیتے ہیں۔" حمید بگڑ گیا۔

"اس لئے کہ تم کسی معاملے میں مستقل مزاج نہیں ثابت ہوئے۔"

"اس بار ثابت کر دکھاؤں گا۔"

"خیر.... خیر.... تم کسی نیک ارادے کے تحت ایسا نہیں کر رہے ہو۔"

"یعنی....!"

"کسی احمق نے کہہ دیا ہوگا کہ ہپناٹسٹ کی آنکھوں میں بے پناہ کشش پیدا ہو جاتی ہے۔"

"یہ تو مسلمہ ہے۔"

"اور اسی لئے تم پر ہپناٹزم کا خبط سوار ہو رہا ہے۔ تاکہ بوڑھی عورتوں کو اپنی طرف کھینچ سکو۔ کیوں ہے نا یہی بات۔"

"آپ کے سر پر تو ہر وقت عورت سوار رہتی ہے۔" حمید نے فریدی کے لہجے کی نقل اتاری۔

"بہت اچھے۔" فریدی ہنس پڑا۔

"میں یہ پوچھ رہا تھا کہ آخر آپ پچھلی رات سوئے کیوں نہیں۔" حمید نے کہا۔

"میں نے یہی بتانے کے لئے تمہیں آواز دی تھی۔" فریدی بولا۔ "کل تم بیکاری کی شکایت

کر رہے تھے نا۔"

"آئی شامت....!" حمید منہ بنا کر بولا۔

"ڈرو نہیں۔" فریدی نے کہا اور میز کی دراز سے کاغذ کا ایک ٹکڑا نکال کر حمید کی طرف بڑھا دیا۔

حمید اس کاغذ کو دیکھتے ہی پہلے تو ہنسا پھر اس طرح منہ بنانے لگا جیسے رو دینے کا ارادہ کر رہا ہو۔

"کیوں....؟" فریدی نے اُسے اپنی طرف مخاطب کیا۔

"میں ہنسا اس لئے کہ چلو پیچھا چھوٹا اور رویا اس لئے کہ اب چھوٹے چھوٹے بچے آپ پر پتھر چلائیں گے۔" فریدی بے اختیار مسکرا پڑا۔

"یہی وہ تصویر ہے۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔ "جسے دیکھ کر حاتم طائی نے کہا تھا، ایک بار دیکھا ہے دوسری بار چشمہ لگا کر دیکھنے کی ہوس ہے اور حاتم اس کلیے کو سن کر اتنا رویا تھا کہ بحر عرب کی ساری مچھلیاں درختوں پر چڑھ گئی تھیں اور پھر جب تک حمام باد گرد کا پتہ نہیں لگ گیا تھا ماہی گیر درختوں پر پتھر چلا کر اپنی بسر اوقات کرتے رہے تھے....اور....!"

"شٹ اپ....!"

حمید منہ سکوڑ کر وہ کاغذ واپس کرنے ہی جا رہا تھا کہ رک کر پھر کچھ دیکھنے لگا۔

پھر وہ دانت پر دانت جما کر بولا۔ "ہائے ہائے یہ کس لڑکی کی درد میں ڈوبی ہوئی چیخ ہے۔"

"ادھر لاؤ۔" فریدی نے کاغذ اسکے ہاتھ سے لے کر کہا۔ "اب چپ چاپ یہاں سے چل دو۔"

"آخر اس ناراضگی کی وجہ۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"تم کسی وقت سنجیدہ نہیں رہ سکتے۔"

"تو کیا واقعی یہ سنجیدگی کا موقع تھا۔"

"بکومت....!"

"کمال کر دیا آپ نے۔" حمید بھنا کر بولا۔ "بے تکے کارٹون دیکھا کر مجھے سنجیدہ رہنے کی تلقین فرماتے ہیں....کیا سچ مچ۔"

"جی ہاں....میرا دماغ چل گیا ہے۔" فریدی نے منہ سکوڑ کر کہا۔

پھر خاموشی چھا گئی۔ دونوں ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔ حمید تھوڑی دیر بعد پھر مسکرا دیا۔

"اگر آپ رات بھر مصوری کی مشق کرتے رہنے کے بعد اتنی حسین تصویر بنانے میں

کامیاب ہوئے ہیں تو میں تہہ دل سے آپ کی خدمت میں مبارک باد پیش کرنے کے امکانات پر غور کرنے کا ارادہ کر رہا ہوں۔"

"یہ مذاق نہیں ہے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

حمید اس کی سنجیدگی دیکھ کر یک بیک چونک پڑا اور اس نے محسوس کیا کہ فریدی سچ مچ سنجیدہ ہے۔ پھر اس کی نظر جواب طلب انداز میں فریدی کے چہرے پر جم گئی۔

"دولت گنج کی عمارت پیلی کوٹھی کے کیس کے متعلق اخبار میں کچھ دیکھا تھا۔" فریدی نے سوال کیا۔

"ہاں....ہاں....وہی کرنل شمشاد....!"

"جی نہیں کرنل جواد....تمہاری یادداشت بڑی مایوس کن ہے۔"

"چلئے....نام سے شخصیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"پھر پرسوں اس کا بھائی بھی پُراسرار حالات میں موت کا شکار ہو گیا۔"

"کل کے اخبار میں یہ بھی پڑھا تھا۔" حمید نے کہا۔ "اور یہ بھی جانتا ہوں کہ اپنی ہی شامت آئے گی۔ لہٰذا شامت آنے سے پہلے ناشتہ تو کر لیجئے۔"

فریدی پھر اسے گھورنے لگا۔

"اس طرح کیوں گھور رہے ہیں۔ میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔"

"تم احمق ہو۔" فریدی نے کہا اور میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ تھوڑی دیر بعد ایک نوکر آیا۔

"چائے یہیں دے جاؤ۔" فریدی نے کہا اور نوکر چلا گیا۔

"یہ کیس دولت گنج کے تھانے سے اپنے یہاں بھیج دیا گیا ہے۔" فریدی اس کاغذ کے ٹکڑے پر نظر جماتے ہوئے بولا۔

حمید کچھ نہ بولا اور کھڑکی کے باہر دیکھ رہا تھا۔ سورج طلوع ہو چکا تھا اور باہر نرم نرم گھاس پر پڑے ہوئے نقرئی قطروں سے کئی طرح کے رنگ جھلکنے لگے تھے۔

"اور یہ خط" فریدی حمید کی طرف دیکھ کر بولا۔ "سلیم کو اسی صبح کو موصول ہوا تھا جس دن اس کی موت واقع ہوئی۔"

"کون سا خط....!" حمید نے پوچھا۔

"یہی....!" فریدی نے کاغذ کے ٹکڑے کی طرف اشارہ کیا۔

"تو آپ نے تفتیش شروع کر دی۔"

"ابھی نہیں.... ابھی تو میں تھا۔ نہ داروں کی رپورٹ پر غور کر رہا ہوں۔"

حمید کچھ سوچنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "کرنل کا کوئی نوکر بھی تو غائب ہو گیا تھا۔"

"ہاں.... اور وہ ابھی تک لاپتہ ہے۔"

"اس تصویر کے نیچے کی تحریر عجیب ہے۔" حمید نے کہا۔

"اور خود اس تصویر کے متعلق کیا خیال ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"یہ تصویر۔" حمید تصویر کو فریدی کے ہاتھ سے لے کر کچھ سوچتا ہوا بولا۔ پھر تھوڑی دیر تک اس پر نظر جمائے رہنے کے بعد کہنے لگا۔ "میرے خیال سے یہ چڑچیت سؤر کی تصویر ہے۔"

"کیا....؟"

"چڑچیت سؤر۔" حمید محققانہ انداز میں بولا۔ "کیونکہ سر چڑیا جیسا ہے جسم پر چیتے جیسی دھاریاں ہیں اور جسم کی بناوٹ اسے سؤر ظاہر کرتی ہے۔ لہٰذا اس کا نام چڑچیت سؤر ہے۔ ٹمبکٹو میں پایا جاتا ہے۔ وہاں کے لوگ اس کی بہت عزت کرتے ہیں۔ اکثر پیارے خالو بھی کہتے ہیں۔ بعض محققین کی رائے ہے خالو نہیں بھالو کہتے ہیں لیکن فاہیان اسے جنبھالو کہنے پر مصر ہے اور ابن بطوطہ نے تو شفالو کہہ کر بمشکل جان بچائی ہے لیکن اس ناہنجار یعنی حمید ولد وحید ساکن پورٹ سعید کی جان بچتی نظر نہیں آتی۔ الا ماشاء اللہ۔"

"بک چکے....!" فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔

"یقین نہ آئے تو ہدایت نامہ خاوند کا صفحہ ۲، ۳ ملاحظہ فرمایئے۔" حمید اُسی موڈ میں بولا۔ "تمام پرائیویٹ حالات کھول کھول کر لکھ دیئے گئے ہیں۔ اگر فائدہ نہ ہو تو ایمان دھرم سے کہہ دینے پر پوری رقم ہضم....!"

"اب چپ بھی رہو.... ورنہ سر توڑ دوں گا۔" فریدی نے کہا۔

اتنے میں چائے آگئی اور حمید یہ بھی بھول گیا کہ اس نے بات کہاں سے چھوڑی تھی۔ فریدی خاموشی سے ناشتے میں مشغول رہا۔ اس کے ماتھے پر شکنیں پڑی ہوئی تھیں اور آنکھیں کسی گہری سوچ کا پتہ دے رہی تھیں۔

دفعتاً برآمدے میں لگی ہوئی گھنٹی بجی۔

"شاید وہ آگئے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"کون....!" حمید نے پوچھا۔

"ڈاکٹر قدیر.... اور کیپٹن اشرف....!"

"کون ڈاکٹر قدیر.... راجروپ نگر والا۔"

"نہیں کرنل جواد کا بھانجا۔ ہملٹن روڈ پر جس کا دواخانہ ہے۔"

"اچھا وہ! وہ تو کئی بار کتوں کے سلسلے میں یہاں آچکا ہے۔" حمید نے کہا۔

"اور کیپٹن اشرف.... کرنل کا بھتیجا اور وارث ہے۔ لیکن میں اُس سے شخصی طور پر واقف نہیں۔ کل رات کو ڈاکٹر قدیر نے فون پر کہا تھا کہ وہ دونوں مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"تو یہ کیپٹن اشرف شائد اسی شخص کا لڑکا ہے جس کی موت کرنل کے بعد واقع ہوئی۔" حمید نے کہا۔

"بہت دیر میں سمجھے۔"

اتنے میں نوکر دو ملاقاتی کارڈ لے کر آیا۔

"انہیں یہیں لے آؤ۔" فریدی نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر قدیر اور کیپٹن اشرف لائبریری میں داخل ہوئے۔

رسمی گفتگو ہونے کے بعد فریدی نے انہیں ناشتے میں شریک ہونے کی دعوت دی۔

"غالباً آپ لوگ اسی کیس کے سلسلے میں تشریف لائے ہیں۔" ڈاکٹر قدیر سے فریدی نے پوچھا۔

"آپ ٹھیک سمجھے۔" قدیر نے کہا۔

"آپ نہ بھی آتے تو تھوڑی دیر میں ہم ہی آپ تک پہنچتے۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ "کیونکہ کیس ہمارے محکمے میں آگیا ہے۔"

"یہ تو بہت اچھا ہوا۔" ڈاکٹر قدیر نے کہا۔ "ورنہ پولیس سے تو کسی قسم کی توقع نہیں۔"

"آپ کا خیال ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "ورنہ اس کیس میں تو کچھ بھی نہیں رکھا ہے۔"

قدیر اور اشرف چونک کر فریدی کو غور سے دیکھنے لگے۔

"کیا کرنل کو بھی اس قسم کا کوئی خط ملا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہمیں اس کی اطلاع نہیں۔" کیپٹن اشرف نے قدیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ قدیر نے سر ہلا کر اس کی تائید کی۔

"آپ کے والد کی موت کے وقت انکے قریب کون کون تھا۔" فریدی نے اشرف سے پوچھا۔

"ایک تو میں ہی تھا۔" ڈاکٹر قدیر نے کہا۔ "اور تین عورتیں، پانچ نوکر۔"

"سب یہیں موجود ہیں۔"

"جی ہاں۔"

"ان کی چیخ سن کر سب سے پہلے اُن کے پاس کون پہنچا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"میں....!" ڈاکٹر قدیر نے کہا۔

"وہ غالباً اس وقت زندہ ہی تھے؟" فریدی نے کہا۔

"جی ہاں....!"

"انہوں نے کچھ کہا تھا۔"

"کچھ نہیں.... اشرف کو پکار رہے تھے۔"

"حالت کیا تھی۔"

"انہوں نے اس طرح اپنی ایک انگلی دبا رکھی تھی جیسے کانٹا لگ گیا ہو۔"

"ہوں.... اور پوسٹ مارٹم کی رپورٹ اس موت کو بھی زہر ہی کی وجہ قرار دیتی ہے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"جی ہاں....!"

"اور زہر پھیلنے کا ذریعہ غالباً وہ کانٹا قرار دیا گیا ہوگا۔" فریدی نے کہا۔

"ہو سکتا ہے۔" ڈاکٹر قدیر بولا۔

"میں نے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ بھی پڑھی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "خیر.... ہاں تو.... اس ملازم رفیق کے علاوہ بھی آپ کسی کو مشتبہ سمجھتے ہیں۔"

"ہمارا شبہ تو اس پر بھی نہیں۔" کیپٹن اشرف نے کہا۔

پھر اس نے رفیق کے متعلق فریدی کو سب کچھ بتا دیا۔

"اچھا اس تصویر کے نیچے والی تحریر پر بھی آپ کچھ روشنی ڈال سکتے ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"قطعی نہیں...." کیپٹن اشرف بولا۔ "خود والد مرحوم اسے دیکھ کر حیرت میں پڑ گئے تھے۔"

فریدی کچھ اور پوچھنے جا رہا تھا کہ دفعتاً ڈاکٹر قدیر بول پڑا۔

"ٹھہریئے.... اس وقت اب ایک بات اور یاد آ رہی ہے، جو میں اپنے بیان میں لکھوانا بھول گیا تھا۔"

فریدی اُسے جواب طلب نظروں سے دیکھنے لگا۔

"چھوٹے ماموں نے اشرف کو پکار کر یہ بھی کہا تھا.... وہی سور.... وہی سور۔"

"اوہ....!" فریدی کچھ بے چین سا نظر آنے لگا۔ "یہ بہت اہم بات تھی۔"

وہ آہستہ سے بولا۔ "کوئی اور بات۔"

"اور کچھ نہیں.... بس دیکھتے ہی دیکھتے ختم ہو گئے۔"

"اور ان کا پستول عقیق البحر کی کیاری میں ملا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

فریدی کچھ دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

"بہتر ہے میں گیارہ بجے تک آپکے یہاں آؤں گا۔ گھر کے ہر فرد کی موجودگی ضروری ہے۔"

تھوڑی دیر وہ بعد دونوں اٹھ کر چلے گئے۔

"کیوں بھئی کیا خیال ہے۔" فریدی نے حمید سے پوچھا۔

"ان حضرت کے بیان سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرنے والے کو وہ سؤر دکھائی بھی دیا تھا۔"

"معلوم تو یہی ہوتا ہے۔"

"اور آپ اس پر یقین رکھتے ہیں۔"

"میں نے یہ بھی تو نہیں کہا۔ ویسے ڈاکٹر قدیر کے بیان کے انداز سے تو یہی معلوم ہوتا ہے۔"

"ہوگا.... لیکن میں یقین کرنے کیلئے تیار نہیں کہ اس قسم کے کسی سؤر کا وجود بھی ہے۔" حمید نے کہا۔

"ٹھیک ہے اس کی کوئی مستقل قسم نہیں ہے لیکن ایک آدھ ایسے بھی ہو سکتے ہیں۔ کیا تم نے چار آنکھوں اور تین سینگوں کے بیل نہیں دیکھے۔"

"بہت دیکھے ہیں لیکن....!"

"فکر کی بات نہیں! فی الحال اس جانور کو زیادہ اہمیت دینے کی ضرورت نہیں۔"

"پھر.....!"

"پھر کچھ بھی نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اس وقت تم نے پیسٹریاں بہت کم کھائیں۔"

گوشت میں دھواں

فریدی اور حمید کئی گھنٹے سے پیلی کوٹھی میں چھان بین کر رہے تھے۔ نصیر کے علاوہ گھر کے سارے افراد موجود تھے۔ نصیر غالباً صبح ہی سے غائب تھا۔ فریدی نے کرنل کے کاغذات بھی دیکھے۔ اس کی خواب گاہ کا بھی جائزہ لیا۔ پھر کیپٹن اشرف نے فریدی کو بھی بتایا کہ اس نے اپنے باپ کی زبانی کرنل کے کچھ جواہرات کا تذکرہ بھی سنا تھا اور یہ بھی سنا تھا.... کہ وہ غائب ہیں۔ اس نے بتایا کہ وہ خود اس قسم کی کسی چیز سے ذاتی طور پر واقف نہیں تھا۔

"کیا انہوں نے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ جواہرات رکھے کہاں جاتے تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں انہوں نے یہ نہیں بتایا۔"

"تو پھر آپ صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ آپ گمشدہ نوکر رفیق کی طرف سے مشکوک ہیں۔"

"والد صاحب کا شبہ اس پر نہیں تھا۔"

"کیا انہوں نے کسی اور پر بھی شبہ ظاہر کیا تھا۔" فریدی نے پوچھا اور پھر اس نے یہ محسوس کیا کہ کیپٹن اشرف کچھ ہچکچا رہا ہے۔

"اس سوال کا جواب بہت ضروری ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اب میں کیا بتاؤں! انہوں نے ایسی بات کہی تھی کہ یہ سمجھ لیجئے....!" کیپٹن اشرف کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"کہئے کہئے۔"

"اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ وہ مجھ پر بھی شبہ کر سکتے تھے۔"

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔" فریدی نے کہا۔ "صاف صاف کہئے نا۔"

"بس یہی سمجھ لیجئے۔"

"لیکن آپ کا لہجہ بتا رہا ہے کہ یہ حقیقت نہیں ہے۔"

اشرف خاموش ہو گیا۔ وہ بے بسی سے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس بات کے چھیڑ دینے پر پشیمان ہو۔

"دیکھئے۔" فریدی نرم لہجے میں بولا۔ "جب تک آپ لوگ صاف صاف باتیں نہ بتائیں گے میں کچھ نہ کر سکوں گا۔"

"کس طرح کہوں۔"

"وہ تو بتانا ہی پڑے گا۔" اس بار فریدی کا لہجہ قدرے درشت تھا۔

"انہیں بھائی قدیر پر شبہ تھا۔" اشرف نے آہستہ سے کہا۔

"شبہے کی وجہ بھی بتائی تھی انہوں نے۔"

اشرف نے اپنی اور اپنے والد کی وہ ساری گفتگو دہرا دی جو اس کے مرنے سے چند گھنٹے پیشتر ہوئی تھی، لیکن اس نے نصیر کے متعلق کچھ نہ کہا۔ اُس نے یہ نہیں بتایا کہ خود اس کا شبہ نصیر پر تھا۔ بیانات سے فرصت پانے کے بعد فریدی اور حمید پائیں باغ میں آ گئے۔ وہ اسی کیاری کے قریب کھڑے ہوئے تھے جہاں سلیم مرنے سے قبل گرا تھا۔

حمید بھی کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

"کیوں کیا کسی خاص نتیجے پر پہنچ گئے ہو۔" فریدی نے اس سے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"کیا.....!"

"حسن چاہے جہاں نظر آئے قابل پرستش ہے۔"

"تو تم اتنی دیر اسی پر غور کرتے رہے۔" فریدی نے منہ بنا کر پوچھا۔

"کیوں کیا اس پر غور کرنا جرم ہے۔"

فریدی کے چہرے سے بیزاری ظاہر ہو رہی تھی۔ وہ تھوڑی دیر تک کیاری کے قریب کی جھاڑیوں میں دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔

"عقیق البحر میں کانٹے نہیں ہوتے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "اور یہ بھی ظاہر ہے کہ کوئی ان کیاریوں میں نہیں چھپ سکتا۔ لامحالہ اُسے جھاڑیوں میں چھپنا پڑا ہوگا۔"

"کسے چھپنا پڑا ہوگا۔" حمید نے پوچھا۔

"وہی جس نے سلیم کی انگلی میں زہر کا انجکشن لگایا تھا۔"

"زہر کا انجکشن....!"

"اور کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ خود بخود اس کے جسم میں زہر پھیل گیا۔" فریدی پر خیال انداز میں بولا۔ "دولت گنج کی پولیس نے بہت دیر کردی۔"

"تو پھر کیپٹن اشرف کا شبہ بھی ضرور وزن رکھتا ہے۔" حمید نے کہا

"ہوسکتا ہے۔"

فریدی جھاڑیوں میں گھس گیا۔ وہ تھوڑی دیر تک وہاں جھکا ہوا کچھ دیکھتا رہا۔ پھر باہر آگیا۔ اس کے ہاتھ میں حمید نے ایک سرخ رنگ کا رومال دیکھا جو اس کا نہیں تھا۔

"یہ رومال....!"

"جھاڑیوں میں تھا۔" فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "اشرف نے ڈاکٹر قدیر پر شبہ ظاہر کیا ہے، لیکن حقیقتاً وہ اس شخص کی طرف سے مشکوک معلوم ہوتا ہے، جس کا نام اس نے نصیر بتایا ہے۔"

"ہوسکتا ہے۔" حمید نے کہا۔ "لیکن میں.... میں تو اس بات پر غور کررہا ہوں کہ کیا سچ مچ مرنے سے پہلے اُسے وہ عجیب و غریب جانور دکھائی دیا تھا۔"

"میں فی الحال اس کے متعلق کچھ نہیں سوچنا چاہتا۔" فریدی نے کہا۔ "ضروری نہیں کہ اُسے وہ سُور دکھائی دیا ہو۔"

"پھر وہ سُور سُور کیوں چیخا تھا۔"

"اس سے یہ تو نہیں ثابت ہوتا کہ اس نے سچ مچ وہ سُور دیکھا ہی ہو۔ وہ اپنا جملہ نہیں پورا کرسکا تھا کہ اس کی جان نکل گئی تھی۔ ممکن ہے وہ کچھ اور کہتا۔"

حمید پرخیال انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"تمہیں یہ نہ بھولنا چاہئے۔" فریدی نے کہا۔ "کہ زہر کا انجکشن دینے میں بھی کچھ وقت لگا ہوگا اور سلیم ان جھاڑیوں کے قریب ضرور آیا ہوگا اگر اسے وہ سُور دکھائی دیا ہوتا تو وہ دور ہی سے اس پر فائر کرتا۔"

"پھر آخر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔" حمید بے چینی سے بولا۔

"یہاں بھی سُور کی تصویر۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "ممکن ہے ان جھاڑیوں میں اسے سُور کی تصویر دکھائی دی ہو اور وہ اسے نکالنے کے لئے یہاں تک آیا ہو اور جھاڑی میں چھپے ہوئے کسی نامعلوم آدمی نے اسی دوران میں اس کی انگلی میں زہر کا انجکشن دے دیا ہو۔"

"آخر آپ انجکشن ہی پر کیوں زور دے رہے ہیں۔"

"وہ یوں کہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ بھی یہی بتاتی ہے۔"

"ڈاکٹر قدیر آرہا ہے۔" حمید یک بیک آہستہ سے بولا۔

"آنے دو۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور وہ سرخ رومال جیب میں رکھ لیا جو اُسے جھاڑیوں میں ملا تھا۔ ڈاکٹر قدیر اُن کے قریب آکر رک گیا۔

"نصیر صاحب نہیں آئے۔" فریدی نے اس سے پوچھا۔

"اس کا کچھ ٹھیک نہیں معلوم کب آئے۔"

"سلیم صاحب والی پوسٹ مارٹم رپورٹ کے متعلق آپ کو کوئی علم ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں وضاحت کے ساتھ مجھے کچھ نہیں معلوم ہوسکا۔"

"مثلاً زہر کا انجکشن....!" فریدی اُسے پرخیال انداز میں دیکھتا ہوا بولا۔

"میں نے پہلے ہی اس کا اندازہ لگالیا تھا۔" قدیر نے کہا۔ "میں خود یہ جانتا ہوں کہ عقیق البحر کے پودوں میں کانٹے نہیں ہوتے۔"

"آپ کے علاوہ گھر میں کوئی اور بھی اس قسم کی رائے رکھتا ہے۔"

"کسی نے اس کا اظہار نہیں کیا....؟" قدیر نے کہا۔

"اب ذرا مجھے یہ بتائیے کہ کرنل صاحب کی لاش کہاں پائی گئی تھی۔" فریدی نے تھوڑے توقف کے بعد کہا۔

قدیر ان کی رہنمائی کرنے لگا اور وہ پھاٹک سے نکل کر تقریباً دو تین سو گز کے فاصلے پر آکھڑے ہوگئے۔

"غالباً یہاں گرے تھے۔" قدیر نے کہا۔

"آپ تو شائد اس موقع پر موجود نہیں تھے۔" فریدی بولا۔

"ہاں میں شہر میں تھا اور اس وقت واپس آیا تھا جب پولیس چھان بین کر رہی تھی۔"

"خیر....!" فریدی نے کہا۔ "اچھا تو تھوڑی دیر بعد پھر میں آپ کو تکلیف دوں گا۔" اور ڈاکٹر قدیر کا مطلب سمجھ کر کوٹھی کی طرف لوٹ گیا۔

فریدی بغور زمین کی طرف دیکھ رہا تھا۔ یہاں بے شمار سنگریزے بکھرے ہوئے تھے اور اس حصے کی سطح بھی کچھ اونچی تھی۔ فریدی نے جیب سے محدب شیشہ نکالا اور ان سنگریزوں کو اس کی مدد سے دیکھنے لگا۔ پھر سر اٹھا کر حمید سے بولا۔ "کار سے چمڑے کا تھیلا اور واکنگ اسٹک نکال لاؤ۔"

"کیا چہل قدمی کا ارادہ ہے۔"

"جلدی کرو۔" فریدی نے منہ بنا کر کہا۔

دھوپ تیز تھی۔ حمید طرح طرح کے منہ بناتا ہوا چل دیا۔ اس نے ابھی تک فریدی کے چہرے پر وہ آثار نہیں دیکھے تھے جس سے یہ ظاہر ہوتا کہ وہ اس کیس میں بہت زیادہ دلچسپی لے رہا ہے۔ حالانکہ یہ کیس بھی نوعیت کے اعتبار سے انتہائی پراسرار معلوم ہو رہا تھا۔

حمید نے کار سے تھیلا نکالا جو کافی وزنی معلوم ہو رہا تھا اور پھر اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب اس نے اس میں رکھی ہوئی چیز دیکھی۔ یہ کچے گوشت کے کئی ٹکڑے تھے۔ وہ تھوڑی دیر تک کھڑا انہیں حیرت سے دیکھتا رہا پھر واکنگ اسٹک اٹھا کر فریدی کی طرف چل پڑا۔

"یہ پیشہ زیادہ مناسب رہتا۔" حمید اُس کے آگے تھیلا ڈالتا ہوا بولا اور واکنگ اسٹک بھی اس کی طرف بڑھا دی۔

فریدی گوشت کا ایک ٹکڑا نکال کر اُسے واکنگ اسٹک کے سرے پر باندھنے لگا۔

"کیا آپ بھی مداریوں کی سی حرکتیں کیا کرتے ہیں۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔

"اگر مزہ نہ آئے تو پیسہ واپس۔" فریدی نے کہا۔ "حالانکہ ہم یہاں بہت دیر میں پہنچے ہیں لیکن دیکھو شاید ابھی کچھ مزہ باقی ہو۔"

فریدی واکنگ اسٹک کے گوشت بندھے ہوئے سرے کو آہستہ آہستہ قرب و جوار کی زمین پر پھیرنے لگا تھا۔

"کاش اس وقت میرے ہاتھ میں ایک ڈگڈگی اور بانسری ہوتی۔" حمید نے کہا اور فریدی ہنس پڑا۔

"اگر میں نہ ہوتا تو تم یہی سب کچھ کرتے ہوئے نظر آتے۔" اس نے کہا۔

حمید بظاہر اس کا مضحکہ اڑا رہا تھا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ اس کی حیرت بھی بڑھ رہی تھی۔ وہ اس سے قبل بھی کئی موقعوں پر فریدی کو اس سے زیادہ احمقانہ حرکتیں کرتے دیکھ چکا تھا اور اس کا تجربہ شاہد تھا کہ وہ بعد کو بہت ہی تحیر خیز انجام پر ختم ہو گئی تھیں۔ حمید کے ذہن میں کئی طرح کے خیالات گردش کرتے رہے۔

فریدی نے اس دوران میں بتائی ہوئی جگہ کا چکر لگا ڈالا۔ واکنگ اسٹک سنگریزوں پر پھیل رہی تھی۔

دفعتاً فریدی کے منہ سے ایک آسودگی آمیز آواز نکلی۔ حمید چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

وہ واکنگ اسٹک کے گوشت لگے ہوئے ٹکڑے کو بغور دیکھ رہا تھا اور اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔

"لو میاں حمید....!" اس نے واکنگ اسٹک اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ان سنگریزوں پر نہایت لذیذ قسم کا گوشت پکایا جا سکتا ہے۔"

حمید نے گوشت کے ٹکڑے کی طرف دیکھا۔ ایک پتلی سی دھوئیں کی لکیر اس سے نکل کر فضا میں بل کھا رہی تھی۔

"یہ کیا....!" حمید کی آنکھیں فرط حیرت سے پھیل گئیں۔

"مداری کے ہاتھ کی صفائی۔ اب بجاؤ ڈگڈگی۔"

"آخر یہ ہے کیا بلا۔" حمید آگے جھک کر دیکھتا ہوا بولا۔

جس جگہ سے دھواں نکل رہا تھا وہاں اُسے سفید رنگ کا ایک ننھا سا سنگریزہ دکھائی دیا۔ فریدی نے جیب سے ایک چھوٹی سی چمٹی نکالی اور سنگریزے کو اُس سے پکڑ کر اپنے پرس میں ڈال لیا۔

"ہمیں یہاں اسی طرح کے اور بھی سنگریزے تلاش کرنے ہیں۔ ورنہ پھر کسی کی جان جائے گی۔" فریدی نے کہا اور زمین پر جھک گیا۔

تقریباً آدھ گھنٹے کی محنت کے بعد ویسے ہی دو تین ذرے اور ملے۔

حمید اس دوران میں اس سے بہت کچھ پوچھتا رہا۔ لیکن فریدی نے اُسے کوئی تشفی بخش جواب نہ دیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں پیلی کوٹھی کی طرف جا رہے تھے۔

چار بج چکے تھے اور موسم بھی کچھ اعتدال پر تھا۔ پسینے میں شرابور کردینے والی تپش سے نجات مل گئی تھی۔ فریدی نے حمید کو کار میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"کیا اندر نہ چلئے گا۔" حمید نے کہا۔

"کیوں....؟" فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔

"میرا خیال ہے کہ میں نے ابھی ابھی ایک نئی صورت سامنے والی کھڑکی میں دیکھی تھی۔"

"یقیناً وہ کوئی عورت رہی ہوگی۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور اگلی نشست پر بیٹھ کر کار اسٹارٹ کردی، لیکن دوسرے ہی لمحے میں اُسے مشین بند کردینی پڑی۔ ڈاکٹر قدیر پورٹیکو سے اُسے رکنے کا اشارہ کررہا تھا۔ فریدی اس کی طرف دیکھنے لگا۔ ڈاکٹر قدیر تیز قدموں سے آتا دکھائی دیا۔

"فریدی صاحب! ایسی بھی کیا بے مروتی۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "میرے خیال سے ہمارے تعلقات نئے نہیں۔"

"قطعی نہیں! بھلا اس کے اظہار کی کیا ضرورت تھی۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"ہم نے آپ ہی لوگوں کے انتظار میں شام کی چائے نہیں پی۔" قدیر نے کہا۔ "اور آپ ہیں کہ اس طرح چپ چاپ چلے جارہے ہیں۔"

فریدی اور حمید کار سے اتر آئے۔

ڈرائنگ روم میں گھر کے سارے افراد موجود تھے۔ نصیر بھی واپس آگیا تھا۔ غالباً حمید نے اسی نئی صورت کے متعلق کہا تھا۔ نصیر کے علاوہ بقیہ لوگوں سے وہ پہلے ہی متعارف ہوچکے تھے۔

فریدی نصیر کو تھوڑی دیر تک متجسس نظروں سے دیکھتا رہا۔ لیکن اس سے کچھ پوچھا نہیں۔ نہ جانے کیوں حمید اُس سے چند سوالات کرنا چاہتا تھا۔ گھر والوں کے بیان کے مطابق انہیں معلوم ہوا تھا کہ نصیر سلیم کی موت پر بے تحاشہ رو دیا تھا جب کہ کرنل کی موت پر اس کے چہرے پر شکن تک نہ آئی تھی۔ حمید اس کے متعلق بہت کچھ سوچ رہا تھا لیکن تھوڑی دیر بعد اس نے سارے خیالات اپنے ذہن سے نکال پھینکے۔ کیونکہ عالیہ ڈاکٹر قدیر سے گفتگو کرتے وقت بڑے دلآویز انداز میں مسکرا رہی تھی۔

دفعتاً فریدی نے وہ رومال نکالا جو اُسے جھاڑیوں میں پڑا ملا تھا اور اُسے میز پر رکھ کر چٹکی سے مسلنے لگا۔ لیکن خود حمید کو بھی یہ محسوس نہ ہوسکا کہ فریدی نے یہ حرکت ارادتاً کی ہے۔ بس !

معلوم ہورہا تھا جیسے باتوں کی رو میں قطعی غیر ارادی طور پر اُس سے یہ حرکت سرزد ہوئی ہو۔

کیپٹن اشرف فریدی سے کہہ رہا تھا۔ "انسپکٹر صاحب آپ مجھے مشورہ دیجئے کہ میں کیا کروں۔"

فریدی پر خیال انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"پورج لیجئے۔" نصیر نے فریدی کی طرف پلیٹ سرکائی اور پھر دوسرے ہی لمحے میں کچھ چونک سا پڑا۔

"شکریہ.... بس میں شام کو صرف چائے پیتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

اب حمید کو رومال کا خیال آیا اور وہ متجسسانہ نظروں سے نصیر کو دیکھنے لگا۔

"ہاں آپ نے کیا فرمایا تھا۔" فریدی اشرف کی طرف مخاطب ہوگیا۔

"اگر وہ پُر اسرار خط محض مذاق نہیں تھا۔" اشرف بولا۔ "تو پھر مجھے بھی مرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔"

"کیوں....؟"

"اس میں بعد والوں کے لئے بھی تو دھمکی تھی۔ اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ چچا جان کو بھی اسی قسم کا کوئی خط موصول ہوا تھا تو پھر اب میری ہی باری ہے کیونکہ ان کا ترکہ میرے والد مرحوم سے گذرتا ہوا مجھ تک پہنچتا ہے۔"

"میں خود بھی یہی سوچ رہا ہوں کہ اگر اس میں ذرہ برابر بھی صداقت ہے تو آپ کو کافی محتاط رہنا چاہئے۔"

"لیکن میں کس طرح بچ سکوں گا۔" کیپٹن اشرف بے چینی سے ہاتھ ملتا ہوا بولا۔

"غالباً یہ رومال میرا ہے۔" دفعتاً بیگم عارف نے کہا۔

"کیا آپ نے مجھ سے کچھ فرمایا۔" فریدی اس کی طرف مڑا۔

"یہ رومال....!"

"اوہ....!" فریدی اس طرح چونک کر رومال کی طرف دیکھنے لگا جیسے وہ اُس کے متعلق بھول ہی گیا ہو۔ "جی ہاں یہ مجھے آپ کے پائیں باغ میں پڑا ملا تھا۔ کیا یہ آپ کا ہے؟"

نصیر نے ہاتھ بڑھا کر وہ رومال فریدی سے لیا۔

"اشرف صاحب۔" فریدی اشرف کی طرف مڑ کر بولا۔ "اگر آپ کو بھی کبھی اس قسم کا خط

موصول ہو تو مجھ تک پہنچنے میں تاخیر نہ کیجئے گا۔"

"بہتر ہے۔"

"اور آپ....!" فریدی بیگم نواز سے مخاطب ہوا۔ "مجھے دولت گنج والی رپورٹ سے معلوم ہوا ہے کہ آپ کہیں باہر جانا چاہتی ہیں۔"

"خیال تو تھا۔"

"شوق سے جاسکتی ہیں۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "میں غیر ضروری پابندیوں کا قائل نہیں ہوں۔"

"اب میں نے خود ہی اپنا ارادہ ملتوی کر دیا ہے۔"

"آپ کی خوشی۔" فریدی نے کہا۔

نصیر عالیہ کی طرف دیکھ کر شرارت آمیز لنداز میں مسکرا رہا تھا۔

فریدی نے ان دونوں پر اچٹتی سی نظر ڈالی اور اپنی پیالی کی چائے ختم کرنے لگا۔ پھر وہ ڈاکٹر قدیر کو مخاطب کر کے بولا۔ "کیس بہت پیچیدہ ہے ڈاکٹر صاحب۔"

"جناب اگر پیچیدہ نہ سمجھتا تو آپ کے پاس کیوں دوڑا جاتا۔" قدیر نے کہا۔

"اب اس ملازم رفیق کا معاملہ رہ جاتا ہے۔"

"مجھے تو یہ حرکت اسی کی معلوم ہوتی ہے۔" بیگم نواز نے کہا۔

"کیا آپ مجھے اس کے متعلق کچھ بتا سکیں گی۔" فریدی نے پوچھا۔

وہ کرنل صاحب کے معاملات میں بہت زیادہ دخیل تھا۔

"خیر یہ تو کوئی بات نہ ہوئی جس نوکر پر بہت زیادہ اعتماد ہوتا ہے وہ دخیل ہو ہی جاتا ہے۔"

"مجھے یاد پڑتا ہے کہ حادثہ سے قبل والی رات کو دونوں میں کچھ تکرار ہوئی تھی۔"

"تو آپ نے یہ بات پولیس کو کیوں نہیں بتائی تھی۔"

"یعنی....!"

"دو شہروں کے ناموں پر بحث ہوتے ہوئے تکرار ہو گئی تھی اور کرنل صاحب نے اُسے بہت بُرا بھلا کہا تھا۔"

"کون سے شہر....!"

"غالباً افریقہ کے تھے۔"

"نام....!"

"صرف ایک کا یاد رہ گیا ہے ممباسہ۔"

فریدی کی پیشانی پر لکیریں ابھر آئیں۔

آسمانی شکار

پیلی کوٹھی سے واپسی پر فریدی حمید سے کہہ رہا تھا۔

"وہ لڑکی بڑی مصیبت میں معلوم ہوتی ہے۔"

"کون لڑکی....!" حمید چونک کر بولا۔

"وہی جس کی مسکراہٹ تمہیں بہت بھلی لگ رہی تھی۔"

"آپ کو کیسے معلوم ہوا۔"

"اوہو! یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ واقعی اس کی مسکراہٹ بڑی دلفریب تھی۔"

"اے خدا....!" حمید آسمان کی طرف منہ اٹھا کر بولا۔ "اس پتھر کے پگھلنے پر میں تیری خدمت میں مبارکباد پیش کرتا ہوں۔"

فریدی نے اس کے سر پر ہلکی سی چپت رسید کر دی اور مسکرا کر بولا۔ "یار دل چاہتا ہے کہ میں بھی اس سے محبت شروع کر دوں۔"

"بھی کا کیا مطلب" حمید نے کہا۔ "آخر آپ مجھے اتنا دل پھینک کیوں سمجھتے ہیں۔"

"تم خواہ مخواہ غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہو۔" فریدی نے کہا۔ "وہ تینوں اُسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ خصوصاً نصیر اس معاملے میں زیادہ نامعقول معلوم ہوتا ہے۔"

"آپ نے اتنی جلدی اس کا اندازہ کیسے لگا لیا۔"

"اس کے لئے میرے پاس کوئی منطقی دلیل نہیں ہے۔" فریدی نے کہا۔ "وجدان کی تربیت سمجھ لو۔"

"ماریئے گولی۔" حمید نے اکتا کر کہا۔ "وہ گوشت میں دھواں.... آخر کچھ تو بتایئے نا۔"

"تم نے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ پڑھی تھی۔"

"ہاں....!"

"کوئی خاص بات۔"

"بھئی جو کچھ بھی ہو خود ہی بتا ڈالئے۔ ورنہ مجھے اختلاج ہونے لگا ہے۔"

"اچھا تو سنو۔" فریدی نے کہا۔ "کرنل کے پیر کے تلے میں ایک زخم تھا اور وہ ننگے پیر دوڑا تھا۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ میں اس زخم کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے۔ اُس زخم پر دھوئیں کا نشان پایا گیا تھا اور اسی اشارے نے مجھے پچھلی رات جاگ کر گذارنے پر مجبور کر دیا تھا۔"

فریدی خاموش ہو گیا اور پھر اُس نے دفعتاً اپنی کار دوبارہ پیلی کوٹھی کی طرف موڑ دی۔

"یعنی....!" حمید چونک کر بولا۔

"کچھ بھی نہیں شام بڑی خوشگوار ہے اور میں پھر ایک بار اس لڑکی کو دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"مجھے اُلو نہ بنایئے۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ "خیر میں فی الحال صرف ان سنگریزوں میں دلچسپی لے رہا ہوں۔"

"ہاں تو وہ سنگریزے۔" فریدی پر خیال انداز میں بولا۔ "تم نے کبھی سفید رنگ کے وہ سنگریزے دیکھے ہیں جو مچھلی کے سر سے نکلتے ہیں۔"

"دیکھے ہیں۔" حمید کے لہجے میں اکتاہٹ تھی۔ اُسے فریدی کی پہیلیاں بجھوانے والے انداز سے بڑی الجھن ہوتی تھی۔

"یہ سنگریزے بھی ایک قسم کی مچھلی کے سر میں پائے جاتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"میں نے تو آج تک نہ کہیں پڑھا اور نہ کہیں سنا۔" حمید بے اعتباری کے لہجے میں بولا۔

"تم نے پڑھا ہی کیا ہے۔" فریدی نے منہ سکوڑ کر کہا۔ "زیادہ سے زیادہ تم ایشیا یا دنیا کی جغرافیائی سوسائٹیوں کی ان کتابوں کا حوالہ دو گے، جو آج سے بیس برس قبل شائع ہوئی تھیں۔"

"خیر یہی سہی۔" حمید نے کہا۔ "لیکن یہ مچھلی کم از کم اپنی طرف تو پائی نہ جاتی ہو گی۔"

"بہت کمیاب ہے۔ اپنی طرف تو خیر پائی ہی نہیں جاتی۔ ابھی چند ایک دریائے کانگو اور دریائے آمیزن میں ملی ہیں۔ لیکن کانگو کے جنگلات کے وحشی باشندے اُسے عرصہ سے بطور زہر استعمال کرتے آئے ہیں۔ وہ اپنے تیروں اور نیزوں کو اس کے خون میں بجھا کر زہریلا بناتے ہیں۔"

"آپ کو اس کے متعلق کہاں سے اطلاعات ملیں۔" حمید نے پوچھا۔

"معلومات میں اضافہ کرنے کے لئے محض پرانا ذخیرہ کافی نہیں ہوتا۔ میں نے اس مچھلی کے متعلق عالمی جغرافیائی سوسائٹی کے ایک سہ ماہی رسالے میں پڑھا تھا اور پچھلی رات کو اُسے تلاش کرنے میں میرے کئی گھنٹے صرف ہو گئے۔"

اس مچھلی کا نام کیا ہے۔

"جغرافیائی سوسائٹی نے اُسے (Poisonia) پوائزونیا کا نام دیا ہے۔ کانگو بیسن والے اسے فلائی کہتے ہیں۔ دریائے آمیزن کے کنارے بسنے والے جنگلی قبائل میں یہ ولاچا کے نام سے مشہور ہے۔"

"لیکن یک بیک آپ کا ذہن اس مچھلی کی طرف کیوں منتقل ہو گیا تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"کرنل کے زخم پر پائے جانے والے دھوئیں کے نشان نے میری رہنمائی کی تھی۔ ان سنگریزوں کا اثر آناً فاناً پورے جسم میں پھیل جاتا ہے، لیکن یہ صرف کھال اترے ہوئے گوشت پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اگر تم اُس سنگریزے کو چٹکی میں پکڑ لو تو کوئی خاص نتیجہ برآمد نہیں ہو گا لیکن اگر تمہاری انگلی میں خفیف سا بھی زخم ہے تو سنگریزے لگتے ہی اُس میں سے دھواں نکلنے لگے گا اور دیکھتے دیکھتے تمہاری نامعلوم بیوی بیوہ ہو جائے گی۔ ہاں تو میں یہ بھی جانتا تھا کرنل نے اپنی زندگی کا کچھ حصہ افریقہ اور جنوبی امریکہ میں بھی گذرا ہے بیگم نواز نے کیا کہا تھا۔"

"میں نے کچھ نہیں سنا تھا۔"

"ٹھیک ہے تم اس وقت اس لڑکی میں دلچسپی لے رہے تھے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "رفیق اور کرنل میں افریقہ کے دو شہروں کے ناموں کے سلسلے میں بحث ہو گئی تھی اور کرنل نے اُسے سخت وسست بھی کہا تھا۔"

"بھلا اس سے اور آپ کی باتوں سے کیا مطلب۔"

"مطلب یہ کہ رفیق بھی شاید اُس زمانے میں اسی کے ساتھ تھا، جب اس کا قیام افریقہ میں تھا۔"

"اور آپ اب اس وقت ان لوگوں سے بھی دریافت کرنے کیلئے پھر واپس جا رہے ہیں۔"

"نہیں میں یہ چاہتا ہوں کہ تم اس لڑکی سے باقاعدہ طور پر عشق کرنے لگو۔"

"میں آج کل بہت مشغول ہوں۔" حمید نے منہ سکوڑ کر کہا۔

اور فریدی مسکرانے لگا۔

سورج غروب ہونے والا تھا۔

فریدی کی کار پیلی کوٹھی کے پھاٹک پر رک گئی۔ فریدی اور حمید اندر جانے لگے۔ پھاٹک سے کچھ دور ہٹ کر لان پر نصیر اور کیپٹن اشرف نظر آئے، جو اونچی آواز میں جھگڑ رہے تھے۔ ان دونوں کو دیکھ کر یک بیک خاموش ہوگئے۔ اُن کے چہرے سرخ ہو رہے تھے۔

"معاف کیجئے گا میں نے پھر تکلیف دی۔" فریدی نے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔" کیپٹن اشرف نے شدید غصہ کے باوجود بھی مسکرانے کی کوشش کی اور اس کا چہرہ کچھ عجیب سا معلوم ہونے لگا۔

"میں ڈاکٹر قدیر سے پھر ملنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"بہتر ہے۔ میں ابھی بھیجتا ہوں۔" کیپٹن اشرف نے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔

نصیر تھوڑی دیر تک ان دونوں کو دیکھتا رہا پھر بولا۔ "کیا میں آپ سے پوچھ سکتا ہوں کہ وہ رومال آپ کو کس جگہ ملا تھا۔"

"جی ہاں! کیوں نہیں۔ وہ انہیں جھاڑیوں میں ملا تھا جن میں سلیم صاحب کو وہ عجیب و غریب سؤر دکھائی دیا تھا۔"

"یہ رومال پچھلے ایک ہفتہ سے میرے پاس رہا ہے۔" نصیر نے کہا۔

"لیکن آپکی والدہ... خیر یہ کوئی ایسی بات نہیں، جس سے مجھے دلچسپی ہو سکے۔" فریدی بولا۔

"لیکن اس گھر کا کوئی فرد آپ کو دلچسپی لینے پر مجبور کرے گا۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"ان میں سے کوئی مجھے ان معاملات میں الجھانے کی کوشش کر رہا ہے۔"

"آخر کیوں؟"

"وہ سب مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔" نصیر نے مجنونانہ انداز میں کہا۔ "اور ان دونوں موتوں کو میرے سر تھوپنا چاہتے ہیں۔"

"نفرت کی وجہ۔"

نصیر اُسے اس طرح گھورنے لگا جیسے اُس نے اُسے گالی دے دی ہو۔

"انہیں سے پوچھئے نفرت کی وجہ۔ لیکن میں اس وقت تک اس گھر سے نہیں جاؤں گا جب تک کہ عالیہ نہ چلی جائے۔"

"آپ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آرہی ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"کیا ان لوگوں نے آپ کو میرے متعلق کچھ نہیں بتایا۔" نصیر نے پوچھا۔

"میں صرف اتنا ہی جانتا ہوں کہ آپ شہر کے مشہور بیرسٹر مسٹر عارف کے صاحبزادے ہیں۔"

"اور ایک آوارہ لڑکا بھی۔" نصیر منہ بنا کر بولا۔

"یہ آپ کا نجی معاملہ ہے۔"

"کیا اشرف نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ میں شراب کے نشے میں عالیہ کو چھیڑتا ہوں اور محض اس بناء پر میں نے کرنل صاحب کو پُراسرار طریقے پر مار ڈالا کہ انہوں نے ایک بار میری اس حرکت پر ڈانٹا تھا اور سلیم ماموں کو اس لئے ختم کر دیا کہ وہ بھی اسے ناپسند کرتے تھے۔"

"نہیں! مجھے کسی نے اس کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔" فریدی نے کہا۔ "کیا کوئی فرد کھلم کھلا یہ ساری باتیں کہہ رہا ہے۔"

"اشرف کی باتوں سے میں نے یہی نتیجہ اخذ کیا ہے۔" نصیر بولا۔

"نہیں وہ صاف صاف اپنے شبہے کا اظہار نہیں کر رہے ہیں۔"

"نہیں.... لیکن....!"

"میں سمجھتا ہوں۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔

سامنے ڈاکٹر قدیر آتا ہوا دکھائی دیا۔ نصیر خاموش ہوگیا۔

"اچھا مسٹر نصیر پھر کبھی.... میں آپ کا شکر گذار ہوں۔" فریدی نے کہا اور ڈاکٹر قدیر کی طرف بڑھ گیا۔

"دوبارہ تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔" فریدی بولا۔

"اوہ آپ بھی کمال کرتے ہیں۔" قدیر ہنس کر بولا۔ "فرمائیے۔"

"ایک ضروری بات۔" فریدی نے کہا اور پھر وہ تینوں ٹہلتے ہوئے پھاٹک تک آئے۔ اس دوران میں ڈاکٹر قدیر استفہامیہ نظروں سے فریدی کی طرف دیکھتا رہا۔

"کیا رفیق اس دوران میں کرنل کے ساتھ ہی تھا جب وہ استوائی خطوں کا سفر کر رہے

تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"اور وہی ان کی چیزوں کی دیکھ بھال بھی کرتا تھا۔"

"جی ہاں۔"

"ڈاکٹر قدیر کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ آپ کا پہلے ہی سے پروگرام تھا کہ صبح کے گئے شام کو واپس آئیں گے۔"

"کب کی بات کر رہے ہیں۔"

"جس دن کرنل صاحب کو حادثہ پیش آیا تھا۔"

"ہاں میرا یہی پروگرام تھا۔" قدیر نے کہا۔ "کرنل صاحب کو اس کی اطلاع نہیں تھی۔"

"کیوں؟"

"اگر انہیں معلوم ہو جاتا تو وہ مجھے ہرگز نہ جانے دیتے۔ یہ تو آپ نے بھی سنا ہوگا کہ وہ کچھ جھکی قسم کے آدمی تھے۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کرنل صاحب کے علاوہ گھر کے سب افراد کو آپ کے پروگرام کا علم تھا۔"

"جی ہاں!" قدیر نے کہا پھر چونک کر بولا۔ "کیا آپ گھر ہی کے کسی فرد پر شبہ کر رہے ہیں۔"

"نہیں نہیں!" فریدی نے جلدی سے کہا۔ "گھر والوں کی معلومات سے کوئی باہری بھی تو فائدہ اٹھا سکتا ہے۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر فریدی بولا۔ "اچھا ایک بار پھر اس تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں۔"

حمید دل ہی دل میں جھنجھلا رہا تھا کہ آخر اتنی ذرا سی بات کے لئے دوبارہ واپس آنے کی کیا ضرورت تھی۔

فریدی قدیر سے مصافحہ کر کے جانے کے لئے مڑ ہی رہا تھا کہ دفعتاً کئی پرندے ان پر آگرے اور پھر زمین پر گر کر پھڑ پھڑانے لگے۔ فریدی چونک کر اوپر دیکھنے لگا۔

دھند میں لپٹی ہوئی فضا میں بگلوں کی ایک قطار پرواز کر رہی تھی۔ ان میں سے کچھ اور بھی قلابازیاں کھاتے ہوئے نیچے آرہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ بھی اُن کے قریب آگرے۔ وہ تھوڑی دیر تک تڑپتے رہے اور پھر ٹھنڈے ہو گئے۔

فریدی استفہامیہ نظروں سے ڈاکٹر قدیر کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"کل شام کو بھی یہی ہوا تھا۔" ڈاکٹر قدیر آہستہ سے بڑبڑایا۔

"کیا مطلب....!" فریدی چونک کر بولا۔

"کل شام کو بھی کچھ پرندے اسی طرح یہاں گرے تھے۔"

"یہاں کے علاوہ بھی کہیں سے اس قسم کی کوئی اطلاع آئی تھی۔" حمید نے پوچھا۔

"میری دانست میں تو نہیں آئی تھی۔"

"فریدی قطعی خاموش رہا۔ اس نے جھک کر ایک مردہ پرندہ اٹھایا اور اُسے ہاتھ میں لٹکائے ہوئے کار کی طرف بڑھنے لگا۔

کیپٹن اشرف اور عالیہ بھی آگئے۔

"کہئے انسپکٹر صاحب چل دیئے۔" اشرف نے کہا اور پھر اس کی نظر فریدی کے ہاتھ میں لٹکے ہوئے پرندے پر پڑی۔ زمین پر پڑے ہوئے مردہ پرندے بھی دکھائی دیئے۔ "ارے آج پھر...." وہ چونک کر بولا۔ "پتہ نہیں یہ سب کیا ہے۔"

"میرے خیال سے۔" فریدی نے کہا۔ "کوئی وبا آنے والی ہے۔ کیوں ڈاکٹر۔"

"اگر یہ بات ہوتی تو کہیں اور بھی گرتے۔" اشرف نے کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ کہیں اور بھی گریں۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا اور حمید بے تعلقی سے الگ کھڑا رہا، لیکن جب اس نے دیکھا کہ عالیہ بھی فریدی سے ہاتھ ملا رہی ہے تو اس نے بھی آگے بڑھ کر پر جوش انداز میں ڈاکٹر قدیر سے مصافحہ کیا۔ پھر اشرف سے پھر وہ عالیہ کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ اُسے بیگم نواز نے پورٹیکو سے آواز دی اور وہ حمید کی طرف دھیان دیئے بغیر ادھر چل دی۔ حمید بُری طرح جھینپا اور بوکھلاہٹ میں پھر ڈاکٹر قدیر سے مصافحہ کرنے لگا۔ جب اس حماقت کا احساس ہوا تو مسکرا کر بولا۔ "قدیر صاحب اب تو آپ نے آنا ہی چھوڑ دیا۔ کبھی آیئے۔ دو چار بالکل نئی قسم کے کتے آئے ہیں۔ آپ اس فاکس ٹیریئر کو یقیناً پسند

کریں گے جس کے جسم پر گلہریوں کی سی دھاریاں ہیں۔"

"ضرور آؤں گا۔" قدیر بولا۔

فریدی نے مردہ پرندے کو پچھلی نشست پر ڈال دیا اور کار اسٹارٹ کرنے لگا۔

"اُلو کہیں کے۔" وہ آہستہ سے بولا۔ "لیکن مجھے تم سے ہمدردی ہے۔"

حمید جھینپ کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"یہ پرندے....!" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔

"مر گئے بیچارے۔" فریدی گلوگیر آواز میں بولا۔ "اور تمہیں اکیلا چھوڑ گئے۔ اس پر سے یہ ستم کہ عالیہ....!"

فریدی نے جملہ پورا بھی نہیں کیا تھا کہ حمید ہلڑ مچانے والے انداز میں ہنسنے لگا۔ فریدی پھر کچھ نہیں بولا۔ اس کے چہرے پر فکرمندی کے آثار تھے۔

حمید بھی خاموش ہوگیا۔ یہ کیس کچھ عجیب پُراسرار صورت میں ان کے پاس آیا تھا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ کیا ان پرندوں کی موت کا بھی انہیں حادثات سے کوئی تعلق ہے، جو پیلی کوٹھی والوں کو پیش آئے۔

گھر پہنچ کر فریدی نے مردہ پرندے کو اٹھانے کے لئے پچھلی نشست پر ہاتھ ڈالا۔ مگر وہ خالی معلوم ہوئی۔ اس نے چونک کر اندر کا بلب روشن کر دیا۔ مردہ پرندے کا کہیں پتہ نہ تھا۔

اور وہ دونوں حیرت کے عالم میں ایک دوسرے کی شکلیں دیکھ رہے تھے۔

مشتبہ نوکر

دوسرے روز کے اخبارات میں حمید نے پیلی کوٹھی کے متعلق بڑی حیرت انگیز باتیں دیکھیں۔ سارے واقعات کو بہت بڑھا چڑھا کر لکھا گیا تھا۔ اُس عجیب و غریب جانور کے متعلق بھی کافی حاشیہ آرائیاں ہوئی تھیں۔ ایک نے تو یہاں تک لکھ دیا تھا کہ وہ جانور بارہ بجے رات سے پانچ بجے صبح تک کوٹھی کے پھاٹک پر بیٹھا رہتا تھا۔ ایک اخبار نے اس خبر پر "مردہ پرندوں کی بارش" کی ۔ خی جمائی تھی اور خبر میں لکھا تھا کہ پیلی کوٹھی میں پچھلی رات شام کو آسمان سے اتنے

مردہ پرندے گرے کہ پائیں باغ میں تل رکھنے کی بھی جگہ نہ رہی۔

حمید نے سارے اخبارات فریدی کے سامنے رکھ دیئے اور وہ بے تحاشہ ہنسنے لگا۔

"بھئی اپنے یہاں کی صحافت انہیں غپوں کی بناء پر قائم ہے۔" فریدی نے کہا۔

"کیا تمہیں وہ واقعہ یاد نہیں جب بلیا اور غازی پور کی سرحد پر پانچ چھ ہزار مردہ سانپ پائے گئے تھے۔"

"نہیں۔"

"وہ بڑا دلچسپ واقعہ تھا۔ ایک دن اخبارات میں خبر شائع ہوئی کہ بلیا اور غازی پور کی سرحد پر ہزاروں مردہ سانپ پائے گئے ہیں۔ دوسرے دن ایک اخبار نے لکھا کہ یہ ہندوستان کی تاریخ میں دوسرا واقعہ ہے۔ مہابھارت کے موقعے پر بھی اسی طرح ایک جنگل میں لاکھوں مرے ہوئے سانپ پائے گئے تھے۔ کافی عرصہ تک اسی موضوع پر طرح طرح کی خیال آرائیاں ہوتی رہیں۔ پھر ایک دن ایک صاحب کا بیان شائع ہوا۔ وہ دراصل سانپ کی کھالوں کے ایجنٹ تھے۔ اتفاق سے انہیں ایک ساتھ پچیس تیس سانپ مل گئے تھے۔ انہوں نے ان کی کھالیں اتروالیں اور انہیں شاہراہ پر پھینکوا دیا اور پھر وہ پچیس تیس سانپ لاکھوں میں تبدیل ہوگئے اور ان کا ناطہ مہابھارت سے جوڑ دیا گیا۔"

"ٹھیک ہے۔" حمید پرخیال انداز میں بولا۔ "میں بھی اسے غپ سمجھتا ہوں۔ اگر اس قسم کی کوئی بات ہوتی تو وہ لوگ آپ کو ضرور مطلع کرتے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ جتنی بھی حقیقت ہے حیرت انگیز ہے اور اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ آپ ایسے عجیب و غریب کیس میں دلچسپی نہیں لے رہے ہیں۔"

"ابھی تک میری دلچسپی کی کوئی بات وقوع پذیر نہیں ہوئی۔"

"یعنی جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ غیر دلچسپ ہے۔"

"تم جیسی بچوں کے لئے تو ضرور دلچسپ ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اس قسم کی ہاتھ کی صفائیاں میں نے بہت دیکھی ہیں۔ دیکھو میاں یہ عام لوگوں کو اُلو بنانے کا ایک سستا سا نسخہ ہے۔"

"آخر آپ کسی نتیجے پر پہنچے یا نہیں۔"

"میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ عالیہ واقعی بہت حسین ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اس میں

تین تو کیا بیک وقت دس آدمی بھی دلچسپی لیں تو مجھے حیرت نہ ہو گی۔"

حمید مضحکہ خیز انداز میں فریدی کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔

"آج کل خالص گھی بھی نہیں ملتا ورنہ میں چراغ ضرور جلاتا۔ خدا بڑی قدرت والا ہے۔ اگر چاہے تو ریت کے بادل بنا کر ان سے پانی برسائے۔"

فریدی کچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ دوسرے کمرے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے حمید کو اشارہ کیا اور وہ دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

"ڈاکٹر قدیر کا فون تھا۔" حمید نے واپس آ کر کہا۔

"کیا کہہ رہا تھا۔"

"پیلی کوٹھی کے قریب لوگ جوق در جوق جمع ہو رہے ہیں اور قدیر وغیرہ انہیں یقین دلانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اخبارات نے غلط خبریں چھاپی ہیں لیکن مجمع کسی طرح ہٹتا ہی نہیں، مجبوراً انہوں نے دولت گنج کے تھانے سے پولیس بلوائی ہے۔"

"اور وہ ننھا منا سا بچہ اپنے کارناموں پر خوش ہو رہا ہو گا۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"کون....!" حمید چونک پڑا۔

"یہ میں ابھی نہیں جانتا۔ لیکن وہ بچہ ہے۔ انتہائی ناتجربہ کار اور جلد باز۔ کرنل کو تو اس نے بڑے سلیقے سے ختم کیا۔ لیکن سلیم کے سلسلے میں اس سے ناتجربہ کاری ہی والی حرکت سرزد ہوئی ہے۔"

"یعنی....!"

"اسے کوئی ایسی جگہ منتخب کرنی چاہئے تھی، جہاں کانٹے ہوتے۔ اس طرح وہ بہ آسانی لوگوں کو دھوکا دے سکتا تھا۔ عقیق البحر میں تو خیر کانٹے ہوتے ہی نہیں اور اس جھاڑی میں بھی کوئی کانٹے دار پودا انہیں دکھائی دیا۔"

حمید خاموش ہو گیا لیکن پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر وہ پرندہ کا سے کس طرح غائب ہو گیا۔"

"بھوت رہا ہو گا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"آخر آپ مجھ سے صاف صاف کیوں نہیں بتاتے۔"

"جب خود میری سمجھ میں صاف صاف آ جائے گا تو میں اس سے بھی زیادہ صاف بنا کر پیش

کر دوں گا۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ انہیں لوگوں میں سے کسی پر شبہ کر رہے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"لیکن تم ایسا کہتے وقت شاید بھول جاتے ہو کہ کرنل کا ایک نوکر بھی غائب ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"میں اُسے کوئی اہمیت نہیں دیتا۔" حمید نے فریدی کے لہجے کی نقل اتاری۔

"کیوں؟" فریدی مسکرا کر بولا۔

"آپ بھی ایک کامیاب جاسوس نہیں ہو سکتے۔" حمید نے پھر فریدی کی نقل کی۔

"بھلا پیر و مرشد کیوں۔" فریدی نے ہنس کر پوچھا۔

"ظاہر ہے کہ رفیق نے کرنل کو ہیروں کے لئے مارا ہو گا، اور وہ انہیں لے بھی گیا۔ پھر آخر سلیم کو مارنے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر اُسے یہ خیال تھا کہ سلیم کچھ جانتا ہے تو اُسے بھی کرنل کے بعد ہی ختم کر دیتا۔ دو تین دن انتظار نہ کرتا اور پھر دوسری بات یہ کہ جب اس نے کرنل کو اتنے پُراسرار طریقے پر ختم کیا تھا تو غائب کیوں ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ اس نے اپنی بچت ہی کے لئے اتنا ٹیڑھا راستہ اختیار کیا۔"

"شاباش....!" فریدی اس کے کاندھے پر ہاتھ مارتا ہوا بولا۔ "واقعی تم نرے بدھو ہی نہیں ہو۔"

"جناب والا! اگر میں نہ ہوتا تو کوئی آپ کا نام تک نہ جانتا۔"

فریدی ہنسنے لگا۔ ٹیلی فون کی گھنٹی پھر بجی۔

"کیا مصیبت ہے۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

اب کی بار وہ واپس آیا تو اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔

"کیوں؟" فریدی اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"رفیق مل گیا۔"

"ہوں....!" فریدی نے اتنی لاپروائی سے کہا کہ حمید جھنجھلا گیا۔ وہ سمجھتا تھا کہ فریدی اچھل پڑے گا۔

"دولت گنج کے پولیس اسٹیشن پر آپ کو بلایا گیا ہے۔"

"خیر بھئی چلیں گے۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "ناشتہ۔"

"آخر آپ اتنی لاپروائی کیوں برت رہے ہیں۔"

"حمید صاحب۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کبھی کبھی میرا دل چاہتا ہے کہ کاہل ہو جاؤں۔"

"تو آج کل آپ موڈ میں نہیں ہیں۔"

"ابھی تک کوئی ایسی بات نہیں ہوئی، جو مجھے موڈ میں لا سکے۔"

"ٹھیک ہے۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ "بھلا مردہ پرندوں کی بارش سے کیا ہوتا ہے۔ اگر ہاتھیوں کی بارش ہوتی تو کوئی بات بھی تھی۔"

فریدی ہنس پڑا۔

"بھئی اُسے تو میں ابھی تک بھی نہیں سمجھ سکا۔" فریدی بولا۔ "لیکن حمید صاحب اس بار آپ بہت چاک وچوبند نظر آ رہے ہیں۔ آخر اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔"

"کیس ہی ایسا ہے۔"

"لیکن اس بار تو تم نے ایک مرتبہ بھی بھوتوں کا خوف نہیں ظاہر کیا۔ حالانکہ آسمان سے مردہ پرندوں کی بارش بھی ہو رہی ہے اور وہ بھی صرف پیلی کوٹھی ہی میں ورنہ اُسے کسی قسم کی وبا بھی سمجھا سکتا تھا۔"

"کیا آپ مجھے ڈرپوک سمجھتے ہیں۔" حمید اکڑ کر بولا۔

"لیکن حمید صاحب اب آپ عالیہ تک نہیں پہنچ سکیں گے۔"

"آپ تو اس طرح کہہ رہے ہیں کہ میں ہی اس کے حسن کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتا رہا ہوں۔"

"حمید صاحب بکواس بند۔ اب ہم ناشتہ کریں گے۔"

"ضرور ناشتہ کیجئے۔ مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے بلکہ میں تو یہ رائے دوں گا کہ ایک داشتہ اور ایک باقاعدہ بیوی کیجئے۔"

"شٹ اپ....!"

"اے ہے۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "بیوی کے نام سے اس طرح لجاتے ہیں، جیسے ابھی چلو ہٹو کہہ کر آنچل سے منہ چھپالیں گے۔"

"یار خدا کے لئے زنخوں کی طرح منکامت کر، ورنہ کسی دن چمڑی ادھیڑ دوں گا۔"

"اچھا اچھا جلدی کیجئے۔" حمید نے پھر فریدی کے لہجے کی نقل اتاری۔

ناشتہ کرنے کے بعد وہ دولت گنج کی طرف روانہ ہو گئے۔ فریدی راستے میں خاموش ہی رہا۔ حمید نے کئی بار اُسے چھیڑنے کی کوشش کی لیکن وہ صرف مسکرا کر رہ گیا۔ اس کی نظریں ونڈ اسکرین پر جمی ہوئی تھیں اور وہ پلکیں جھپکائے بغیر سامنے دیکھ رہا تھا۔

رفیق کو ابھی تک حوالات میں نہیں بند کیا گیا تھا۔ وہ سب انسپکٹر کی کرسی کے قریب زانوؤں میں سر دیئے زمین پر اکڑوں بیٹھا ہوا تھا۔ ڈاکٹر قدیر اور کیپٹن اشرف بھی موجود تھے۔ شاید وہ رفیق کی شناخت کے لئے بلائے گئے تھے۔ فریدی کے پہنچتے ہی ڈاکٹر قدیر نے ان لوگوں کی شکایات شروع کر دیں، جو پیلی کوٹھی کے گرد جمع ہو گئے تھے۔

"کہاں ملا....!" فریدی نے سب انسپکٹر سے سوال کیا۔

"بہت خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔" سب انسپکٹر نے آہستہ سے کہا اور حمید کو بے اختیار ہنسی آ گئی کیونکہ اس کے سامنے ایک ایسا بوڑھا بیٹھا ہوا تھا جو شاید اس وقت دو قدم بھی نہ چل سکتا۔ رفیق ایک نحیف الجثہ آدمی تھا۔ چہرے پر مختصر سی فرنچ کٹ ڈاڑھی تھی۔ گال اندر کو دھنسے ہوئے اور جھریوں سے پر تھے۔ آنکھوں میں کبر سنی کی وجہ سے دھندلاہٹ آ گئی تھی۔

"اب خود ہی سن لیجئے گا وہ داستان الف لیلیٰ۔ میں کیا بتاؤں۔" سب انسپکٹر فریدی سے کہہ رہا تھا۔

فریدی تھوڑی دیر تک غور سے رفیق کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے اس پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی اور جب وہ اس کی روپوشی کی وجہ دریافت کرنے لگا تو رفیق بے اختیار رو پڑا۔

"میں ایک اندھے کنوئیں میں قید تھا۔" اس نے کہا۔

سب انسپکٹر کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"کس نے قید کیا تھا۔"

"یہ میں نہیں جانتا۔ میں کرنل صاحب کے پیچھے دوڑا تھا۔ کسی نے میرے سر پر کوئی وزنی چیز ماری اور میں.... پھر جب مجھے ہوش آیا تو میں نے خود کو ایک گڑھے میں پایا۔ دوسرے دن صبح روشنی میں مجھے معلوم ہوا کہ وہ ایک کنواں ہے۔"

"پھر تم کس طرح نکلے۔"

"کل رات میری چیخ و پکار سن کر کسی راہگیر نے نکالا۔"

"کس طرح نکالا۔"

"رسی پھینکی تھی اُس نے جسے میں نے اپنی کمر سے باندھ لیا تھا۔ پھر اُس نے مجھے اوپر کھینچ لیا۔"

"وہ کنواں دکھا سکتے ہو۔"

"جی ہاں.... وہ پیلی کوٹھی سے زیادہ دور نہیں۔"

"کیوں صاحب۔" فریدی ڈاکٹر قدیر کی طرف مڑا۔ "کوئی اندھا کنواں ہے وہاں۔"

"مجھے تو علم نہیں۔"

"مجھے خود بھی نہیں معلوم تھا۔" رفیق بولا۔ "وہ جھاڑیوں میں چھپا ہوا ہے۔ اتنی گنجان جھاڑیاں کہ خدا کی پناہ اور کانٹے دار جھاڑیاں ہیں۔ اس لئے اُدھر جانے کی کوئی ہمت ہی نہیں کرتا۔"

"تو کیا تم نے کل رات ہی کو غل مچایا تھا۔"

"چیختے چیختے میری آواز بیٹھ گئی ہے۔ کیا آپ محسوس نہیں کر رہے ہیں۔"

"تو تمہیں کل رات کو اس کنوئیں سے نکالا گیا۔"

"جی ہاں۔"

"تو تم رات ہی کیوں نہیں حاضر ہوئے۔"

"یہ داروغہ جی سے پوچھیے کہ میں یہاں کس حال میں لایا گیا ہوں۔"

فریدی کے استفسار پر سب انسپکٹر نے بتایا کہ وہ آج صبح ایک کھیت میں بیہوش پڑا پایا گیا تھا۔

"اس راہ گیر نے تمہیں کھیت میں ڈال دیا تھا۔" فریدی نے رفیق سے پوچھا۔

"جی ہاں! لیکن میں صحیح طور پر نہیں کہہ سکتا۔ مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ مجھے کسی نے رسی کی مدد سے نکالا تھا۔"

فریدی خاموشی سے اس کی دھندلائی ہوئی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔

"مجھے حیرت ہے کہ تم اس عمر میں اتنے دنوں تک بغیر کھائے پیئے زندہ کیونکر رہے۔"

رفیق نے فوراً ہی جواب نہیں دیا۔ انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ہچکچا رہا ہے۔

"کیا اسے کرنل اور سلیم کی موت کا علم ہو چکا ہے۔" فریدی نے آہستہ سے سب انسپکٹر سے

چھا۔

"ہاں....!"

"خیر.... حالانکہ ایسا نہ ہونا چاہئے تھا۔" فریدی نے کہا اور پھر رفیق سے مخاطب ہو گیا۔

"تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔"

"کیا بتاؤں....!" رفیق نحیف آواز میں بولا۔ "اب جب کہ مجھ پر کرنل صاحب اور ان کے ائی کو مار ڈالنے کا شبہ کیا جا رہا ہے میری ہر بات سے مکاری ظاہر ہوگی۔"

"اس کا فیصلہ تم عدالت پر چھوڑ دو۔" فریدی نرم لہجے میں بولا۔ "تم جو کچھ کہنا چاہتے ہو بے لف کہو۔"

"اس کنوئیں میں روزانہ حلوہ پھینکا جاتا تھا اور پانی سے بھری ہوئی بوتلیں بھی۔"

"دیکھا آپ نے۔" اُس نے فریدی سے کہا۔ "میں نہ کہتا تھا کہ یہ الف لیلیٰ کی ایک داستان ائے گا۔"

"حضور آپ اس کنوئیں میں اب بھی خالی بوتلیں اور وہ رومال دیکھ سکتے ہیں جن میں باندھ حلوہ پھینکا جاتا تھا۔ میں پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ آپ یقین نہ کریں گے۔ کوئی بھی یقین نہیں سکے گا۔" رفیق بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

فریدی تھوڑی دیر تک اس کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔

"مجھے یقین ہے.... خیر.... ہاں تو تمہارے مالک ننگے پاؤں بھاگے کیوں تھے اور انہوں نے ئر کس پر کیا تھا۔"

"ہونہہ....!" رفیق ایک زہریلی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "اب آپ مجھ سے وہ بات پوچھ رہے جس کے اظہار پر شاید پاگل خانے بھجوا دیا جاؤں۔"

فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر حمید سے بولا۔ "آؤ چلیں! ہمیں وہ کنواں بھی دیکھنا ۔" پھر رفیق سے کہنے لگا۔ "تم بھی چلو۔"

فریدی نے سہارا دے کر اُسے اٹھایا۔

"کوئی آدمی ساتھ کر دوں۔" سب انسپکٹر نے پوچھا۔

"نہیں اس کی ضرورت نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "میں ابھی اسے واپس لاتا ہوں۔"

پھر اس نے ڈاکٹر قدیر کو اشارے سے اپنے پاس بلایا۔

"ڈاکٹر صاحب! آپ اس کی ضمانت لے رہے ہیں۔ بوڑھا آدمی ہے۔ حوالات میں مر جائے گا۔" فریدی نے کہا۔

"تو کیا واقعی آپ اُسے بے گناہ سمجھتے ہیں۔" قدیر کے لہجے میں حیرت تھی۔

"یہ سب آپ مجھ پر چھوڑ دیجئے۔" فریدی بولا۔ "میں اپنے پرانے تعلقات کی بناء پر آپ سے یہ استدعا کر رہا ہوں۔"

"ضرور ضرور! مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ میں آج ہی ضمانت کیلئے درخواست دے دوں گا۔"

اندھا کنواں

"میں آپ کا یہ احسان کبھی نہ بھولوں گا۔" رفیق فریدی کے پیروں پر ہاتھ رکھ کر بے اختیار رو پڑا۔

"نہیں نہیں بھائی یہ کیا کرتے ہو۔" فریدی اپنے پیر ہٹا کر اسے سیدھا بٹھاتا ہوا بولا۔ اُس نے اسے اگلی سیٹ پر اپنے ساتھ ہی بٹھایا تھا۔ حمید پچھلی نشست پر تھا۔

فریدی نے رفیق کے بتائے ہوئے راستے پر کار لگا دی۔

"ہاں تو میں نے تم سے کرنل کی بدحواسی کی وجہ پوچھی تھی۔" فریدی نے کہا۔

رفیق کے ہونٹ ہلے اور ایک ہزیانی قسم کی ٹرٹراہٹ سنائی دی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ خود سے باتیں کر رہا ہو۔ پھر یک بیک چونک کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"آپ یقین کریں یا نہ کریں۔" وہ آہستہ سے بولا۔ "لیکن جو کچھ میرے علم میں ہے بتانے کی کوشش کروں گا۔"

وہ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔ "میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ کہاں سے شروع کروں۔"

"تم یہ بھول جاؤ کہ پولیس والے کو بیان دے رہے ہو۔" فریدی نے اُسے دلاسا دیا۔

"وہ ایک عجیب و غریب جانور کے پیچھے دوڑے تھے۔" رفیق آہستہ سے بولا۔ "اگر میں آ

اس کی شکل و صورت کے بارے میں بتاؤں تو آپ بے تحاشہ میرا مضحکہ اڑائیں گے۔"

"نہیں میں مضحکہ نہیں اڑاؤں گا۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "شائد میں بھی اس سُور سے واقف ہوں جس کے جسم پر چیتے کی سی دھاریاں ہیں اور جس کا سر....!"

"آپ جانتے ہیں۔" رفیق فریدی کا بازو پکڑ کر پرجوش انداز میں بولا۔

"تو تم نے بھی اُس جانور کو دیکھا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"میں نے اندھیرے میں کوئی جانور دیکھا تھا۔ میں وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ وہی تھا۔ بہر حال کرنل صاحب اس کے پیچھے دوڑے تھے۔"

"لیکن تم نے تو ابھی یہ کہا تھا کہ اگر میں اس جانور کے متعلق بتاؤں گا تو آپ میرا مضحکہ اڑائیں گے۔"

"میں نے ٹھیک کہا تھا۔ کرنل صاحب کو اُسی جانور کی توقع تھی۔"

"کیوں توقع کیوں تھی۔"

"انہیں تین چار دن قبل ایک خط موصول ہوا تھا۔ اس پر اُسی جانور کی تصویر بنی ہوئی تھی اور اس میں انہیں غالباً جان سے مار دینے کی دھمکی دی گئی تھی۔"

"تم نے وہ خط دیکھا تھا۔"

"جی ہاں کرنل صاحب مجھ پر اعتماد کرتے تھے اور پھر دوسری بات یہ کہ اس سے قبل بھی ہمارا سابقہ اس جانور اور اُس کے مالک سے پڑ چکا تھا۔"

"یعنی....!"

"میں اب داستان کے اسی حصے کی طرف آ رہا ہوں، جسے سن کر تھانے دار صاحب نے الف لیلیٰ والی پھبتی کہی تھی۔"

"تم کافی پڑھے لکھے معلوم ہوتے ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"پڑھا لکھا خاک بھی نہیں۔ بس آپ جیسے بڑے لوگوں کی خدمت میں رہ کر بولنے کا سلیقہ آ گیا ہے۔"

حمید آگے سرک آیا۔

"یہ غالباً ۲۸ء کی بات ہے۔ کرنل صاحب کی پارٹی افریقہ کے جنگلات میں شکار کھیلنے کے

لئے موماسہ اتری تھی۔ ان کے ساتھ کئی انگریز بھی تھے۔ ان میں کچھ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ گئے تھے۔ میں کرنل صاحب کے ہمراہ تھا۔ وہیں اُس پُر اسرار آدمی سے ہماری ملاقات ہوئی جو اس عجیب و غریب جانور کا مالک تھا۔ وہ تھا تو یوروپین ہی نسل کا آدمی لیکن اس کا رہن سہن بالکل وہاں کے مقامی باشندوں کا سا تھا۔ اس کی شکل مجھے آج بھی یاد ہے۔ اتنا خوفناک آدمی اُس کے علاوہ پھر کبھی میری نظروں سے نہیں گذرا۔ اس کے دونوں شانے اس کے سر سے کچھ ہی نیچے رہے ہوں گے۔ اُن کے درمیان میں اس کا سر بالکل ایسا ہی معلوم ہوتا جیسے کسی ٹوکری میں بڑا سا تربوز رکھا ہو۔ اُس کی آنکھوں میں یوں تو مریضوں کی سی نقاہت ظاہر ہوتی تھی لیکن حقیقتاً اس کی طاقت اپنا جواب نہیں رکھتی تھی۔ وہاں کے مقامی باشندے اُسے جادوگر سمجھ کر اُس سے خائف رہتے تھے۔"

رفیق کھانسنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر بولا۔ "مقامی باشندے یہ سمجھتے تھے کہ اس کے قبضے میں خبیث روحیں ہیں اور وہ اس عجیب و غریب جانور کو بھی کوئی خبیث روح ہی سمجھتے تھے جو اس کے پیچھے پالتو کتوں کی طرح چلا کرتا تھا۔ ہمارے ساتھ کے انگریز اس کی معلومات سے فائدہ اٹھانے کیلئے اُسے اکثر مدعو کرتے تھے۔ موماسہ میں ہم نے آبادی کے باہر قیام کیا تھا۔ یہ کرنل صاحب کی تجویز تھی، ورنہ دوسرے ساتھی تو کسی ہوٹل میں قیام کرنا چاہتے تھے۔ بہر حال ہم خیموں میں مقیم تھے وہاں سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر ایک گاؤں تھا جہاں ڈاگی ثاہ رہتا تھا۔"

"ڈاگی ثاہ کون۔" فریدی نے پوچھا۔

"وہی پر اسرار آدمی۔ اُسے وہاں کے باشندے ڈاگی ثاہ کہتے تھے، جو غالباً ڈاکٹر کی بگڑی ہوئی شکل تھی۔ ہاں میں یہ تو بتانا ہی بھول گیا کہ وہ ڈاکٹر بھی تھا۔ ہمارے ساتھ بھی ایک انگریز ڈاکٹر تھا اس نے ہمیں بتایا کہ وہ ایک تجربہ کار ڈاکٹر معلوم ہوتا ہے۔ ہاں تو.... وہ تقریباً ہر روز ہمارے کیمپ میں آتا تھا۔ کچھ دنوں بعد ہم بھی اس سے خوف محسوس کرنے لگے۔ اس کی موجودگی میں کم از کم مجھے تو یہ محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی درندہ انسان کی شکل میں ہمارے پاس آبیٹھا ہو۔ خصوصاً ہمارے ساتھ کی عورتیں تو اس سے بہت زیادہ خائف رہا کرتی تھیں۔ اب سنئے اصل واقعہ یہاں سے شروع ہوتا ہے ایک رات ہم کھانا کھانے کے بعد کرنل واٹسن کے خیمے میں جمع تھے اور دوسرے دن کے شکار پر بحث ہو رہی تھی کہ ہم نے کسی عورت کی چیخ سنی۔ عورتیں سب دوسرے خیمے میں تھیں۔ دفعتاً انہوں نے بھی چیخنا شروع کر دیا۔ ہم سب گھبرا کر باہر نکل آئے۔

وہ سب "ڈاگی ثاہ" "ڈاگی ثاہ" چیخ رہی تھیں۔ کسی عورت نے جس کے اوسان بجا تھے ہمیں بتایا کہ ڈاگی ثاہ کرنل واٹسن کی چودہ سال لڑکی لوسی کو اٹھالے گیا۔ ہم سب نے جلدی جلدی رائفلیں اور ٹارچیں اٹھائیں۔ عورت نے ڈاگی ثاہ کے فرار کی سمت بتائی اور ہم اسی طرف بے تحاشہ دوڑنے لگے۔ بدحواسی میں ہم ایک دوسرے سے الگ ہو گئے جو بھی جہاں تھا ڈاگی ثاہ کو تلاش کر رہا تھا۔ اچانک میرے کرنل صاحب اس تک پہنچ ہی گئے۔ لڑکی خوف کے مارے بیہوش ہو گئی تھی اور وہ شیطان ڈاگی ثاہ اپنا منہ کالا کرنے ہی جا رہا تھا کہ کرنل صاحب اس پر ٹوٹ پڑے۔ اس سے شک نہیں کہ وہ کرنل صاحب سے کہیں زیادہ طاقتور تھا لیکن کرنل صاحب نے نہ جانے کس طرح اُسے بہت زیادہ زخمی کر دیا۔ مگر افسوس کہ وہ نکل جانے میں کامیاب ہو گیا۔"

رفیق کو پھر کھانسی آگئی۔ فریدی بہت آہستہ آہستہ کار چلا رہا تھا۔

"اور پھر....!" رفیق تھوڑی دیر بعد بولا۔ "وہ افریقہ کے دوران قیام میں برابر ہمارا تعاقب کرتا رہا۔ اُس نے کئی بار میرے کرنل صاحب پر چھپ کر حملے بھی کئے۔ لیکن اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔ کئی خطوط میں جان سے مار ڈالنے کی دھمکی بھی دی تھی۔ اُن خطوط پر بھی اس کے اس خبیث جانور کی تصویر بنی رہتی تھی، اور پھر جب اُس دن کرنل صاحب کو پھر اسی قسم کا خط ملا تو وہ بڑھاپے کی وجہ سے گھبرا گئے۔ آخیر عمر میں دل و دماغ میں کمزوری آ ہی جاتی ہے۔"

"تو کیا افریقہ سے واپس آنے کے بعد بھی انہیں خطوط ملے تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں یہ پہلا اتفاق تھا۔ اس سے قبل کے خطوط افریقہ ہی کے دوران قیام میں ملے تھے۔"

"گھر والے بھی اس واقعے سے واقف رہے ہوں گے۔"

"قطعی نہیں.... گھر والے تو کیا پورے ملک میں میرے سوا اور کوئی اس سے واقف نہیں تھا۔"

"کیوں....!"

"نہ جانے کیا بات تھی کہ کرنل صاحب نے نہ تو خود ہی کسی سے اس کا تذکرہ کیا اور نہ مجھے ہی کرنے دیا۔"

"وجہ تو بتائی ہوگی۔"

"نہیں اس کی وجہ نہیں بتائی۔"

"تو تم وثوق سے کہہ سکتے ہو کہ گھر کا کوئی فرد اس واقعے سے واقف نہیں تھا۔"

"مجھے اس پر اتنا ہی یقین ہے جتنا اس بات پر کہ اس وقت میں آپ کے پاس بیٹھا ہوا ہوں۔"

"آخر تم اتنے وثوق سے کیوں کہہ رہے ہو۔"

"اگر انہوں نے کسی کو بتایا ہوتا تو اس سے اس خط کا بھی تذکرہ کرتے جو انہیں اس دن ملا تھا۔"

فریدی تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

"کرنل صاحب اپنے جواہرات کہاں رکھتے تھے۔"

"اُنکے سونے کے کمرے میں ٹھیک ان کے سرہانے ایک تجوری ہے۔ اُسی میں رکھتے تھے۔"

"لیکن وہ غائب ہیں۔"

"ارے....!" رفیق بے اختیار اچھل پڑا۔ "میرا خیال ہے کہ ان کا علم بھی میرے علاوہ اور کسی کو نہیں تھا۔"

"تجوری بالکل خالی ملی ہے۔"

"اور کاغذات....!" رفیق نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

"کاغذات بھی نہیں تھے۔"

"افسوس اس میں کئی اہم دستاویز بھی تھیں، بس یہ سمجھ لیجئے کہ لاکھوں روپے ڈوب گئے۔"

"تو تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ پُراسرار آدمی یہاں آگیا ہے۔" فریدی نے سوال کیا۔

"ایسی صورت میں میں اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"اس پُراسرار آدمی کی اس وقت کیا عمر رہی ہوگی۔"

"تقریباً ساٹھ سال۔"

"ہوں....!" فریدی نے پُرخیال انداز میں سر ہلایا اور مڑ کر حمید کی طرف دیکھنے لگا جو لاپروائی سے باہر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ رفیق پھر کھانسنے لگا۔

رفیق نے کھانستے کھانستے ایک طرف اشارہ کیا اور فریدی نے کار روک دی۔ فریدی نے پلٹ کر دیکھا۔ یہاں سے پیلی کوٹھی تقریباً ایک یا ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے پر تھی اور اس کی پشت کا حصہ یہاں سے صاف دکھائی دے رہا تھا۔

وہ تینوں کار سے اترے، چاروں طرف جھاڑیاں بکھری ہوئی تھیں۔ رفیق کچھ سوچنے لگا۔

"میں سوچ رہا ہوں کہ وہ کنواں کس جگہ ہو سکتا ہے۔" اُس نے کہا۔

"کیا مطلب....!" فریدی اُسے گھورنے لگا۔

"میں نے آپ سے بتایا نا کہ میں باہر نکلنے کے بعد زیادہ دیر ہوش میں نہیں رہا تھا۔"

"تو پھر تم نے اس جگہ کا اندازہ کیسے لگا لیا تھا جبکہ رات بھی اندھیری تھی۔"

"وہ پیپل کا درخت۔" رفیق نے ایک طرف ہاتھ اٹھا دیا۔ "اکثر پوجا پاٹھ کرنے والی عورتیں اس پر چراغ چڑھا جاتی ہیں۔ میں نے اسی سے جگہ کا اندازہ لگایا تھا۔ مجھے سوچنے دیجئے۔ میں اس سمت کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا ہوں جدھر درخت دکھائی دیا تھا۔"

حمید کے ہونٹوں پر ایک طنز آمیز مسکراہٹ پھیل رہی تھی لیکن فریدی بہت زیادہ سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

رفیق تھوڑی دیر تک کھڑا کچھ سوچتا رہا۔ پھر دفعتاً ایک طرف چلنے لگا۔ فریدی اور حمید اُسی جگہ کھڑے رہے۔ کچھ دور چل کر رفیق رک گیا۔ چند لمحے ادھر اُدھر دیکھتا رہا پھر فریدی کو آواز دی۔

"میرے خیال میں وہ جگہ یہی ہے۔" اس نے کانٹے دار جھاڑیوں کے ایک جھنڈ کی طرف اشارہ کیا۔

"صرف خیال ہی خیال ہے یا....!"

رفیق نے اپنے کرتے کا دامن اٹھایا جس کا ایک کونہ تھوڑا سا غائب تھا اور آہستہ سے بولا۔

"یہ یہیں کہیں الجھ کر پھٹا تھا.... وہ دیکھئے.... اس طرف آ جایئے۔ یہ رہا۔"

جھاڑیوں میں ایک جگہ ویسی ہی دھاریوں والا تھوڑا سا کپڑا پھنسا ہوا تھا جیسا رفیق نے کرتا پہن رکھا تھا۔ فریدی جھک کر اُسے دیکھنے لگا۔ پھر اُس نے سر اٹھا کر رفیق کو دیکھا۔

"حمید! کار سے واکنگ اسٹک نکال لاؤ۔" فریدی نے کہا۔

"پھر واکنگ اسٹک۔" حمید بڑبڑاتا ہوا چلا گیا۔

"وہ خط کیا ہوا تھا جو کرنل کو موصول ہوا تھا۔" فریدی نے رفیق سے پوچھا۔

"وہ بھی اسی تجوری میں بند تھا۔"

حمید واکنگ اسٹک لے کر واپس آ گیا۔ فریدی اس سے جھاڑیاں ہٹا ہٹا کر اندر گھس رہا تھا۔ کچھ دور چل کر وہ رک گیا۔ تھوڑی دیر تک سر جھکائے کچھ دیکھتا رہا پھر دفعتاً حمید اور رفیق کی نظروں سے غائب ہو گیا۔

حمید نے اُسے آواز دی، لیکن جواب ندارد۔ حالانکہ وہ جگہ جہاں وہ غائب ہوا تھا زیادہ دور نہ تھی۔ بمشکل تمام تیس یا چالیس گز کا فاصلہ رہا ہوگا۔ حمید اُسے پے در پے آواز دیتا رہا۔ جب کوئی جواب نہ ملا تو وہ جھلا کر رفیق کی طرف پلٹ پڑا۔

"او بوڑھے! میں تیری بوٹیاں اڑا دوں گا۔"

"رفیق نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خود بھی بہت زیادہ خوفزدہ نظر آ رہا تھا۔"

"بولو....!" حمید نے اس کا گریبان پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا۔

"حضور میں کیا...." رفیق ہانپ رہا تھا۔

حمید اُسے گھسیٹتا ہوا کار کی طرف لے گیا۔

"حضور....!" رفیق پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

"حضور کے بچے۔" حمید نے اُسے اندر دھکیل کر کھڑکیوں کے تالے بند کر دیئے اور انجن کو بھی مقفل کرنے کے بعد جھاڑیوں کی طرف چل دیا۔

وہ فریدی کو آواز دیتا ہوا کپڑوں کی پرواہ کئے بغیر جھاڑیوں میں گھس رہا تھا۔

اور پھر وہ اگر اچانک سنبھل نہ جاتا تو وہ خود بھی اس اندھے کنوئیں میں جا پڑا ہوتا۔

کنوئیں کی تہہ میں اُسے ایک آدمی دکھائی دیا۔ نیچے اندھیرا ہونے کی وجہ سے صورت صاف نہیں دکھائی دے رہی تھی۔

حمید نے پھر آواز دی۔

"کیوں مرے جا رہے ہو۔" نیچے سے آواز آئی اور حمید نے اطمینان کا سانس لیا۔ لیکن پھر دوسرے لمحے میں اس کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا کہ فریدی تہہ تک پہنچا کس طرح۔ کیا بے خیالی میں گر گیا؟ لیکن اگر یہ بات ہوتی تو وہ اتنے اطمینان سے اُسے جواب کس طرح دیتا۔

حمید جھک کر دیکھنے لگا اور پھر اس پر ساری حقیقت روشن ہو گئی۔ کنواں پختہ تھا۔ اوپر سے نیچے تک اینٹیں چنی ہوئی تھیں۔ کگاریں اتنی چوڑی اور قریب قریب تھیں کہ کوئی بھی بہ آسانی تہہ تک پہنچ سکتا تھا۔

"یہاں کیا کر رہے ہو۔" نیچے سے آواز آئی۔ "اسے نگرانی میں رکھو۔"

حمید پھر کار کے قریب آ گیا۔ اُسے اپنے رویئے پر افسوس ہو رہا تھا۔ رفیق کی آنکھیں ابھی

بھیگی ہوئی تھیں۔ حمید نے کھڑکیوں کے تالے کھول کر اُسے باہر نکالا۔

"صاحب ملے۔" اس نے خوفزدہ آواز میں پوچھا۔

"ہاں.... لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم خود ہی کنوئیں سے کیوں نہیں نکل آئے تھے۔"

"میں جانتا تھا کہ آپ اُس کنوئیں کو دیکھ کر یہی سوال کریں گے۔" رفیق آہستہ سے بولا۔ "اوپر سے دیکھنے میں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بھی آسانی سے اس میں اتر سکتا ہے اور نیچے سے اوپر آ سکتا ہے۔ مگر شاید آپ یہ نہیں جانتے کہ نچلی کگار بہت اونچی ہے اور مجھ جیسے بوڑھے....!"

فریدی کے قہقہے نے اس کی بات پوری نہ ہونے دی۔ وہ چپ چاپ ان کے پیچھے آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"واقعی نچلی کگار تک پہنچنا تمہارے بس کا روگ نہیں تھا۔" اس نے یک بیک سنجیدہ ہو کر کہا۔ "مگر اُس کنوئیں میں نہ وہ رومال ملے اور نہ وہ خالی بوتلیں۔"

رفیق کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ ہونٹ ہلے، لیکن وہ صرف تھوک نگل کر رہ گیا۔

"ڈرو نہیں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "تمہیں شاید آج رات تک اور قید میں رہنا پڑے۔ کل ضمانت ہو جائے گی اور ہاں ضمانت کے بعد جاؤ گے کہاں۔"

"مجھے نہیں معلوم کہ میں کہاں جاؤں گا۔ پیلی کوٹھی کے علاوہ میرا کوئی گھر نہیں تھا اور اب وہاں سب مجھ پر شبہہ کر رہے ہیں۔"

"خیر تم عدالت ہی میں رک کر میرا انتظار کرنا۔" فریدی نے پرخیال انداز میں کہا۔

پھر زہر

ایک ہفتہ گذر گیا۔ فریدی خلاف معمول بہت زیادہ خاموش تھا۔ وہ اس کیس کے متعلق بہت کم گفتگو کرتا تھا اور حمید کی الجھن بڑھتی جا رہی تھی۔ آخر اس نے تہیہ کیا کہ وہ خود ہی فریدی سے الگ تھلگ تحقیقات شروع کر دے گا۔ سب سے زیادہ بیتابی اُسے اس بات کی تھی کہ وہ کسی طرح اُن پرندوں کی موت کے متعلق معلوم کر لے۔ فریدی نے رفیق کو کیوں حوالات سے نکلوایا تھا۔ یہ چیز ابھی تک اس کیلئے معمہ بنی ہوئی تھی۔ اس نے اُسے اپنے ایک دوست کے یہاں ٹھہرا

دیا تھا۔ اُس نے یہ سب کچھ اپنی خود اعتمادی کے ساتھ کیا تھا جیسے اُسے یہ یقین ہو گیا تھا کہ رفیق کا اس سازش سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن حمید کو اس پر یقین نہیں تھا۔ بعض اوقات فریدی اصل مجرموں سے بھی دیدہ و دانستہ اپنی بے تعلقی ظاہر کرتا تھا جیسے وہ یا تو بے گناہ ہوں یا بالکل ہی معصوم۔

دوسری طرف وہ نصیر سے دوستی بڑھا رہا تھا۔ پیلی کوٹھی میں آمد و رفت بڑھ گئی تھی اور وہاں کے سارے افراد اس سے کافی بے تکلف ہو گئے تھے۔ حمید سوچ رہا تھا کہ کیا سچ مچ فریدی کو عالیہ پسند آ گئی ہے۔ لیکن یہ ایک ایسا خیال تھا جس پر یقین کرنے کو دل نہیں چاہتا تھا کیونکہ وہ اُسے اپنے الفاظ میں عورت پروف کے نام سے یاد کرتا تھا۔ حمید نے ایک بات اور نوٹ کی تھی وہ یہ کہ فریدی پیلی کوٹھی جاتے وقت عموماً اُسے نظر انداز کر جاتا تھا۔

حمید اس وقت گھر میں تنہا تھا۔ فریدی دفتر سے آنے کے بعد ناشتہ کر کے فوراً ہی کہیں چلا گیا تھا۔ آج تو خصوصاً اس کے رویئے پر اُسے بڑا تاؤ آیا تھا۔ مگر قہر درویش بر جانِ درویش۔ آج تو اس نے اس کے اس سوال کا جواب تک نہیں دیا تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔ اس نے اپنے کوٹ کے کالر میں بڑا سا گلاب کا پھول لگا رکھا تھا۔ تھوڑی دیر تک حمید اس گلاب کے پھول کے متعلق غور کرتا رہا تھا۔ پھر دفعتاً اس کا ذہن پیلی کوٹھی کی طرف گھوم گیا جہاں پچھلی شام کو بھی کچھ مردہ پرندے گرے تھے۔ وہ شروع ہی سے اُن کے متعلق سوچتا آیا تھا۔ کرنل اور اس کے بھائی کی پُراسرار موت نے اُس کے دل سے یہ خیال نکال دیا تھا کہ وہ کوئی آسیبی خلل ہے کیونکہ انہیں ختم کر دینے کے لئے جو طریقہ استعمال کیا گیا تھا وہ اس پر اچھی طرح روشن ہو گیا تھا اس نے عرصہ ہوا ان پرندوں کے متعلق ایک تدبیر سوچی تھی لیکن اسے آج تک عملی جامہ نہ پہنا سکا تھا۔

اس کی کاہلی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ فریدی بعض اوقات اُسے سچ مچ مکھیاں ہی مارنے پر مجبور کر دیتا تھا۔ جب ضرورت سمجھی کام لیا ورنہ پڑے پڑے باتیں بنایا کرو۔

حمید جھنجھلا کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اس نے جلدی جلدی کپڑے پہنے۔ کاندھے پر شکار کا تھیلا اور رائفل لٹکائی اور گیراج سے موٹر سائیکل نکال کر پیلی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گیا۔ دولت گنج پہنچ کر اُس نے موٹر سائیکل راجروپ نگر والی سڑک کی طرف موڑ دی کیونکہ وہ پیلی کوٹھی کی پشت پر پہنچنا چاہتا تھا۔ سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا۔ دھوپ کی تیزی کم ہو گئی تھی۔ لیکن دن بھر کی جھلسی ہوئی زمین ابھی تک تپ رہی تھی۔

پیلی کوٹھی کی پشت پر پہنچ کر حمید نے موٹر سائیکل جھاڑیوں میں چھپا دی اور خود ایک اونچے درخت پر چڑھنے لگا۔ گنجان ٹہنیوں کے درمیان اس نے ایک ایسی مضبوط شاخ تلاش کر لی جس پر وہ کچھ دیر تک بیٹھ سکے۔ درخت کافی اونچا تھا اور جہاں حمید بیٹھا تھا وہاں سے پیلی کوٹھی کا پائیں باغ صاف نظر آ رہا تھا۔

ایک بڑی سی میز کے گرد کئی آدمی بیٹھے تھے۔ حمید نے شکار کے تھیلے سے دوربین نکالی اور اس کا فوکس ٹھیک کر کے پائیں باغ کی طرف دیکھنے لگا۔ میز پر چائے دانیاں اور فواکہات رکھے ہوئے تھے اور وہاں نصیر کے علاوہ گھر کے سارے افراد موجود تھے۔ فریدی بھی تھا۔ وہ ٹھیک عالیہ کے سامنے بیٹھا ہاتھ ہلا ہلا کر گفتگو کر رہا تھا۔ حمید دانت پیس کر رہ گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ پائیں باغ کی طرف سے بے تعلق ہو کر آسمان میں کچھ دیکھ رہا تھا۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے پرندوں کی کئی قطاریں گذر گئیں لیکن ان میں سے ایک بھی مر کر نیچے نہ گرا۔ حمید مایوس ہو گیا۔ اُسے اپنی اس حماقت پر تاؤ آ گیا۔ آخر کیا تک ہے۔ خواہ مخواہ بندروں کی طرح درخت پر چڑھ بیٹھے ہیں۔ اس کا دل چاہا کہ کاندھے سے رائفل اتار کر پیلی کوٹھی کے پائیں باغ میں گولیوں کی بوچھاڑ کر دے۔

دفعتاً پرندوں کی ایک قطار پھر گذری اور ان میں سے کئی لہرا کر قطار سے الگ ہو گئے۔ پھر وہ قلابازیاں کھاتے اور اپنے پر پھڑپھڑاتے نیچے کی طرف جانے لگے۔ حمید نے یہ دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی کہ پائیں باغ میں بیٹھے ہوئے لوگوں پر اس کا کیا رد عمل ہوا۔ وہ تحیر آمیز انداز میں پرندوں کی گذرتی ہوئی قطاروں کو دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً اس کے منہ سے ہلکی سی آواز نکلی۔ ایک آدھ پرندے اب بھی گر رہے تھے۔

حمید نے جلدی جلدی ایک بار پھر دوربین کا فوکس ٹھیک کیا اور گردن کچھ اونچی کر کے دیکھنے لگا۔ دو تین پرندے اور گرے۔

بہرحال اس نے جو کچھ بھی دیکھا اس کے متعلق اخذ کئے ہوئے نتیجے پر قطعی مطمئن تھا۔

پھر اُس نے دوربین کا رخ پائیں باغ کی طرف پھیر دیا۔ وہ سب گرے ہوئے پرندوں کے گرد اکٹھا ہو گئے تھے لیکن فریدی ابھی تک اسی جگہ پر بیٹھا تھا۔ خود حمید کو پہلے ہی سے اتنی حیرت تھی کہ وہ اس پر مزید حیرت کا اضافہ کرنا فضول سمجھنے لگا۔

لیکن وہ انہیں ضرور متحیر کرنا چاہتا تھا۔ ذہن میں شرارت کے کیڑے کلبلا اٹھے تھے۔ ایسے موقعوں پر ہمیشہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی تھی۔ اس نے رائفل سیدھی کی، پیلی کوٹھی پر سے گذرتے ہوئے پرندوں کی قطار پر فائر کر دیا۔ ایک گرا اس نے جلدی میں یہ تک دیکھنا ضروری نہ سمجھا کہ پیلی کوٹھی والوں پر اس کا کیا ردعمل ہوا ہے، بس اس نے پھرتی سے رائفل کاندھے پر ڈالی اور نیچے اترنے لگا۔ اچانک اس کی نظریں پیلی کوٹھی کی طرف اٹھ گئیں۔ کچھ لوگ وہاں سے پچھواڑے کی طرف آ رہے تھے۔ حمید پھر اوپر چڑھ گیا۔ غنیمت یہی تھا کہ درخت کافی گنجان تھا لیکن حمید مطمئن نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ آنے والوں میں فریدی ضرور ہوگا۔ ایسی صورت میں آسانی سے بچ نکلنا معجزات میں سے ہو سکتا تھا۔

شفق کے رنگ گہرے ہو چکے تھے اور آہستہ آہستہ سارا جنگل دھند میں لپٹا جا رہا تھا۔ حمید ٹھیک اپنے نیچے لوگوں کے بولنے کی آوازیں سن رہا تھا۔ فریدی کہیں دور سے کسی کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کچھ دیر ادھر اُدھر سر مارنے کے بعد وہ لوگ چلے گئے۔ اب کافی اندھیرا پھیل گیا تھا۔ حمید تھوڑی دیر تک کسی کی آہٹ کا منتظر رہا لیکن جب کچھ سنائی نہ دیا تو وہ آہستہ آہستہ نیچے اترنے لگا۔ دفعتاً اس نے موٹر سائیکل اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی۔ لیکن اس کے کان پر جوں تک نہ رینگی کیونکہ یہ آواز بہت دور سے آئی تھی۔

لیکن نیچے آکر جیسے ہی اُس نے اُن جھاڑیوں میں قدم رکھا جہاں موٹر سائیکل چھپائی تھی۔ اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی اور وہ گھبرا کر آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔

قرب وجوار کی ساری جھاڑیاں چھان ماریں۔ مگر کچھ پتہ نہ چلا۔ وہ سوچنے لگا کہ لے جانے والا اس سے زیادہ چالاک تھا۔ کیونکہ وہ اسے جھاڑیوں سے نکال کر کافی دور تک کھینچتا ہوا لے گیا تھا۔ پھر اسٹارٹ کر کے رفوچکر ہو گیا تھا۔

حمید نے سوچا کہ پیلی کوٹھی جائے۔ شاید فریدی وہاں موجود ہو لیکن پھر رائفل اور شکار کے تھیلے کا خیال آتے ہی اس نے ارادہ ملتوی کر دیا۔

دولت گنج تک پیدل آنے کے بعد اس نے ایک ٹیکسی کی اور گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اُس نے سوچا کہ شہر پہنچ کر موٹر سائیکل کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرا دے گا۔ وہ موٹر سائیکل اسے سرکاری طور پر ملی تھی اس لئے اُسے اور زیادہ الجھن تھی۔

برآمدے میں داخل ہوتے ہی اُس نے محسوس کر لیا کہ فریدی گھر میں موجود ہے۔ اس لئے اس نے رائفل اور تھیلا چپ چاپ سائیڈ کے کمرے میں رکھ دیئے۔

فریدی اندرونی برآمدے میں آرام کرسی پر لیٹا کوئی کتاب پڑھ رہا تھا۔ حمید نے چپ چاپ اوپری منزل میں نکل جانا چاہا۔

"ذرا ادھر تشریف لایئے۔" فریدی نے اُسے آواز دی۔

"فرمایئے۔" حمید رک کر مڑا۔ اس کے لہجے میں جھنجھلاہٹ تھی۔

"قریب آؤ.....!" فریدی سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ "یہ کیا حرکت تھی۔"

"کیسی حرکت.....؟"

"تمہارا دماغ ٹھیک ہے یا نہیں۔"

"آخر آپ کہہ کیا رہے ہیں۔"

"تم نے درخت پر سے گولی کیوں چلائی تھی۔"

حمید بوکھلا گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ شاید فریدی نے اُسے دیکھ لیا تھا۔

"میری خوشی۔ میں اس کیس کی تفتیش الگ سے کر رہا ہوں۔"

"درخت پر چڑھ کر۔" فریدی طنزیہ لہجے میں بولا۔

"جس طرح مجھے آسانی ہوگی کروں گا۔"

"صاحبزادے ہو۔" فریدی نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔ "خیر جو کچھ بھی ہوا بُرا نہیں ہوا۔ لیکن میں پوچھتا ہوں کہ یک بیک تمہارے سر پر بھوت کیوں سوار ہو گیا تھا اور پھر ذرہ برابر بھی احتیاط نہیں برت سکتے۔ حالانکہ تم نے واپسی میں بہت دور جا کر موٹر سائیکل اسٹارٹ کی تھی۔ لیکن پھر بھی.... انہوں نے دولت گنج کے تھانے میں رپورٹ درج کرا دی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تم موٹر سائیکل کے ٹائر بدل ڈالو۔ چلو یہ کام ابھی کیئے لیتے ہیں۔ آئندہ ایسی حماقت نہ کرنا۔"

فریدی کھڑا ہو گیا۔

"مگر.... مگر....!" حمید ہکلایا۔

"کیا....؟" فریدی دروازے کی طرف جاتے جاتے رک کر بولا۔

"کچھ نہیں۔"

"تو آؤ....!"

"بات کیا ہے....!"

"کیا بات ہے۔"

"ٹھہریئے تو....!"

"ارے تو بول نا بابا۔"

"موٹر سائیکل کوئی اڑا لے گیا۔"

"کیا....؟" فریدی غصے میں پلٹا۔ "میں تمہارا سر توڑ دوں گا۔"

"آپ میرا قیمہ کر دیجئے۔ اب غلطی تو ہو ہی گئی۔"

"تو تمہیں اپنی غلطی کا اعتراف ہے۔"

"جی ہاں۔"

"اچھا کان پکڑو۔"

حمید نے کان پکڑ لیئے۔

"مرغ کی بولی بولو۔"

"یہاں نہیں....!" حمید ادھر اُدھر دیکھ کر بولا۔

"آہستہ سے بولو۔"

"ککڑوں کوں۔" حمید آہستہ سے بولا۔

"شاباش....!" فریدی نے قہقہہ لگایا۔ "موٹر سائیکل گیرج میں موجود ہے۔"

"کیا....؟" حمید اچھل کر بولا۔

"جی ہاں....!" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "اگر میں انہیں باتوں میں نہ بہلاتا تو انہیں موٹر سائیکل مل گئی ہوتی۔"

"لیکن آپ نے زبردست غلطی کی۔"

"کیوں....؟"

"اگر میں اندھیرے میں آپ کو گولی مار دیتا تو۔"

"آپ....!" فریدی نے اس کے منہ کے سامنے ہاتھ نچا کر کہا۔ "آپ میں اتنی صلاحیت

ہوتی تو رونا کس بات کا تھا۔"

"میں دھوکا کھا گیا۔" حمید نے کہا۔ "اگر آپ نے اسی جگہ اسٹارٹ کی ہوتی تو دیکھتا۔"

"مجھے پاگل کتے نے نہیں کاٹا تھا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "خیر تمہاری اس حرکت سے فائدہ ہی پہنچنے کی امید ہے۔ ورنہ اس وقت میرے ہاتھ میں ہنٹر ہوتا اور تم خاک و خون میں لوٹتے نظر آتے۔"

"آپ خواہ مخواہ اپنی طاقت کا رعب ڈالا کرتے ہیں۔" حمید بگڑ کر بولا۔ "کبھی.... او.... او.... اف۔" حمید جملہ نہیں کر پایا تھا کہ فریدی نے اس کی گردن پکڑ لی۔

"ہاں کیا کہہ رہے تھے۔" فریدی اس کی گردن دبوچے ہوئے بولا۔

"ارے ارے خدا کی قسم میں ابھی مر جاؤں گا۔" حمید غصیلی آواز میں بولا اور فریدی نے ہنس کر اس کی گردن چھوڑ دی۔

حمید تھوڑی دیر کھڑا گردن سہلاتا رہا پھر بولا۔

"سچ کہتا ہوں کہ آپ کی یہ ساری زندگی کافور ہو سکتی ہے۔" اس نے کہا۔ "بشرطیکہ آپ شادی کرلیں۔"

"ضرور کروں گا۔" فریدی نے کہا۔ "بشرطیکہ کوئی پتھر یا فولاد کی عورت مل جائے۔"

"تاکہ گھبراؤں تو ٹکرا بھی سکوں مر بھی سکوں۔" حمید نے احمد ندیم قاسمی کا مصرعہ پڑھ دیا۔

"خدا کی قسم بڑا پیارا شعر کہا ہے ندیم نے۔" فریدی نے آہستہ سے شعر پڑھا۔

اب یہ سوچا ہے کہ پتھر کے صنم پوجوں گا
تاکہ گھبراؤں تو ٹکرا بھی سکوں مر بھی سکوں

فریدی تھوڑی دیر خاموش رہا پھر کچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ حمید بول پڑا۔

"ان مردہ پرندوں کے متعلق آپ نے کیا رائے قائم کی۔"

"میں جانتا ہوں کہ تم اسی لئے درخت پر چڑھے تھے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"آپ تو روشن ضمیر ہیں۔" حمید نے جھنجھلا کر کہا۔

"روشن ضمیر تو نہیں لیکن تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"خیر میں فضول بحث میں نہیں پڑنا چاہتا۔" حمید اکتا کر بولا۔

"میں سمجھتا ہوں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تم کچھ بتانے کے لئے بیتاب ہو۔"

"جی ہاں....!" حمید نے اکڑ کر کہا۔ "وہ کسی قسم کے زہریلے پتنگے کھا کر مر جاتے ہیں۔"

فریدی بے اختیار ہنس پڑا اور حمید کا خون کھول کر رہ گیا۔ کیونکہ اس نے دوربین کے ذریعے صاف دیکھا تھا کہ پرندے فضا میں اڑتے ہوئے پتنگوں کو کھا کھا کر نیچے گر رہے تھے۔

"برخوردار انسان کے علاوہ اور سارے حیوانات میں ایک خاص قسم کی حس ہوتی ہے جس کے ذریعے انہیں اندازہ ہو جاتا ہے کہ کون سی چیز ان کے لئے بے ضرر اور کون سی مہلک ہے۔ انسان میں بھی وہ حس موجود ہے لیکن دوسری شکل میں ہم اُسے حس نہیں بلکہ ادراک کہتے ہیں۔"

"آپ کا فلسفہ نہ انہیں موت سے بچا سکتا ہے اور نہ ان پتنگوں کو بے ضرر ثابت کر سکتا ہے۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "کیونکہ میں نے خود دیکھا ہے۔"

"میں یہ تو نہیں کہتا کہ تم نے غلط دیکھا ہے۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"پھر آپ کیا کہتے ہیں۔" حمید جھلاہٹ میں تقریباً چیخ پڑا۔

"میں کہتا ہوں کہ وہ پتنگے بذات خود زہریلے نہیں ہیں۔"

"کیا مطلب....!"

"مطلب یہ کہ ان کی قسم قطعی بے ضرر ہے۔ وہ پیدائشی زہریلے نہیں۔"

"پھر....!"

"اُن کے پیروں کو زہریلا بنایا گیا ہے۔" فریدی نے کہا اور حمید متحیر ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

آخری حملہ

تھوڑی دیر کے لئے برآمدے میں سناٹا چھا گیا۔ پھر آخر حمید ہی نے خاموشی توڑ دی۔

"تو آپ اُن کے متعلق پہلے ہی سے جانتے تھے۔"

"پہلے سے اگر تمہاری مراد زیادہ دن ہیں تو میں بھی تمہاری ہی طرح اندھیرے میں تھا۔" فریدی نے کہا۔ "یہ بات مجھے کل معلوم ہوئی ہے۔ میں نے بھی وہی درخت استعمال کیا تھا جس پر

تم آج تھے، لیکن تم نے اُن پتنگوں کا ٹھکانہ معلوم کرنے کی کوشش نہ کی ہو گی۔"

"ٹھکانہ....!" حمید پھر چونک پڑا۔

"ہاں.... وہ جگہ جہاں سے پتنگے برآمد ہوتے ہیں۔" فریدی بولا۔ "میں ان کی خاصی بڑی تعداد پکڑ لایا ہوں۔ اگر تم کو میرے بیان پر اب بھی شبہ ہو تو میرے ساتھ آؤ۔"

فریدی اسے اس کمرے میں لایا جہاں اس نے سانپ پال رکھے تھے۔ اس نے ایک بریکٹ سے جالی کا ایک صندوق اٹھا کر میز پر رکھ دیا۔ اس میں ٹڈیوں کی شکل کے بے شمار پتنگے پھڑ پھڑا رہے تھے۔

فریدی نے چمٹی سے پکڑ کر ایک پتنگا نکالا اور اُسے ایک سانپ کے آگے ڈال دیا۔ قبل اس کے کہ پتنگا سنبھل کر اڑنے کی کوشش کرتا سانپ منہ مار کر اُسے چٹ کر گیا۔

پھر انہیں زیادہ دیر تک نتیجے کا انتظار نہ کرنا پڑا۔ سانپ نے پہلے تو زمین پر سر رکھ دیا لیکن دوسرے ہی لمحے میں اتنے زور سے اچھلا کہ وہ دونوں چونک کر پیچھے ہٹ گئے۔

تھوڑی دیر تک تڑپتے رہنے کے بعد وہ سرد ہو گیا۔

پھر فریدی نے دوسرا پتنگا نکالا اور اُس کے پر توڑ دیئے۔ وہ دوسرے سانپ کے آگے ڈالا گیا۔ تقریباً دس منٹ انتظار کرنے کے باوجود بھی حمید نے اُس میں کسی قسم کی تبدیلی نہ پائی۔

"تمہاری بے یقینی کی وجہ سے میرے ایک سانپ کا خون ہو گیا۔" فریدی نے کمرے سے نکلتے ہوئے کہا۔

"آپ تو اس طرح کہہ رہے ہیں جیسے مرغ یا کبوتر کا خون ہو گیا ہو۔"

"غیر متعلق بات مت چھیڑو۔"

"ضرور چھیڑوں گا۔" حمید نے کہا۔ "میں کہتا ہوں آخر یہ سب کباڑ خانہ یہاں سے کب ہٹے گا۔"

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ حمید دراصل غیر متعلق باتیں کر کے اپنی جھینپ مٹانا چاہتا تھا۔

"لوگ آپ کو خبطی کہنے لگے ہیں۔" حمید پھر بولا۔ "میں نے تو آج تک کسی سنجیدہ اور باہوش آدمی کو سانپ پالتے نہیں دیکھا۔"

"طوطا پالتے دیکھا ہے آپ نے۔" فریدی بولا۔

"دیکھا ہے.... پھر....!"

"وہ دودھ دیتا ہے یا اس کے انڈے کھائے جاتے ہیں۔"

"خوبصورت پرندہ ہے۔"

"مجھے سانپ خوبصورت لگتے ہیں۔"

"ارے صاحب خدا کرے آپ کو مینڈک اور کچھوے بھی خوبصورت لگیں میرے باپ کا کیا جاتا ہے۔"

"فضول باتوں میں اپنی اس وقت کی شرمندگی چھپانے کی کوشش نہ کرو۔"

"آپ کے پاس اس کے علاوہ اور کیا جواب ہو سکتا ہے۔" حمید ڈھٹائی سے بولا۔

"بکومت۔" فریدی نے کہا اور بیرونی برآمدے کی طرف چلا گیا۔

حمید تھوڑی دیر تک کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر ہولے ہولے سیٹی بجاتا ہوا خود بھی برآمدے کی طرف چلا گیا۔

"حمید....!"

"فرمایئے۔"

"ادھر آؤ۔"

"آ گیا۔"

"بیٹھ جاؤ۔"

"بیٹھ گیا۔"

"جہنم میں جاؤ۔"

"پاسپورٹ بنوا دیجئے۔"

"تم امریکی انداز میں سیٹی نہ بجایا کرو۔"

"آپ تو شاید میرے مرنے پر بھی تنقید سے باز نہ آئیں گے۔"

"اگر بدسلیقگی سے مرے تو اس کی توقع ضرور رکھو۔"

حمید تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بولا۔

"آج کل بہت موڈ میں معلوم ہوتے ہیں۔"

فریدی جواب دینے کی بجائے سگار سلگانے لگا۔

"فرمایئے! آپ کا عشق کن منزلوں میں ہے۔" حمید تھوڑے توقف کے بعد بولا۔

"اگر بات کرنے کے لئے کوئی ڈھنگ کا موضوع نہ سوجھے تو خاموش ہی رہا کرو۔"

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ پھاٹک پر ایک کار آ کر رکی اور کوئی اتر کر پھاٹک میں داخل ہوا۔ رکھوالی کرنے والا السیشین بھونکنے لگا۔

"نیمو۔" فریدی نے اُسے ڈانٹا۔

آنے والا کیپٹن اشرف تھا اور بہت زیادہ گھبرایا ہوا نظر آ رہا تھا۔

"آیئے! آیئے۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "سب خیریت۔"

"خیریت کہاں.... اب میں۔" اس کی سانس پھول رہی تھی۔ وہ دھم سے ایک کرسی میں گر گیا۔

"کیا بات ہے؟" حمید اُس کی طرف جھپٹا۔

اشرف نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک لفافہ دبا ہوا تھا۔ حمید اسے لے کر احمقوں کی طرح دیکھنے لگا۔ پھر اس نے بوکھلا کر فریدی کو دے دیا۔

"اوہ....!" فریدی لفافہ کھولتے ہی چونک پڑا۔ "تو آپ کی بھی باری آ گئی۔"

"کیا بات ہے۔" حمید نے بیساختہ پوچھا۔

"وہی خط۔"

"ارے۔"

فریدی تھوڑی دیر تک اس عجیب و غریب جانور کی تصویر دیکھتا رہا پھر لفافے پر کی تحریر پر نظریں جما دیں۔ اس پر کیپٹن اشرف کا نام لکھا ہوا تھا۔

"یہ خط آپ کو کب اور کس طرح ملا۔" فریدی نے اشرف سے پوچھا۔

"ابھی کچھ دیر قبل کھانا کھانے کے بعد جب میں اپنے سونے کے کمرے میں گیا یہ میرے تکئے پر رکھا ہوا تھا۔"

"ہوں....!" فریدی نے پُرخیال انداز میں سر ہلایا۔

"میں کیا کروں۔" اشرف مایوسانہ انداز میں بولا۔

"ہمت کیجئے۔ آپ تو ملٹری کے آدمی ہیں۔"

"اگر آمنے سامنے کا مقابلہ ہوتا تو بات بھی تھی۔" اشرف نے کہا۔

"یہ بھی ٹھیک ہے۔" فریدی کچھ سوچنے لگا۔

"میں نے گھر میں کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ سیدھا آپ کے پاس چلا آیا۔"

"آپ نے اچھا کیا۔" فریدی نے کہا۔ "رفیق کے بیان کے مطابق ہمارا مقابلہ ایک پراسرار شخصیت سے ہے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"کوئی بات نہیں۔ میں آپ کو اور زیادہ خوفزدہ نہیں کرنا چاہتا۔"

"پھر بھی.... مجھے اندھیرے میں نہ رکھئے۔"

"وہ آپ کے چچا کا ایک بہت پرانا دشمن ہے۔"

"کون....!"

"افریقہ کا ایک پُر اسرار باشندہ۔"

"کچھ اور بھی بتایئے۔"

فریدی نے رفیق کا بیان دھرا دیا۔ اشرف خوفزدہ آواز میں ہنسنے لگا۔

"اول تو مجھے اُس جانور کے وجود پر ہی شبہ ہے اور اگر اس قسم کی کوئی بات ہوئی ہوتی تو چچا جان مجھے ضرور بتاتے۔ انہوں نے اپنے افریقہ کے بہتیرے کارنامے بتائے ہیں۔"

"ممکن ہے کسی وجہ سے اس کا تذکرہ نہ کیا ہو۔"

"کسی نہ کسی سے تو ضرور کرتے۔"

"پھر آخر آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔" فریدی نے سوال کیا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کہوں۔"

"رفیق اتنا ذہین نہیں معلوم ہوتا کہ قتل کے اتنے نادر طریقے سوچ سکے۔"

"پھر....!"

"مجھے اس کا بیان صحیح معلوم ہوتا ہے۔"

"تو کیا وہ پُر اسرار آدمی یہاں آگیا ہے۔"

"میں اس کے متعلق وثوق سے نہیں کہہ سکتا۔"

"خیر وہ ہو یا نہ ہو۔" اشرف گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "یہ بتایئے کہ اب میں کیا کروں۔"

"احتیاط برتئے۔"

"کیا چچا صاحب نے احتیاط نہ برتی ہوگی۔ والد صاحب بھی کافی محتاط تھے۔ مگر۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" فریدی نے بجھا ہوا سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ "میں پیلی کوٹھی کی نگرانی کیلئے دس بارہ کانسٹیبل بھجوادوں گا۔ ان میں سے دو آپکے کمرے کے سامنے رہیں گے۔"

"کیا یہ احتیاط مجھے بچالے گی۔" اشرف کے لہجے میں بڑی مایوسی تھی۔

"مسٹر اشرف ہمت کیجئے۔" فریدی نے اُسے پھر دلاسا دیا۔ "میں ابھی فون پر ایس۔ پی کی اجازت لے کر آپ کے یہاں کانسٹیبل بھجواتا ہوں اور میں خود بھی غافل نہ رہوں گا۔"

اشرف کچھ دیر تک بیٹھا رہا۔ اس دوران میں فریدی نے ایس۔ پی کو فون کر کے اجازت حاصل کر لی۔

"آپ بے فکر رہیئے۔"

اشرف جانے کے لئے اٹھا۔ اس کے قدم ڈگمگا رہے تھے۔ کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اس نے دونوں سے مصافحہ کیا اور برآمدے سے اتر گیا۔ السیشین پھر بھونکا اور فریدی نے اسے ڈانٹ کر چپ کرا دیا۔

تھوڑی دیر بعد کار اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی اور ساتھ ہی ایک چیخ بھی سنائی دی۔ پھر کوئی گرا۔ انجن کی آواز فضا میں منتشر ہو رہی تھی۔

السیشین بھونکتا ہوا پھاٹک کی طرف دوڑا۔ فریدی اور حمید بھی بڑھے۔

اور پھر انہوں نے ایک دل ہلا دینے والا منظر دیکھا۔ اشرف کی کار کی اگلی نشست کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ اس کے دونوں پیر اندر تھے اور آدھا دھڑ نیچے زمین پر تھا۔ ہاتھ پھیل گئے تھے۔ کار کا انجن شور مچا رہا تھا۔ فریدی نے ہاتھ بڑھا کر انجن بند کر دیا۔

سڑک بالکل سنسان تھی۔ پھر فریدی نے السیشین کا پٹہ پکڑ کر اُسے پھاٹک کے اندر دھکیل دیا۔

فریدی کے سارے نوکر بھی اکٹھا ہو گئے تھے۔

اشرف گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ فریدی نے کار کے اندر نظر ڈالی۔ بریکوں کے پاس ایک انجکشن لگانے والی سرنج پڑی ہوئی تھی۔ اُس نے اسے احتیاط سے اٹھالیا۔ اُس میں کوئی سیال

شے بھری ہوئی تھی۔

اشرف کو سڑک سے اٹھا کر اندر لایا گیا۔ قریب ہی ایک ڈاکٹر کی بھی کوٹھی تھی۔ فریدی نے اُسے فون کیا اور وہ پانچ منٹ کے اندر ہی اندر وہاں پہنچ گیا۔

سب خاموش کھڑے تھے۔ حمید کبھی فریدی کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی اشرف کی طرف، جو ابھی تک گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔

"صرف بیہوشی۔" ڈاکٹر نے سر اٹھا کر کہا۔ "کوئی خاص بات نہیں۔ میرا خیال ہے کہ بیہوشی محض خوف کا نتیجہ ہے۔"

فریدی نے پر خیال انداز میں سر ہلا دیا۔

ڈاکٹر اشرف کو ایک انجکشن دے کر چلا گیا۔

"یعنی بالکل ہمارے سر پر۔" حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔

فریدی مسکرانے لگا۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔

"میرا خیال ہے کہ اگر السیشین اس کی چیخ سن کر دوڑا نہ ہوتا تو وہ اپنا کام کر ہی گیا تھا۔" حمید پھر بولا۔

"ہو سکتا ہے۔" فریدی پر خیال انداز میں بولا۔ اس کی نظریں اشرف پر جمی ہوئی تھیں جس میں اب ہوش کے کچھ کچھ آثار پیدا ہو چلے تھے۔ پھر اُس نے کراہ کر کروٹ بدلی۔ ساتھ ہی اس کی آنکھیں بھی آہستہ آہستہ کھلنے لگیں اور وہ یک بیک اٹھ بیٹھا۔

"میں بھی مرا.... ہائے۔" وہ پھر دھڑ سے لیٹ گیا۔

"آپ بچ گئے ہیں۔" فریدی مسکرایا۔

اشرف اس طرح فریدی کو دیکھ رہا تھا جیسے اُسے اس کی بات پر یقین نہ ہو۔

"آپ واقعی بچ گئے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

اشرف پھر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ اپنا بایاں ہاتھ دبا رہا تھا۔

"لیکن یہ واقعہ پیش کس طرح آیا۔" فریدی نے پوچھا۔

"اوہ.... میں۔" اشرف رک رک کر بولا۔ "میرا ہاتھ گیرز پر تھا کہ کوئی تیز چیز چبھی۔"

اس نے اپنا ہاتھ فریدی کی طرف بڑھا دیا۔

فریدی نے ایک جگہ انگلی رکھ کر اُس کی طرف سوالیہ انداز سے دیکھا۔

"یہیں....!" اشرف نے سر ہلا دیا۔

"میرے ذہن میں میرے باپ کی موت گونج اٹھی۔" اشرف آہستہ سے بولا۔ "پھر مجھے کچھ یاد نہیں۔"

"اس کا حملہ کامیاب نہیں ہوا۔" فریدی نے کہا۔

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن.... اب میں۔" اشرف کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"میں خود آپ کو اس وقت واپس جانے کی اجازت نہ دوں گا۔" فریدی نے کہا۔

اشرف کے چہرے سے اطمینان جھلکنے لگا۔

"بلکہ میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ ان سب کو بھی کچھ دنوں کے لئے یہیں بلا لوں۔"

فریدی کے اس جملے پر حمید کے خیالات کی رو عالیہ کی طرف بہک گئی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا فریدی سچ مچ عالیہ کو پسند کرنے لگا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ اُن سب کو یہاں بلانے کا ارادہ کیوں ظاہر کرتا۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ دھمکی صرف کرنل اور اس کے وارثوں کے لئے تھی۔ کرنل کا آخری وارث حملے کے باوجود بھی بچ گیا تھا۔ پھر اب ان لوگوں کی اتنی حفاظت کیا معنی رکھتی تھی۔ ہاں اشرف کی موت کے بعد پھر ڈاکٹر قدیر وارث ہو سکتا تھا۔ مگر جب تک اشرف زندہ ہے اس کے لئے کوئی خطرہ نہیں.... پھر؟

حمید کا ذہن عالیہ کے علاوہ اس الجھن کا کوئی جواز نہ پیش کر سکا۔

"ان لوگوں کو۔" اشرف تھوڑی دیر بعد بولا۔ "میرے خیال سے انہیں تو کوئی خطرہ نہیں۔"

"شائد آپ وہ آج شام والا فائر بھول گئے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"اوہ! مجھے اپنی پریشانی میں اس کا دھیان ہی نہیں تھا۔"

"اُس فائر سے میں نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ دشمن کسی وقت کھل کر بھی سامنے آسکتا ہے۔"

حمید کی الجھن اور بڑھ گئی۔ فریدی جان بوجھ کر غلط بیانی سے کام لے رہا تھا۔ آخر کیوں؟ اور پھر اس وقت اس فائر کا تذکرہ کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔

پھر تھوڑی دیر بعد فریدی پیلی کوٹھی والوں کو فون کر رہا تھا۔ "ہیلو! ڈاکٹر قدیر! میں فریدی بول رہا ہوں۔ کیپٹن اشرف کو ایک حادثہ پیش آگیا ہے۔ لیکن وہ بالکل بخیریت ہیں۔ کوئی گھبرانے

کی بات نہیں۔ آج رات وہ میرے مہمان رہیں گے.... نہیں نہیں واقعی وہ بخیریت ہیں....اگر کہئے تو خود ان کو فون پر بلاؤں.... خیر.... بھئی میں تو یہ مشورہ دوں گا کہ آپ سب کچھ دنوں کے لئے یہاں آجایئے۔ آپ کو کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ یہ حقیقت ہے کہ آپ سب بہت خطرناک پوزیشن میں ہیں۔"

وہ مجرم

دوسرے دن بھی فریدی نے اشرف کو نہ جانے دیا۔ حمید الجھن میں تھا کہ آخر فریدی نے اشرف کو اس سیر بیج کے متعلق کیوں نہیں بتایا تھا اس کے پوچھنے پر فریدی نے صرف یہ بتایا کہ وہ اسے اور زیادہ خوفزدہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسی دن دوپہر کو اشرف کو بخار ہو گیا اور شام تک پیلی کوٹھی کے سارے افراد فریدی کی کوٹھی میں اکٹھا ہو گئے۔ ان کے وہاں قیام کرنے کے سلسلے میں ڈاکٹر قدیر کے علاوہ اور سب متفق تھے اور وہ آخیر تک اپنی بات پر اڑا رہا۔ آخر طے یہ پایا کہ قدیر پیلی کوٹھی ہی میں رہے گا۔ فریدی نے اس کے علاوہ اور سب کا انتظام کر دیا۔ بہر حال وہ ڈاکٹر قدیر کی ضد پر متردد نظر آ رہا تھا لیکن نہ جانے کیوں اس نے بہت زیادہ اصرار نہیں کیا۔

اُس کی تاکید تھی کہ کوئی گھر سے باہر نہ جائے۔ نصیر نے اس پر بڑی واویلا مچائی۔

"آخر کیوں؟" فریدی نے پوچھا۔ "اگر دو چار دن گھر ہی پر رہ جاؤ گے تو کونسی مصیبت ٹوٹ پڑے گی۔"

"میں بغیر پئے نہیں رہ سکتا۔"

"بہت بُری عادت ڈال لی ہے تم نے۔" فریدی نے کہا۔ "خیر آؤ۔ میرے ساتھ میں تمہاری یہ عذر لنگ بھی باقی نہ رہنے دوں گا۔"

وہ اُسے ایک چھوٹے سے کمرے میں لایا جہاں اعلیٰ درجے کا فرنیچر موجود تھا اور دیواروں پر مصوری کے نادر نمونے نظر آ رہے تھے۔ فرش پر بہترین قسم کا ایرانی قالین تھا۔

فریدی ایک الماری کا پٹ کھول کر کھڑا ہو گیا۔ نیچے سے اوپر تک عمدہ قسم کی شراب کی بوتلیں چنی ہوئی تھیں۔

"گڈ لارڈ....!" نصیر تحیر آمیز آواز میں بولا۔ پھر فریدی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ "آپ بہت اونچی شرابیں پیتے ہیں۔"

"میں نہ اونچی پیتا ہوں نہ نیچی۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "یہ صرف ان مہمانوں کے لئے ہیں جو اس سے شوق کرتے ہیں۔"

"آپ بہت گریٹ آدمی ہیں۔" نصیر فریدی کا شانہ دبا کر بولا۔

"لیکن پی کر ہلڑ نہیں مچاؤ گے۔" فریدی نے اس کا ہاتھ ہٹا کر کہا۔ "پیئو اور وہ سامنے کوچ ہے چپ چاپ سُوئر ہو۔ کیا سمجھے، ورنہ میرے خطرناک کتے تمہیں نوچ کھائیں گے۔"

بیگم عارف، بیگم نواز اور عالیہ فریدی کی کوٹھی دیکھتی پھر رہی تھیں۔ حمید ان کے ساتھ تھا۔

سانپوں والے کمرے کے قریب سے گذرتے وقت حمید نے کہا۔

"اس میں فریدی صاحب کے بعض رشتے دار رہتے ہیں۔"

"اس کمرے میں۔" عالیہ بولی۔

"ہاں آپ کو حیرت کیوں ہے۔"

"آپ نے کہا بعض رشتے دار.... کیا کئی ہیں۔"

"کئی نہیں درجنوں۔"

"بھلا اتنے سے کمرے میں۔"

"اگر یقین نہ ہو تو اس کھڑکی سے جھانک کر دیکھ لیجئے۔"

عالیہ کھڑکی کے قریب آ گئی اور پھر چیخ کر لوٹ پڑی۔

"سانپ....!" وہ ہانپتی ہوئی بولی۔

دونوں عورتیں بھی بڑھیں لیکن انہیں بھی گھبرا کر پیچھے ہٹ جانا پڑا۔

کمرے کے اندر فرش پر کئی بڑے بڑے سیاہ رنگ کے سانپ رینگ رہے تھے۔

"یہ گھر نہیں مداری کا جھولا ہے۔" حمید ہنس کر بولا۔

"لیکن سانپ کیوں۔" بیگم نواز نے کہا۔

"بس شوق ہی تو ہے۔" حمید بولا۔ "لیکن گھبرایئے نہیں۔ کمرے کی بناوٹ ایسی ہے کہ باہر نہیں آسکتے۔"

"تیس چالیس تو کتے ہی ہوں گے۔" بیگم عارف نے بیگم نواز سے کہا۔

"کتے تو خیر سبھی پالتے ہیں، لیکن سانپ۔" عالیہ بولی۔ "انہیں کھلاتا پلاتا کون ہے۔"

"خود فریدی صاحب۔"

وہاں سے وہ لوگ آگے بڑھ گئے۔ عجائبات کے کمرے میں وہ تقریباً آدھ گھنٹے تک رہے۔

"اور وہ اپنی دولت اسی طرح برباد کر رہے ہیں۔" بیگم نواز نے کہا۔

"کہیں ان کے سامنے یہی جملہ نہ دہرا دیجئے گا۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "وہ اپنی دانست میں بہت بڑا کام کر رہے ہیں۔"

"شادی کیوں نہیں کرتے۔" بیگم عارف نے کہا۔

"یہ ایک دلچسپ داستان ہے۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔ "ایک بار انہیں ایک نجومی نے بتایا کہ تمہاری دو شادیاں ہوں گی۔ جھلا کر بولے میں ایک بھی نہ کروں گا۔ تب سے اب تک اپنی بات پر اڑے ہوئے ہیں اور میں اس نجومی کی تلاش میں ہوں۔"

"کیوں....!" عالیہ بولی۔

"تاکہ میں اس بات پر کسی طرح اسے راضی کروں کہ وہ اپنے الفاظ واپس لے لے۔"

عورتیں ہنسنے لگیں۔

"نہیں واقعی کیوں نہیں شادی کرتے۔" بیگم نواز نے کہا۔

"اگر کسی لڑکی سے آپ کو دشمنی ہو تو پھر میں کوشش کروں۔" حمید بولا۔

"کیوں.... میں نہیں سمجھی۔"

"کمال کرتی ہیں آپ بھی۔ کوئی شامت زدہ ہی فریدی صاحب کی تقدیر سے ٹکرائے گا۔"

"ارے اُسے یہ سارے کتے، سانپ بچھو اود بلاؤ نوچ نہ کھائیں گے۔"

عالیہ ہنسنے لگی۔

"اور آپ.... آپ اپنے متعلق کیا کہتے ہیں۔" بیگم عارف نے ہنس کر کہا۔

"ارے ہی ہی۔" حمید نے شرمانے کی بڑی عمدہ ایکٹنگ کی۔

وہ لوگ ایک اور کمرے کے قریب سے گذرے اور بیگم عارف چونک پڑی۔ اس کا لڑکا نصیر ایک میز کے سامنے بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ میز پر شراب کی بوتل اور گلاس رکھا ہوا تھا۔

حمید نے سوچا کہ وقت بڑے مزے میں کٹ جائے گا۔ فریدی نے اس کی ڈیوٹی لگادی تھی کہ وہ اس کے ساتھ گھر پر رہے گا۔

حمید عالیہ وغیرہ کو ان کے ٹھکانے پر پہنچا کر اُسی کمرے میں لوٹ آیا جہاں نصیر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ نیم وا آنکھوں سے حمید کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور حمید کی ہتھیلی کھجلانے لگی۔

"آیئے آیئے.... پیارے بھائی۔" وہ نشے میں بڑبڑایا۔

حمید اسکے قریب بیٹھ کر اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ پھر بوتل اٹھا کر دیکھی جو خالی تھی۔

"اور چاہیئے۔" حمید نے اس سے پوچھا۔

"نہیں پیارے بھائی۔" وہ رک رک کر بولا۔ "فر.... فر.... فدائی صاحب نے کہا تھا.... سو جانا۔"

"واہ یار نرے اناڑی معلوم ہوتے ہو۔" حمید ہنس کر بولا۔ "سو گئے تو پھر پینے کا مزہ ہی کیا۔ نہیں اور پیو۔"

اس نے الماری سے دوسری بوتل نکالی اور میز پر رکھ دی۔

نصیر پھر پینے لگا۔

"یار وہ تمہاری محبوبہ! ابھی اشرف کے کمرے میں تھی۔"

"کون عالیہ....!" نصیر کھڑا ہو گیا۔

"ہاں....!"

"میں دونوں کو شوٹ کردوں گا۔"

"اب اس وقت جانے دو۔ وہ اس کے سر میں تیل لگا رہی ہے۔"

"خدا کی قسم مار ڈالوں گا۔" وہ مٹھیاں بھینچ کر لڑکھڑاتا ہوا آگے بڑھا۔

"نہیں یار بُری بات ہے۔" حمید نے اُسے پکڑ لیا۔

"ہو گی سالی بوری بات۔ تم ہٹ جاؤ۔"

"جانے بھی دو صبر کرو۔ واقعی تم پر ظلم ہو رہا ہے۔"

"مجھ پر ظولم۔ ہائے مجھ پر ظولم۔ پیارے بھائی۔" وہ حمید کی گردن سے لپٹ گیا اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ "ظولم.... ہائے ظولم۔"

"صبر کرو..... صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔" حمید نے کہا اور دو تین تھپکیاں دے کر اُسے چھوڑ دیا اور وہ لڑکھڑاتا ہوا باہر جانے لگا۔ فریدی آفس جا چکا تھا۔ اس لئے حمید مطمئن تھا۔

نصیر آگے تھا اور حمید پیچھے..... جیسے ہی وہ کاریڈر کے سرے پر مڑے سامنے سے اشرف آتا دکھائی دیا اور حمید جھپٹ کر ایک کمرے میں چلا گیا۔

نصیر نے اشرف کی گردن میں ہاتھ ڈال دیا تھا۔ اشرف نے اُسے پرے جھٹک دیا۔

"یہ کیا بیہودگی۔" وہ گرج کر بولا۔

"ہائیں یہ بیہودگی ہے..... تیل مالش ہوتی ہے..... میں صبر کروں گا..... صبر کا پھل..... صبر کا پھل..... کیا ہوتا ہے..... پیارے بھائی۔" اس نے حمید کو آواز دی۔

"تمہیں شرم نہیں آتی۔" اشرف اس کا گریبان پکڑ کر بولا۔ "دوسرے کے گھر میں بھی وہی حرکتیں۔"

"یہ میرے باپ کا گھار ہے۔ ہائے..... ہائے..... تیل مالش..... تیل مالش..... بوٹ پالش..... آلو چھولے..... آج کا تازہ اخبار..... خستہ کراری گزک۔"

"کیا بک رہے ہو۔"

"بارہ مسالے کی چاٹ..... چرچرا کے ٹوٹی کھاٹ..... فرنچ لے..... لے..... لپ۔"

اشرف نے بڑھ کر اس کا منہ دبا دیا۔ دونوں میں ہاتھا پائی ہونے لگی اور حمید بھی نکل آیا۔

"ذرا میری مدد کیجئے۔" اشرف ہانپتا ہوا بولا۔ "مجھے سخت شرمندگی ہے۔"

"سس..... سالے..... تیل مالش.....!" نصیر نے اشرف کے سر پر دو ہتھڑ رسید کر دیا۔

اشرف نے اس کے دونوں ہاتھ جکڑ لئے۔

اشرف قابل تعریف حد تک اس کی حرکتوں کو برداشت کر رہا تھا۔ اُس نے اس دوران کوئی ایسا رویہ اختیار نہیں کیا جسے انتقامی اسپرٹ سے تعبیر کیا جا سکتا۔ اس کا انداز بزرگانہ تھا۔

پھر حمید اور اشرف نے مل کر اُسے مہمان خانے کے ایک خالی کمرے میں بند کر دیا۔

حمید کو بڑا لطف آ رہا تھا۔ لیکن پھر اُس نے سوچا کہ کہیں بات بڑھ کر فریدی تک نہ جا پہنچے۔ اس لئے اس نے زیادہ چھیڑ چھاڑ کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

دوسرے دن صبح تک وہ یہ بھی بھول گیا کہ وہ لوگ یہاں کیوں آئے ہیں۔ پچھلی رات کو

کافی دیر تک متعدد قسم کے دلچسپ مشاغل جاری رہے تھے۔ پھر گیارہ بجے سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔

دوسرے دن فریدی نے ڈاکٹر قدیر کو فون کیا اور اس سے استدعا کی کہ وہ رات کا کھانا اسی کے ساتھ کھائے۔

"آخر یہ قدیر بھی کیوں نہیں آ گیا۔" حمید نے فریدی سے پوچھا۔

"ڈرپوک آدمی نہیں ہے۔" یہ فریدی کا مختصر جواب تھا۔

رات کو سب کھانے کے کمرے میں اکٹھا تھے اور ڈاکٹر قدیر کا انتظار ہو رہا تھا۔ نصیر اس وقت بھی نشے میں تھا لیکن نہ جانے کیوں فریدی کی موجودگی میں بہت زیادہ محتاط نظر آ رہا تھا۔ اگر کبھی کسی بات پر بے تحاشہ ہنستا بھی تو قہقہے کو ذرا دبائے ہوئے۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ آواز کو زیادہ بلند ہونے سے روک رہا ہے۔

تھوڑی دیر بعد قدیر بھی آ گیا۔ وہ پندرہ منٹ دیر سے پہنچنے پر معذرت طلب کر رہا تھا۔

کھانے کے دوران میں زیادہ تر تفریحی باتیں ہوتی رہیں۔ حمید نے لطیفے شروع کر دیئے تھے۔ عالیہ دل کھول کر ہنس رہی تھی اور نصیر دانت پیس رہا تھا۔ لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔ کبھی کبھی ڈاکٹر قدیر اور کیپٹن اشرف عالیہ سے گفتگو کرنے لگتے تھے وہ ان دونوں کے بیچ میں بیٹھی ہوئی تھی۔ نصیر دوسری طرف ٹھیک اس کے سامنے تھا۔

کھانے کے بعد وہ سب تمباکو نوشی کے کمرے میں کافی کا انتظار کرنے لگے۔

ڈاکٹر قدیر نے اشرف پر حملے کا تذکرہ چھیڑ دیا۔ وہ فریدی سے حملے کا طریقہ پوچھ رہا تھا۔

"طریقہ وہی تھا جس کا اظہار میں بہت پہلے کر چکا ہوں۔ زہر کا انجکشن.....!"

اشرف بے اختیار چونک پڑا۔

"آپ نے یہ بات مجھے پہلے کیوں نہیں بتائی تھی۔" اس نے کہا۔

"میں آپ کو اور زیادہ خوفزدہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔" فریدی بولا۔ پھر اس نے جیب سے ایک سرنج نکالی۔

"یہ اشرف صاحب کی کار میں پائی گئی تھی اور ایک سریع الاثر زہر سے لبریز تھی۔"

قدیر نے ہاتھ بڑھا کر وہ سرنج فریدی کے ہاتھ سے لے لی اور اسے الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا۔

فریدی کی نظریں اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"یہ شاید میری ہی ہے۔" قدیر نے لاپروائی سے کہا اور سرنج فریدی کو واپس کر دی۔

سب لوگ چونک کر قدیر کو دیکھنے لگے۔ صرف فریدی کا چہرہ استعجاب کے اظہار سے عاری تھا۔

"مجھے اسی کی توقع تھی۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

اتنے میں کافی آگئی لیکن ان میں سے کوئی بھی کافی لینے کے موڈ میں نہیں تھا۔

سب کی نظریں قدیر کی طرف اٹھی ہوئی تھیں اور اسکے چہرے سے بیزاری ظاہر ہو رہی تھی۔

"آپ لوگ کافی پیجئے نا۔" فریدی نے کہا۔ "ڈاکٹر قدیر کی سرنج ہونے سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ وہ حقیقتاً مجرم ہیں۔"

فریدی نے صرف عالیہ کے چہرے پر اطمینان کی جھلک دیکھی اور وہ ڈاکٹر قدیر کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا۔

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ مجرم نے انہیں پھنسانے کے لئے یہ حرکت کی ہے۔" اشرف نے کہا۔

"میں تو یہی سمجھتا ہوں۔" فریدی نے کہا اور پھر جھک کر کافی لانے والے نوکر کے کان میں کچھ کہنے لگا۔ نوکر سر ہلا کر چلا گیا۔

وہ سب اپنی پیالیوں میں کافی انڈیل رہے تھے۔

"عالیہ صاحبہ نے غالباً اس گھر کو مداری کے جھولے سے تشبیہہ دی تھی۔" فریدی نوکر کے ہاتھ سے گوشت لیتا ہوا بولا۔

"جی نہیں! میں نے حمید صاحب کا جملہ دہرایا تھا۔" عالیہ نے مسکرا کر کہا۔

"بہر حال میں آپ لوگوں کو ایک شعبدہ دکھانا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"ٹھہریئے۔" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں پیسہ اکٹھا کرنے کے لئے ڈبہ بھی لیتا آؤں۔ بڑے بڑے صاحب لوگ موجود ہیں۔"

سب ہنسنے لگے اور حمید تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔ اس نے خطرے کی بو سونگھ لی تھی، لیکن اسے بہت دیر میں ہوش آیا۔ فریدی کی آنکھوں میں درندگی کی جھلک پیدا ہوگئی تھی۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اس وحشت خیز چمک کا کیا مطلب ہے۔

اس نے اپنے کمرے میں آکر میز کی دراز سے پستول نکالا اور جیب میں ڈال لیا اور پھر تمباکو کا ایک خالی ڈبہ لے کر تمباکو نوشی کے کمرے میں لوٹ آیا اور ڈبے کو میز پر رکھتا ہوا بولا۔ "ہاتھ کی صفائی پیٹ کے لئے۔ جو جس کے جی میں آئے تماشے کے بعد ڈبے میں ڈال دے۔ ورنہ سخی کا بول بالا اور سوم کا منہ کالا۔"

ایک بار پھر قہقہہ پڑا اور حمید فریدی کو آنکھ مار کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ خود اس کا دل بڑی شدت سے دھڑک رہا تھا اور اس کی نظریں نصیر پر جمی ہوئی تھیں۔

فریدی نے ایک ڈبیہ سے ایک سنگریزہ نکالا اور اسے چمٹی سے پکڑ کر سب کو دکھاتا ہوا بولا۔

"یہ آگ تو نہیں۔"

سب لوگ ہنسنے لگے۔ وہ پھر بولا۔ "خوب غور سے دیکھ لیجئے۔"

پھر اس نے وہ سنگریزے گوشت کے ٹکڑے پر رکھ دیئے اور دیکھتے ہی دیکھتے دھوئیں کی ایک پتلی سی لکیر اوپر اٹھ کر بل کھانے لگی۔

"قدیر صاحب۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "یہی وہ سنگریزہ ہے جس نے کرنل کی جان لی تھی۔ اُن کے زخم پر جلنے کا نشان تو آپ کو یاد ہی ہوگا۔"

"لیکن یہ ہے کیا بلا۔" ڈاکٹر قدیر مضطربانہ انداز میں بولا۔

"پوائزوینا مچھلی کے سر کا سنگریزہ۔"

"پوائزوینا مچھلی۔" اشرف نے دہرایا۔

"جی ہاں۔" فریدی لاپروائی سے بولا "اور پوائزوینا مچھلی کے متعلق انہیں بتانے لگا۔"

اس کے بعد اس نے کرنل کے متعلق وہ داستان چھیڑی جو اُسے رفیق سے معلوم ہوئی تھی۔

"کیا آپ میں سے کسی کو اس کا علم تھا۔" فریدی نے سوال کیا۔

"نہیں....!" چاروں طرف سے آوازیں آئیں۔

"کیا آج یا کل اشرف صاحب نے بھی آپ سے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔"

قبل اسکے کہ کوئی جواب دیتا اشرف خود ہی بول پڑا۔ "مجھے اس غپ پر یقین نہیں آیا تھا۔"

خیر بہر حال آپ نے اس کا تذکرہ کسی سے نہیں کیا۔ یہ اچھی عادت ہے۔ میں اسے پسند کرتا ہوں۔" فریدی بولتا رہا۔ "لیکن میرا پیشہ ایسا ہے کہ میں کسی بات کو سرے سے غپ ہی سمجھنے پر

مصر نہیں ہوتا۔ ہاں تو مومباسہ سے تحقیقات کرانے پر معلوم ہوا کہ وہاں اس قسم کا ایک آدمی موجود تھا۔ لیکن وہ تقریباً دس سال سے غائب ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ حقیقتاً ایک ایسا ہی عجیب و غریب جانور اپنے پاس رکھتا ہے۔" فریدی خاموش ہو کر ان کے چہروں کا جائزہ لینے لگا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ "مجرم بہت چالاک ہے اور زہروں کے متعلق اس کی معلومات اور استعمال کے طریقوں کی داد دینی پڑتی ہے۔ مثلاً پرندوں کی موتیں۔"

"پرندوں کی موتیں۔" سب بے اختیار چیخ پڑے۔

"جی ہاں.... ٹڈیوں کے شکل کے پتنگوں کے پروں کو زہر میں ڈبویا گیا اور وہ پرندے انہیں کھا کر.... ہاں تو اشرف صاحب اُس پراسرار آدمی کا وجود واہمہ نہیں تھا۔"

"لیکن چچا جان اس کا تذکرہ کسی سے تو کرتے۔" اشرف ہر ایک کی طرف دیکھنے لگا۔

"مجھے بھی اس کا علم نہیں تھا۔" ڈاکٹر قدیر بولا۔

"پھر اس مجرم نے رفیق کو ایک کنوئیں میں قید رکھا۔" فریدی نے کہا۔ پھر کچھ دیر خاموش رہ کر یک بیک عالیہ سے بولا۔ "کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ مجرم کون ہے۔"

"بھلا میں کیا جانوں۔" عالیہ گھبرا کر بولی۔ لیکن فریدی کسی اور طرف دھیان دیئے بغیر بولتا رہا۔ "میں نے تقریباً ایک سال کا ریکارڈ چھنوا ڈالا ہے، لیکن رفیق کے بتائے ہوئے حلیے کے کسی غیر ملکی کی آمد کا پتہ نہیں چلتا۔ مومباسہ کی پولیس کا خیال ہے کہ وہ ایک سیلانی آدمی تھا کہیں مر کھپ گیا ہوگا۔"

فریدی پھر خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک انہیں فرداً فرداً گھورتے رہنے کے بعد مسکرا کر بولا۔ "بہر حال مجھے یقین ہے کہ یہ اس کی حرکت نہیں۔ کوئی ایسا آدمی ہے جو ڈاکٹر قدیر سے خاص طور پر پُرخاش رکھتا ہے۔"

"کون ہے وہ۔ میں اس کا خون پی لوں گا۔" نصیر ہاتھ ہلا ہلا کر چیخنے لگا۔

"خاموش رہو۔" فریدی نے اُسے ڈانٹا۔ "میں اُسے اچھی طرح جانتا ہوں۔ کیپٹن اشرف تم سرنج کے معاملے میں دھوکا کھا گئے۔ اس پر تمہاری انگلیوں کے نشانات ملے ہیں۔"

یک بیک کافی کی میز الٹ گئی اور اشرف اچھل کر بھاگا۔

"خبردار....!" حمید نے ریوالور نکال لیا لیکن اشرف دروازے سے نکل چکا تھا۔

عورتیں بُری طرح چیخ رہی تھیں۔ حمید دروازے کی طرف جھپٹا۔

"ٹھہرو! اس کی ضرورت نہیں۔" فریدی مسکرا کر پُرسکون لہجے میں بولا۔ "مہمانوں سے ہنگا مشتی نہیں کی جاتی۔"

دفعتاً باہر کتوں کے بھونکنے اور کسی کے چیخنے کی آوازیں سنائی دیں۔

"اب جاؤ....!" فریدی ہنس کر بولا۔ "ورنہ وہ اس کی بوٹیاں اڑا دیں گے۔"

بیگم عارف فریدی کو بُرا بھلا کہہ رہی تھی۔ حمید، قدیر اور نصیر باہر بھاگے۔

"مجرموں کو پکڑنا میرا فرض ہے۔" فریدی نے بیگم عارف سے کہا اور وہ سر جھکا کر بیٹھ گئی۔

تھوڑی دیر بعد وہ تینوں اشرف کو سنبھالے ہوئے اندر لائے۔ اس کے کپڑے پھٹ گئے تھے۔ چہرے پر کئی جگہ سے خون رس رہا تھا۔ حمید نے اسے ایک آرام کرسی پر ڈال دیا۔

"یہ ایک سعادت مند بیٹا ہے۔" فریدی تنفر آمیز لہجے میں بولا۔ "جس نے دولت کے لالچ میں باپ اور چچا کا خون کیا۔ عالیہ کو حاصل کرنے کے لئے ڈاکٹر قدیر کو پھنسوانا چاہا۔"

"تم بار بار عالیہ کا نام کیوں لے رہے ہو۔" بیگم نواز بگڑ کر بولی۔

"اس لئے کہ عالیہ بھی ڈاکٹر سے....!"

"فریدی صاحب۔" ڈاکٹر جلدی سے بولا۔ لیکن فریدی اپنا جملہ پورا کئے بغیر پھر اشرف سے مخاطب ہو گیا۔

"تم نے شروع میں نصیر کو پھنسانے کی کوشش کی تھی اس لئے بیگم عارف کا رومال استعمال کیا تھا۔"

اشرف آرام کرسی پر پڑا ہانپتا رہا۔

"تم غلط کہتے ہو کہ تمہیں کرنل اور اُس پُراسرار آدمی کی لڑائی کا حال معلوم تھا۔ کیا تم نے کرنل کی زندگی ہی میں ان کی ڈائری نہیں چرائی تھی۔ کیا تمہیں اس ڈائری سے ان واقعات کا علم نہیں ہوا تھا۔ کل رات میں نے وہ ڈائری برآمد کر لی ہے۔ اشرف صاحب تم لوگوں کو یہاں رکھنے کا مقصد ہی یہی تھا کہ میں اطمینان سے پیلی کوٹھی کی تلاشی لے سکوں۔ ڈاکٹر قدیر کا مسئلہ کلوروفارم نے حل کر دیا۔"

"کلوروفارم....!" ڈاکٹر قدیر چونک پڑا۔

"میں اس کے لئے معافی چاہتا ہوں۔ میں نے آپ کو سوتے میں بیہوش کیا تھا۔ ہاں تو اشرف .... اُس ڈائری پر سے بھی آپ کی انگلیوں کے نشانات لئے گئے ہیں.... اور بتاؤں۔" فریدی نے ایک الماری کھول کر اس میں سے جوتوں کا ایک جوڑا نکالا اور مسکرا کر بولا۔ "اشرف صاحب کیا یہ جوتے آپ کے نہیں ہیں۔"

اشرف خاموش رہا اور فریدی تھوڑے توقف کے بعد بولا۔ "ان میں سے ایک جوتے کی ایڑی غائب ہے اور وہ مجھے اس کنوئیں کی ایک کگار پر ملی تھی، ایسے کاموں میں ربر سول کے جوتے مفید بھی ہوتے ہیں اور نقصان دہ بھی۔ تمہیں ان کی ایڑیوں کی مضبوطی کا اندازہ پہلے ہی لگالینا چاہئے تھا۔ اس میں شک نہیں کہ تم نے رفیق کو قید کر کے چھوڑ دینے کی اسکیم بنا کر اپنی انتہائی ذہانت کا ثبوت دیا تھا۔ اس طرح یقیناً پولیس چکر میں پڑجاتی اور اس پُر اسرار اجنبی کو پکڑنے کے لئے نہ جانے کہاں کہاں جال ڈالتی اور کون کون سے کنوئیں کنگھالتی لیکن تمہارے ربر سول جوتوں کا بُرا ہوا۔ تمہیں وہ ڈائری بھی ضائع کر دینی چاہئے تھی اور آخری حماقت کم از کم میرے گھر سے دور رہ کر کرتے۔ ڈاکٹر قدیر کی سرنج ناحق استعمال کی تھی۔ اس طرح اگر اس پر تمہاری انگلیوں کے نشانات نہ بھی ملتے تو میں اس راستے سے ہٹ جاتا جس پر تم نے پولیس کو لگانے کی کوشش کی تھی۔ پس تم ہوس میں مارے گئے۔ جلدی میں تم نے اس کا بھی خیال نہیں رکھا کہ اس پر تمہاری انگلیوں کے نشانات نہ پڑنے پائیں۔ بہر حال کرنل کی دولت تمہارے ہاتھ نہ لگ سکی۔ ڈاکٹر قدیر میں تمہیں مبارک باد دیتا ہوں۔"

"یہ مبارک باد کا موقع نہیں۔" ڈاکٹر قدیر گلوگیر آواز میں بولا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

"ہپ ہپ ہُرا.....!" نصیر نشے میں بڑبڑایا۔

"چپ رہو۔" بیگم عارف نے اُسے ڈانٹا۔

اور پھر کمرے پر قبرستان کی سی خاموشی مسلط ہوگئی۔

ختم شد